کتاب و سنّت کی روشنی میں

آپ کے مسائل اور اُن کا حل

ابو الحسن مبشّر احمد ربّانی

مکتبہ قدوسیہ

آپ کے مسائل

اور اُن کا حل

کتاب وسُنّت کی روشنی میں

جلد سوم

ابوالحسن مُبشّر احمد ربّانی

مکتبہ قدّوسیہ اردو بازار لاہور

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

کتاب وسنت
کی
نشرواشاعت
کے لیے
کوشاں

اشاعت ——— 2004ء

مکتبہ قدوسیہ
ابوبکر قدوسی نے موٹروے پریس سے چھپوا کر شائع کی۔
رحمان مارکیٹ ⊙ غزنی سٹریٹ ⊙ اردو بازار ⊙ لاہور پاکستان
Ph:042-7230585-7351124
Email: qadusia@brain.net.pk

فہرس

کتاب العقائد والتاریخ

کتاب الطہارۃ

کتاب الزکوٰۃ

کتاب الصیام

کتاب النکاح

کتاب الطلاق

کتاب الاضحیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اوّل

دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے دین کی اساس واصل دو چیزیں ہیں۔

۱۔ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

۲۔ اور اللہ کی عبادت شرعی طریقے کے مطابق ہو بدعی طریقے سے نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾(الكهف: ۱۱۰)

''جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے وہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

جیسے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی سے خائف نہ ہوں اور نہ ہی اس کے سوا کسی کی استعانت کریں صرف اللہ پر توکل کریں اور خالص اسی کی بندگی کریں اسی طرح ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کی اطاعت واتباع کریں ہر وہ عمل جس میں اللہ کی رضامندی مطلوب نہ ہو وہ اللہ کے لیے نہیں ہوتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئي مانوى......))(متفق عليه)

تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی لہذا جو عمل حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہو وہ تو اللہ کے لیے ہوگا اور جس میں اس کی رضا مطلوب نہ ہو وہ اللہ کے لیے نہیں اور ہر وہ عمل جو اللہ کی شریعت کے مطابق نہ ہو رسول

اللہ ﷺ کی سنت وحدیث سے مس نہ کھاتا ہو وہ مردود ہے رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد))(متفق عليه)

''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ مردود ہے۔''

اس حدیث میں ''امرنا'' سے مراد سنت مطہرہ ہے اور سنت نبوت کی میراث ہے۔ اور اللہ کی کتاب میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کی عملی تطبیق ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین اطاعت واتباع اور عملی تطبیق میں سنت وفرض میں فرق نہیں کرتے تھے شرعی مسائل کے استنباط واستخراج میں جس منہج پر سلف صالحین گامزن تھے اس کا کچھ حصہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

(ا) کتاب وسنّت کے ساتھ تمسک

ابونضرہ منذر بن مالک سے روایت ہے کہ جب ابوسلمہ بصرۃ میں آئے تو میں اور حسن بصری ان کے پاس آئے تو انہوں نے حسن بصری سے کہا: تم حسن ہو؟ میری ملاقات کرنے والوں میں سے بصرہ میں کوئی شخص مجھے تم سے زیادہ محبوب نہیں اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہو۔

''فلا تفت برأيك الا أن تكون سنة عن رسول الله ﷺ أو كتاب منزل''

تم اپنی رائے سے فتویٰ نہ دو بجز اس کے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی سنت ہو یا اللہ کی نازل کردہ کتاب۔''

(الدارمی (١٦٥)الفقيه والمتفقه للخطيب(١٠٧١)مفتاح الجنة للسيوطی ص٣٦)

جابر بن زید فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہیں طواف کرتے ہوئے ملے تو کہا: اے ابوالشعثاء تم فقہاء بصرہ میں سے ہو۔

”فـلا تـفـت الا بقرآن ناطق أو سنة ما ضيه فانك ان فعلت غير ذلك هلكت و أهلكت“

”تم قرآن ناطق اور سنت ماضیہ کے بغیر فتویٰ نہ دو بلاشبہ اگر تم نے یہ کام کیا تو خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کرو گے۔“

(مسند الدارمی (١٦٦) الفقیہ والمتفقہ ١/١٨٣، ٢/١٦٣ حلیة الأولیاء ٣/٨٦ تاریخ کبیر للبخاری ٢/٤/٢٠٠ مختصرا)

۲۔ اللہ اور رسول ﷺ کے قول کے مقابلہ میں کسی کا قول نہیں لیتے تھے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ (الأحزاب:٣٦)

”کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کے لائق نہیں جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں پھر ان کے لیے ان کے معاملہ میں کوئی اختیار باقی ہو جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔“

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس توراۃ کا ایک نسخہ لے کر آئے اور کہا اے اللہ کے رسول یہ تورات کا نسخہ ہے آپ خاموش ہو گئے عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پڑھنا شروع کیا اور اللہ کے رسول کا چہرہ متغیر ہونے لگا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تجھے گم پانے والیاں گم پائیں تم اللہ کے رسول کا چہرہ نہیں دیکھتے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھا تو کہا: میں اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ہم اللہ کے رب

ہونے اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((والذی نفس محمد بیده لو بدا لکم موسی فاتبعتموه وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیا وادرك نبوتی لا تبعنی))

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر تمہارے لیے موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائیں تم ان کی پیروی کرنے لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اور اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت پا لیتے تو ضرور میری پیروی کرتے۔''

(مسند الدارمی (٤٤٩) مجمع الزوائد (٨١٥'٨١٧'٨١٨'٨١٩) ابن ابی شیبه ٩/٤٧ (٦٤٧٢) السنة لابن ابی عاصم (٥٠) جامع بیان العلم (١٤٩٥'١٤٩٧) یہ روایت حسن درجے کی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم)

امام اوزاعی فرماتے ہیں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لکھا:

"لا رأی لأحد فی کتاب الله وانما رأی الائمة فیما لم ینزل فیه کتاب ولم تمض به سنة من رسول الله ﷺ ولا رأی لأحد فی سنة سنها رسول الله ﷺ"

''اللہ کی کتاب میں کسی کی رائے نہیں۔ ائمہ کی رائے اس چیز کے بارے میں ہے جس کے متعلق کتاب نازل نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی سنت گزری ہو اور سنت جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے جاری کیا اس کے بارے میں بھی کسی کی کوئی رائے نہیں۔''

(مسند الدارمی (٤٤٦) الإبانه لابن بطه (١٠٠) الشریعه للآجری ص ٥٩ جامع بیان العلم (١٣٠٧)

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کنکری پھینکتے دیکھا تو اسے منع کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ اس سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''یہ نہ تو دشمن کو زخمی کرتی ہے اور نہ ہی اس سے شکار کیا جاتا ہے لیکن یہ دانت توڑتی ہے اور آنکھ پھوڑ دیتی ہے پھر ابن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس کو اس کے بعد کنکری پھینکتے دیکھا تو کہا: کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع کیا تھا پھر میں تمہیں کنکری پھینکتے ہوئے دیکھتا ہوں اللہ کی قسم میں تم سے کلام نہیں کروں گا۔

(مسند الدارمی (٤٥٣،٤٥٤)مسند احمد٤/٤٦،٥/٥٤،٥٥،٥٧ بخاری (٤٨٤١) مسلم(١٩٥٤)

قتادہ کہتے ہیں محمد بن سیرین نے ایک شخص کو نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی اس آدمی نے کہا فلاں شخص نے تو اس طرح کہا ہے ابن سیرین فرمانے لگے:

"أحدثك عن النبي ﷺ وتقول قال فلان وفلان كذا وكذا "لا أكلمك ابدا"

''میں تمہیں نبی ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم کہتے ہو فلاں' فلاں نے اس اس طرح کہا میں تم سے کبھی بھی بات نہیں کروں گا۔''

(مسند الدارمی(٤٥٥)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے نہ روکے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے نے کہا اللہ کی قسم میں تو اسے روکوں گا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بہت برا بھلا کہا سالم فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ ابن عمر کو اس سے پہلے کبھی کسی کو اس طرح برا بھلا کہتے نہیں دیکھا پھر کہنے لگے:

"احدثك عن رسول الله ﷺ تقول اذا والله امنعها"

''میں تمہیں اللہ کے رسول کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم پھر بھی کہتے ہو میں اللہ کی قسم اسے منع کروں گا۔''

(مسند الدارمی(٤٥٦) مسند ابی یعلیٰ(٥٤٢٦'٥٤٩١)صحیح ابن حبان (٢٢٠٨'٣٢٠٩'٢٢١٠'٢٢١٣) مسند حمیدی٦٢٥ وغیرھا من کتب الحدیث)

٣۔ حصول علم کے لیے جدو جہد کرتے اور صرف ثقہ راوی سے ہی دین لیتے

سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ سے صرف ثقہ راوی ہی حدیث بیان کریں۔

(مسند الدارمی (٤٢٩)الکفایۃ ص ٣٢ مقدمہ صحیح مسلم' تاریخ ابی زرعہ (١٤٨٣)

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں:

"انظروا عمن تاخذون هذا الحديث فانما هو دينكم"

''دیکھو تم یہ حدیث کس سے اخذ کرتے ہو یہ تمہارا دین ہے۔''

(مسند الدارمی(٣٩٩) الفقیہ والمتفقہ ٢/٩٦ حلیۃ الاولیاء٢/٢٧٨)

ابراہیم کہتے ہیں: سلف صالحین جب کسی آدمی کے پاس حصول علم کے لیے آتے تو اس کی نماز' سیرت اور ہیئت دیکھتے پھر اس سے حدیث لیتے۔

(مسند الدارمی (٤٣٤'٤٣٥)الجرح والتعدیل ٢/١٦ الکفایۃ ص١٥٧)

٤۔ جس مسئلہ کے بارے کتاب وسنت خاموش ہوں اس کا جواب دینے سے بچتے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"من افتي بفتيا يعمى عنها فاثمها عليه"

''جس نے ایسا فتویٰ صادر کیا جس سے وہ اندھا ہے اس کا گناہ اسی پر ہے۔''

(مسند الدارمی (١٦٢) جامع بیان العلم (١٦٢٦، ١٨٩٢) الفقیه والمتفقه ٢/ ١٥٥ جامع بیان العلم (١٦٢٧)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((من افتي بفتيا من غير ثبت فانما اثمه علي من افتاه))

''جو شخص دلیل برھان کے بغیر فتویٰ دیا گیا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔''

(مسند الدارمی (١٦١) ابو داؤد (٣٦٥٧) الادب المفرد (٢٥٩) حاکم ١/ ١٢٦ الفقیه والمتفقه ١/ ١٥٥)

قاسم بن محمد فرماتے ہیں:

" وإنا والله ما نعلم كل ما تسألون عنه ولو علمنا ما كتمنا كم ولا حل لنا أن نكتمكم "

''اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے ہر اس بات کو جس کے متعلق تم سوال کرتے ہو اور اگر ہم جانتے ہوتے تو تم سے نہ چھپاتے اور نہ ہی ہمارے لیے تم سے چھپانا حلال ہے۔''

(مسند الدارمی (١١٣) المعرفة والتاریخ ١/ ٥٤٨ الفقیه والمتفقه ٢/ ١٧٣ حلیة الأولیاء ٢/ ١٨٤ جامع بیان العلم (١٤١٠)

۵۔ فتویٰ دینے سے ڈرتے تھے

عطاء بن السائب کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس (۱۲۰) انصار کو پایا ہے ان میں سے کوئی بھی حدیث بیان نہیں کرتا تھا مگر یہ پسند کرتا کہ اس کے بھائی نے اسے حدیث بیان کرنے سے کفایت کر دی ہے اور کوئی کسی فتوی کے بارے سوال نہیں کیا جاتا تھا مگر یہ بات پسند کرتا کہ اس کے

بھائی نے فتویٰ دے کر اس کی کفایت کر دی ہے۔

(مسند الدارمی (۱۳۷) ابن سعد ۷۴/٦ تاریخ ابی زرعه (۲۰۳۱) جامع بیان العلم(۱۹۴۴'۱۹۴۵) کتاب الزهد لابن المبارك (۵۸)

ابن المنکدر رفرماتے ہیں:

"إن العالم يدخل فيما بين الله و بين عباده فليطلب لنفسه المخرج"

''بلاشبہ عالم اللہ اوراس کے بندے کے درمیان داخل ہوتا ہے اسے اپنے نفس کے لیے نکلنے کی کوئی راہ طلب کرنی چاہیے۔''

(مسند الدارمی (۱۳۹) حلية الاولياء۳/۱۵۳ الفقيه والمتفقه (۱۰۸۸'۱۰۸۹)

٦۔صرف مفید باتیں پوچھئے

قاسم بن محمد فرماتے ہیں: تم ایسی باتوں کے بارے سوال کرتے ہو جن کے بارے ہم سوال نہیں کرتے تھے اور تم ایسی چیزوں کے بارے بحث کرتے ہو جن کے متعلق ہم بحث نہیں کرتے اور تم ایسی باتیں پوچھتے ہو میں نہیں جانتا وہ کیا ہیں اور اگر ہمارے علم میں ہوتیں تو انہیں چھپانا ہمارے لیے حلال نہ تھا۔(مسند الدارمی (۱۲۰)

۷۔جو چیزیں واقع نہ ہوئی ہوں ان کے بارے سوال کرنا ناپسند کرتے تھے۔

یزید بن مسلم المنقری فرماتے ہیں ایک دن ایک آدمی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اس نے ایک ایسی چیز کے بارے سوال کیا میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے اسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ایسی چیز کے بارے سوال نہ کرو جو واقع نہیں ہوئی میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ ایسے آدمی پر لعنت کرتے تھے جو ایسی اشیاء

کے بارے سوال کرتا جو واقع نہ ہوئی ہوں۔

(مسند الدارمی (١٢٣)جامع بیان العلم(١٨٢٠) کتاب العلم لابی خیثمه(١٤٤) الفقیه والمتفقه ٧/٢)

طاؤس کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا:

"احرج باللہ علی رجل سأل عمالم یکن فان اللہ قد بین ما ھو کائن"

''جو شخص ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے گا جو واقع نہیں ہوئی میں اس پر راستہ تنگ کردوں گا یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر ہونے والی چیز واضح کر دی ہے۔''

(مسند الدارمی (١٢٦)جامع بیان العلم(١٨٠٧'١٨٠٨)فتح الباری ٢٦٦'٢٦٧/١٣ الفقیه والمتفقه ٧/٢ کتاب العلم(١٢٥))

رجاء بن حیوۃ کہتے ہیں میں نے عبادۃ بن نسی الکندی سے سنا ان سے ایک عورت کے بارے سوال کیا گیا جو کسی ایسی قوم کے ہاں فوت ہو جائے کہ وہاں اس کا ولی نہ ہو۔ تو انہوں نے کہا: میں نے ایسی قوم کو پایا ہے وہ تمہاری شدت کی طرح شدت نہیں کرتے تھے اور تمہارے سوالات جیسے سوالات نہیں پوچھتے تھے۔

(مسند الدارمی(١٢٩) تاریخ مدینة دمشق)

٨۔ کلمہ ''لا ادری'' (میں نہیں جانتا) سلف کے ہاں نصف علم کے مساوی تھا

امام شعبی نے فرمایا: لا ادری (میں نہیں جانتا) نصف علم ہے۔ (مسند الدارمی)

نافع سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی چیز کے بارے سوال کیا تو انہوں نے کہا ''لا علم لی'' مجھے علم نہیں۔ پھر آدمی کے چلے جانے کے

بعد کہنے لگے:

''ابن عمر نے جو کہا بہت اچھا ہے وہ ایسی بات کے بارے سوال کیا جاتا ہے جسے وہ نہیں جانتا اور کہہ دیتا ہے مجھے اس کا علم نہیں۔

(مسند الدارمی(۱۸۷)المعرفة والتاریخ۱/۴۹۳ الفقیه والمتفقه ۲/۱۷۲)

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ مجھے ایسے امور کا سوال کیا جائے جو میں جانتا ہوں یا نہیں جانتا۔

اس لیے کہ جب مجھ سے ایسی چیز کے بارے پوچھا جائے جو میں جانتا ہوں تو میں وہی کہوں گا جو میرے علم میں ہے اور جب مجھ سے ایسی چیز کے بارے سوال کیا جائے گا جو میں نہیں جانتا تو میں کہوں گا: لا اعلم میں نہیں جانتا۔ (مسند الدارمی:۱۸۹)

امام اعمش فرماتے ہیں: میں نے ابراہیم کو یہ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا کہ: یہ حلال ہے یا حرام وہ کہا کرتے تھے کہ سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اس چیز کو ناپسند کرتے تھے اور اسے پسند کرتے تھے۔ (مسند الدارمی:۱۹۰)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ان الذی یفتی الناس فی کل ما یستفتیٰ لمجنون"

''بے شک وہ آدمی جو ہر استفتاء کے بارے فتویٰ دیتا ہے مجنون ہے۔''

(مسند الدارمی(۱۷۶)الفقیه والمتفقه(۱۱۹۴'۱۱۹۵) مجمع الزوائد(۸۷۰) الإبانه۱/۴۱۸(۳۲۶)

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین ہر چیز کے بارے فتویٰ صادر نہیں کر دیتے تھے بلکہ جس چیز کا علم ہوتا اس کے بارے فتویٰ دیتے جس کا علم نہ ہوتا اس کے بارے صاف کہہ دیتے میں نہیں جانتا اور یہ کلمہ ان کے نزدیک نصف علم کے برابر سمجھا جاتا۔ لہذا علماء کرام کو صرف اسی چیز کے بارے فتویٰ صادر کرنا چاہیے جس کے متعلق

انہیں صحیح علم ہو ورنہ لا اعلم یا لا ادری کہہ دینا ہی بہتر ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں سے جو آدمی علم رکھتا ہو وہ اس کے بارے بات کہے اور جو علم نہیں رکھتا وہ کہے: اللہ اعلم اللہ بہتر جانتا ہے اس لیے کہ جب عالم سے ایسی چیز کے بارے سوال کیا جائے جس کے بارے وہ نہیں جانتا تو اللہ عزوجل کہتا ہے: میں جانتا ہوں اللہ نے اپنے رسول ﷺ سے کہا:

((قل ما أسئلكم عليه من اجر وما انا من المتكلفين))

''آپ کہہ دیں میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا اور نہ ہی میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔''

مسند الدارمی(۱۷۹) متفق علیه' مسند ابی یعلی (۵۱٤۵) صحیح ابن حبان (٤٧٦٤'٦٥٨٥) مسند حمیدی(۱۱٦) الفقیه والمتفقه ۲/ ۱۷۱)

۹۔ رائے سے اجتناب کرتے تھے

مالک بن مغولؒ فرماتے ہیں مجھے امام شعبیؒ نے کہا: یہ لوگ جو بات تمہیں رسول اللہ ﷺ سے بیان کریں اسے لے لو اور جو اپنی رائے سے کہیں اسے گندگی کے ڈھیر پر پھینک دو۔

(مسند الدارمی (۲۰٦) الإبانة ۲/ ۵۱۷(٦۰۷ الإحکام فی اصول الأحکام لابن حزم ٦/ ۱۰۳۰ جامع بیان العلم(۱۰٦٦)

جو علماء قرآن اور حدیث کی نصوص کے مقابلے میں رائے اور قیاس سے کام لیتے ہیں وہ اصل میں ائمہ مضلین ہیں ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انما اخاف علی امتی الائمة المضلین"

''میں اپنی امت پر گمراہ کرنے والے ائمہ سے خائف ہوں۔''

(مسند الدارمی(۲۱۵) مسند احمدہ/ ۲۷۸'۲۸٤ ترمذی کتاب الفتن باب ما جاء فی الائمة المضلین(۲۲۳۰) ابن ماجہ(۳۹۵۲) مسند الشهاب (۱۱۱٦) دلائل النبوة للبیهقی٦/ ۵۲۷ حاکم ٤/ ٤٤۹)اسے حاکم وذھبی نے صحیح کہا ہے۔)

لہٰذا اھل علم کو چاہیے کہ وہ کتاب وسنت کی نصوص کے مطابق فتویٰ جاری کیا کریں۔

۱۰۔اہل بدعت سے اجتناب

ابو قلابہ عبداللہ بن زید الجرمیؒ فرماتے ہیں: بدعتی لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو اور نہ ہی ان سے مجادلہ کرو وہ تمہیں اپنی گمراھیوں میں غرق کر دیں گے یا جن امور کو تم جانتے ہو وہ تمہارے اوپر خلط ملط کر دیں گے۔

(مسند الدارمی(٤۰۵) الإبانة (۳٦۳)(طبقات ابن سعد شرح اصول اعتقاد اهل السنة(۲٤۳) الشریعه للآجری ص(٦۷)

ایوب سختیانی کہتے ہیں مجھے سعید بن جبیرؒ نے طلق بن حبیب مرجئی کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کیا میں نے تمہیں طلق بن حبیب کے پاس بیٹھا ہوا نہیں دیکھا؟ تم ہرگز اس کے ساتھ نہ بیٹھو۔

(مسند الدارمی(٤۰٦) البدع لابن الوضاح(۱٤۵) الإبانة (٤۱۳)

بدعتی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے عقیدہ وعمل کی خرابی کا امکان ہے اس لیے سلف صالحین بدعتی لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا کرتے تھے۔

نافع کہتے ہین عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے فرمانے لگے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے اگر اس نے بدعت ایجاد کی ہے تو تم اسے سلام نہ کہو۔(مسند الدارمی (۴۰۷)

مسلم بن یسارؒ کہا کرتے تھے جھگڑے سے بچو یہ عالم کی جہالت کی گھڑی ہے اور اسی گھڑی میں شیطان اس کی پھسلاہٹ کو تلاش کرتا ہے۔

(الشریعہ للآجری ص ٦١ مسند الدارمی (٤١٠) حلیۃ الاولیاء ٢/٢٩٤ الإبانۃ (٥٤٧، ٥٤٨)

اسماء بن عبید کہتے ہیں دو بدعتی امام محمد بن سیرینؒ کے پاس آئے انہوں نے کہا اے ابو بکر ہم تمہیں ایک حدیث بیان کرتے ہیں؟ ابن سیرین نے کہا نہیں ان دونوں نے کہا ہم تجھ پر قرآن کی ایک آیت تلاوت کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تم دونوں مجھ سے دور ہو جاؤ یا میں تم سے دور ہو جاتا ہوں۔ اسماء بن عبید کہتے ہیں وہ دونوں چلے گئے تو کسی نے کہا اے ابو بکر کیا حرج تھا کہ وہ تم پر اللہ کی کتاب سے آیت تلاوت کرتا؟ فرمانے لگے مجھے ڈر تھا کہ وہ مجھ پر تحریف کر کے آیت پڑھتے اور وہ میرے دل میں جگہ پکڑ لیتی۔

(الإبانۃ (٣٩٨) مسند الدارمی (٤١١) شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ (٢٤٢) الشریعہ للآجری ٦٢)

١١۔ اتباع شریعت سے محبت اور بدعت سے بغض رکھتے

عثمان بن حاضر ازدی کہتے ہیں میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا مجھے وصیت کریں تو انہوں نے کہا: تم اللہ کے تقویٰ اور استقامت کو لازم پکڑو و اتباع کرو اور بدعت اختیار کرنے سے بچو۔

(مسند الدارمی (١٤١) السنۃ للمروزی (٨٣)

بدعت اور اھل بدعت سے اجتناب کے بارے کچھ آثار اوپر ذکر ہو چکے ہیں۔ سلف صالحین اتباع سنت کو لازم پکڑتے تھے۔ بدعت اور اہل بدعت سے اجتناب کرتے تھے اور لوگوں کو بھی بچنے کی تلقین کرتے تھے۔

١٢۔ جب حدیث رسول مل جاتی تو آراء کو ترک کر دیتے اور حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے

امام مالکؒ کے بارے الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں امام ابن ابی حاتم رازی نے

لکھا ہے کہ ان سے پاؤں کی انگلیوں میں خلال کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کے متعلق لوگوں میں کوئی چیز موجود نہیں پھر انہیں عبداللہ بن وہبؒ نے نبی ﷺ کی حدیث بیان کی جسے سن کر فرمانے لگے یہ حدیث تو حسن ہے پھر اس کے بعد ان سے جب بھی پاؤں کی انگلیوں کے خلال کے بارے پوچھا جاتا وہ اس کا حکم دیتے تھے۔

یہ سلف صالحین کا منہج تھا جس پر چل کر انہوں نے اللہ کے فریضے کو ادا کیا اور فقہ اسلامی کی بنیاد رکھی اسی غرض سے انہوں نے احادیث رسول کو جمع کیا اور اس پر کتب تالیف کیں اور اپنی کتب میں مختلف عنوانات پر مشتمل کتب' ابواب اور فصول قائم کیں۔ اور اسلامی زندگی کی صورۃ کاملہ مدون کر دی۔ تاکہ اللہ کا دین آسانی کے ساتھ لوگ سمجھ جائیں اور ظلمات و ضلالات سے بھی بچ سکیں۔ سلف صالحین کے منہج کو اختیار کرتے ہوئے ہم نے احکام ومسائل کا یہ سلسلہ ۱۹۹۲ سے لے کر تا ھنوز مجلہ الدعوۃ' غزوہ اور دیگر رسائل میں جاری رکھا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں'' دو جلدوں میں پہلے کئی بار طبع ہو چکی ہے اب آپ کے ہاتھوں میں اسی سلسلے کی یہ تیسری جلد ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اسے درجہ قبولیت پر فائز کرے اور ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے نوازے۔ آمین

سوال و جواب کا یہ سلسلہ دیگر لوگوں سے کافی مختلف ہے اس میں ہر سوال کا جواب کتاب وسنت کی رو سے دیا جاتا ہے اور منہج سلف کو سامنے رکھا جاتا ہے ہم اپنی تحریر میں فلسفی موشگافیوں کو جگہ نہیں دیتے بلکہ اللہ اور رسول ﷺ تک پہنچاتے ہیں اور اللہ نے ہمت بخشی تو یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا اللہ ہمیں اس منہج پر قائم ودائم رکھے۔ آمین

آخر میں ان تمام لوگوں کا میں مشکور ہوں جنہوں نے اس جلد کی تیاری میں کسی طرح کا بھی تعاون کیا ہے خصوصاً بھائی کاشف صاحب اور آصف سعید کا جن کی ترغیب اور ان تھک محنت سے یہ جلد تیار ہوئی۔ اور اپنے استاذ محترم مفتی اعظم پاکستان شیخ الحدیث

والتفسیر مولانا عبید اللہ عفیف صاحب حفظہ اللہ کا تو انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے مجھے بڑی جانفشانی اور شفقت سے دین کا علم پڑھایا اور فتویٰ نویسی میں راہنمائی کی اور اس کتاب کے لیے تقریظ لکھی جو الفاظ استاذ محترم راقم کے بارے ضبط تحریر میں لائے میں حقیقت میں ان اوصاف کا حامل نہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ میرے استاذ محترم کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور ان کا سایہ عاطفت تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

اور اللہ تعالیٰ مجھ جیسے ناچیز کو ایسی ہمت و توفیق عطا کرے کہ دین حنیف کا پوری زندگی کام کرتا رہوں۔ اس وقت جو تھوڑا بہت دین کا کام کر رہا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ میرے والد محترم رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ نے جب سے مجھے دعوت و جہاد کے ایک عظیم قافلے کے ساتھ وابستہ کیا اور امیر جماعۃ الدعوۃ محترم المقام پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب اور پروفیسر ظفر اقبال صاحب حفظہما اللہ کے ہاتھوں میں دیا تو اللہ نے دعوت و جہاد کی برکت سے اس مقام رفیع تک پہنچایا ہے۔ اگر مجاہدین کا ادنیٰ سا خادم نہ ہوتا تو شاید آج مجھ سے اتنے لوگ واقف نہ ہوتے دعوت و جہاد ایک ایسا عظیم راستہ ہے جس پر چلنے والا کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوتا۔ اس راہ کے ذریعے جتنا اللہ کا پیغام اس کے بندوں کے ہاں پہنچایا اور سنایا جا سکتا ہے شاید کسی اور راستے سے یہ کام ممکن نہیں۔ اللہ نے لوگوں کے دلوں میں مجاہدین کی محبت ڈال دی ہے اپنے بیگانے سبھی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جن مساجد و مدارس میں اہل توحید کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی جہاد فی سبیل اللہ کی برکت سے آج وہاں مجاہدین کے خطبات' دروس اور پند و نصائح کی مجالس قائم ہوتی ہیں اور لوگ کتاب و سنت کی رو سے مسائل دریافت کر کے اپنی زندگیوں کو تبدیل کر رہے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شیطان کے وساوس سے محفوظ فرمائے اور کتاب و سنت پر صحیح عمل کی توفیق بخشے اور اس کتاب کو ہمارے اہل و عیال' اساتذہ'

والدین اھل اسلام اور پوری دنیا کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے اور کل قیامت کو اپنی جنت الفردوس میں رسول اللہ ﷺ کے جوار میں جگہ عطا کرے اور ان کی شفاعت نصیب کرے۔ آمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی

بوقت 11 بجکر 5 منٹ 2002/12/11

مدرسہ فاطمہ الزہراء 146N سبزہ زار لاہور

فون نمبر 7445373

03204621574

كتاب

العقائد والتاريخ

نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھنا

س: بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کے جس خطے میں بھی درود پڑھا جائے تو وہ آواز نبی اکرم ﷺ کو پہنچ جاتی ہے اور آپ اسے سنتے ہیں اور اس کے لئے امام ابن قیم کی (''جلاء الافہام'' ص:96) سے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت پیش کرتے ہیں۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

''لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَّغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ۔''

''کیا یہ روایت صحیح ہے؟ بالتفصیل وضاحت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔''

(محمد عثمان۔ لاہور)

ج: نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود پڑھنا ہر مسلم پر لازم ہے اور درود نہ پڑھنے والا بخیل وغیرہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (الاحزاب 56:33)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر صلاۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس نبی پر صلاۃ وسلام بھیجتے رہو۔''

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلاۃ وسلام پڑھنا چاہئے اور احادیث صحیحہ میں آپ پر صلوۃ بھیجنے کے بہت سارے فضائل بھی وارد ہوئے ہیں لیکن یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ دنیا میں جہاں بھی درود پڑھا جا رہا ہو اس کی آواز آپ سنتے ہیں یا وہ آواز آپ تک پہنچ جاتی ہے۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے صلوۃ وسلام پر جو کتاب بنام ''جلاء الافہام'' تحریر کی ہے اس میں یک روایت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس سند کے ساتھ درج ہے:

"قال الطبرانی حدثنا یحی بن ایوب العلاف حدثنا سعید بن ابی مریم عن خالد بن یزید عن سعید بن ابی ھلال عن ابی الدرداء قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهُ يَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰئِكَةُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا بَلَّغَنِيْ صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِيْ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ"

"ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جمعہ والے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو یہ ایسا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

جو بھی آدمی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ ہم نے کہا آپ کی وفات کے بعد بھی؟ تو آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔"

یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اِنَّ اِسْنَادَهٗ لَا يَصِحُّ"

(القول البدیع فی الصلاۃ علی الجبیب الشفیع ص:159)

بلاشبہ اس کی سند صحیح نہیں۔ اس کی سند صحیح نہ ہونے کی دو علتیں ہیں۔

(ا) سعید بن ابی مریم اور خالد بن یزید کے درمیان انقطاع ہے یعنی سعید نے یہ روایت خالد سے نہیں سنی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خالد بن یزید 139ھ میں فوت ہوئے۔

(تہذیب التہذیب 178/2)

سعید بن ابی مریم کی ولادت 144ھ میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب 296/2)

یعنی سعید خالد کی وفات کے پانچ سال بعد پیدا ہوا۔ لہٰذا جو راوی اوپر والے راوی

کے پانچ سال بعد پیدا ہوا اس کا سماع کس طرح ہوسکتا ہے اور اس کی روایت کیسے درست اور صحیح ہوسکتی ہے؟

(۲) دوسری علت یہ ہے کہ سعید بن ابی ھلال اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کے درمیان بھی انقطاع ہے سعید بن ابی ھلال مصر میں 70ھ میں پیدا ہوئے۔

(تھذیب التھذیب 342/2)

جب کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں فوت ہو چکے تھے۔ (تقریب ص:52)

اور عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے تقریباً 35 سال بعد سعید بن ابی ھلال مصر میں پیدا ہوا۔

امام صلاح الدین العلائی رحمۃ اللہ علیہ نے (جامع التحصیل: ص 224) میں لکھا ہے کہ سعید کی روایت جابر رضی اللہ عنہ سے مرسل ہے اور جابر رضی اللہ عنہ مدینہ میں 70ھ کے بعد فوت ہوئے۔ (تقریب ص:52)

جب اس کی روایت جابر رضی اللہ عنہ سے مرسل ہے تو جابر رضی اللہ عنہ سے پہلے فوت ہونے والے صحابی ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔

لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے اور قابل حجت نہیں۔

علاوہ ازیں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے (القول البدیع ص:185) میں طبرانی کبیر سے یہ روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''وأخرجه الطبرانی فی الکبیر بلفظ اَکْثِرُوا الصَّلَاۃَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ یَوْمٌ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِکَةُ لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَّغَتْنِیْ صَلَاتُهُ حَیْثُ کَانَ......''

اور امام طبرانی نے ''معجم الکبیر'' میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نکالی ہے:

''جمعہ والے دن کثرت سے صلاۃ بھیجو یہ ایسا دن ہے کہ اس میں فرشتے حاضر

ہوتے ہیں۔نہیں ہے کوئی بندہ جو مجھ پر صلاۃ بھیجتا ہے مگر مجھے اس کی صلاۃ پہنچ جاتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو''۔

یعنی جلاء الافہام میں بلغتنی صوتہ ہے جب کہ القول البدیع میں طبرانی کے حوالے سے صوتہ کی بجائے صلاتہ ہے پہلے الفاظ کا مطلب مجھ پر صلاۃ پڑھنے والے کی آواز پہنچ جاتی ہے جب کہ دوسرے الفاظ کا مطلب مجھے اس کی صلاۃ پہنچ جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس روایت کے متن کے نقل کرنے میں بھی اختلاف ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جلاء الافھام میں تصحیف ہوگئی ہے صلاتہ کا لفظ صوتہ سے بدل گیا ہے اور صحیح یہی ہے کہ آپ کو درود پڑھنے والے کا درود پہنچ جاتا ہے نہ کہ اس کی آواز۔اس کی تائید دیگر احادیث صحیحہ سے بھی ہوتی ہے۔

آواز پہنچنے والی روایت سند اور متن کے لحاظ سے کمزور ہے۔اس لیے جو لوگ کہتے ہیں ''ہم یہاں پہ پڑھیں وہ وہاں پہ سنیں۔ان کی سماعت پر لاکھوں سلام'' ان کی یہ بات بے دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا

س درج ذیل روایات کی کیا حقیقت ہے؟

(۱) جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالی سے سوال کرو۔

(۲) نبی ﷺ نے ماشاء اللہ وماشئت کہنے سے منع کیا۔

(۳) من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا صحیح مفہوم اور حوالہ ذکر کریں نیز یہ بھی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مشکل کشا ہے؟ (حاجی عبدالحمید مشتاق ٹاؤن عثمان مسجد بند روڈ لاہور)

ج آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں۔

(۱) پہلی حدیث:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یَسْئَلُ أَحَدُ کُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ کُلَّهَا حَتّٰی یَسْأَلَهٗ شِسْعَ فَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ"
"تم میں ہر کوئی اپنی حاجات اپنے رب سے مانگے یہاں تک کہ جب جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اس سے مانگے۔"

(شعب الایمان للبیهقی 41/2(1116)مجمع الزوائد کتاب الأدعیة باب سوال العبد حوائجه کلها والاکثار من السوال 228/10ط جدید(71221)صحیح ابن حبان (موارد:2402)عمل الیوم واللیلة لابن السنی (354)ترمذی(3682)الکامل لابن عدی 207/6تهذیب الکمال 1131/2مسند بزار (کشف الاستار(3135)37/4)مسند ابی یعلی 130/6(3403)معجم شیوخ ابی یعلی (284)

اس حدیث کے موصول و مرسل ہونے میں اختلاف ہے امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اس کو جعفر بن سلیمان از ثابت البنانی از نبی ﷺ بہت سے راویوں نے روایت کیا ہے انہوں نے ثابت البنانی اور نبی ﷺ کے درمیان انس کا ذکر نہیں کیا۔
یعنی امام ترمذی نے ایک تو جعفر بن سلیمان کے تفرد کی وجہ سے اسے غریب کہا ہے اور دوسرے جعفر بن سلیمان کے اکثر شاگردوں نے اسے مرسل بیان کیا ہے موصول بیان نہیں کیا۔اس کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) جعفر بن سلیمان کا تفرد مضر نہیں اس لیے کہ یہ مسلم کے راویوں سے ہے۔اسے امام احمدؒ امام یحیٰ بن معینؒ امام علی بن المدینیؒ امام ابن حبان اور امام ابو احمد اور ابن سعد وغیرھم نے ثقہ قرار دیا ہے۔دیکھیں:

(تهذیب التهذیب 380/1`382تقریب ص 56الکاشف 294/1تهذیب سیر اعلام النبلاء 485/1الجرح والتعدیل481/2)

(۲) جعفر بن سلیمان سے قطن بن نسیر نے ہی اسے موصول بیان نہیں کیا۔بلکہ مسند بزار میں سیار بن حاتم نے اسے موصول بیان کرنے میں قطن کی متابعت کی ہے سیار بن حاتم کو علامہ ھیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں ثقہ قرار دیا ہے۔

امام ذھبی ''المغنی الضعفاء 459/1 میں فرماتے ہیں:

" صالح 'صالح الحديث فيه خفة ولم يضعفه احد بل قال الأزدی عنده مناكير"

''یہ صالح ہے اور صالح الحدیث ہے اس میں کچھ کمی ہے کسی نے اسے ضعیف نہیں قرار دیا لیکن ازدی نے کہا اس کے پاس منکر روایات ہیں۔''

الکاشف 475/1 میں فرماتے ہیں ''صدوق'' امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات 298/8 میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح قطن بن نسیر بھی حسن الحدیث راوی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

''صدوق یخطئ'' تقریب ص 282 لہٰذا قطن بن نسیر حسن الحدیث اور سیار بن حاتم ثقہ راوی نے اسے موصول بیان کیا ہے۔

جس کی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے محدثین کا قاعدہ ہے کہ جب موصول و مرسل میں جھگڑا ہو تو حکم موصول کا ہی ہوتا ہے خواہ موصول بیان کرنے والے تعداد میں تھوڑے ہی ہوں۔ امام نووی فرماتے ہیں:

"ان الصحيح بل الصواب الذی عليه الفقهاء والاصوليون ومحققو المحدثين انه اذا روی الحديث مرفوعا و موقوفا او موصولا و مرسلا فحكم بالرفع والوصل لانها زيادة ثقة وسواء كان الرافع والواصل اكثر او اقل فی الحفظ والعدد"

(شرح مسلم للنووی 256/1 مطبوعه قديمی كتب خانه كراچی)

''یقیناً صحیح بلکہ درست بات وہی ہے جس پر فقہاء اصولیین اور محققین محدثین ہیں کہ جب ایک حدیث مرفوع اور موقوف یا موصول اور مرسل روایت کی گئی ہو تو حکم مرفوع اور موصول کا لگایا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ ثقہ راوی کی زیادت ہے۔''

خواہ مرفوع اور موصول بیان کرنے والے قوت حفظ اور تعداد میں زیادہ ہوں یا کم۔ امام نووی کے اس اصولی قاعدہ سے معلوم ہوا کہ جعفر بن سلیمان کے تلامذہ میں سے قطن بن نسیر اور سیار بن حاتم نے اس حدیث کو موصول بیان کیا ہے۔

باقی تلامذہ اسے مرسل بیان کرتے ہیں تو اس حدیث پر مرسل کا نہیں بلکہ موصول کا حکم لگے گا۔

لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے اس پر کوئی غبار نہیں جب کہ اس کی تائید میں ایک اثر سیدہ عائشہ سے بسند صحیح مروی ہے۔

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَلُو اللّٰهَ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى الشِّسْعَ فَإِنَّ اللّٰهَ اِنْ لَمْ يُيَسِّرْهُ لَمْ يَتَيَسَّرْ"

(مسند ابی یعلی (4560)8/44`45 المطالب العالیہ 232/3(3353)عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص 128(355)شعب الایمان 42/2(1119)مجمع الزوائد 229/10 ط جدید (17222)

"سیدہ عائشہ نے فرمایا: ہر چیز اللہ تعالی سے مانگو یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی بے شک اللہ تعالی اگر اس کو آسان نہ کرے تو وہ آسان نہیں ہوتا۔"

حضرت انس کی حدیث کا ایک شاہد ابو ہریرہ کی حدیث بھی ہے جسے امام بیہقی نے شعب الایمان (1118) 41/2 میں روایت کیا ہے لیکن اس کی سند قوی نہیں ہے۔

(۲) دوسری حدیث:

(ماشاء اللہ وماشئت کی حقیقت)

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: مَاشِئْتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَجَعَلْتَنِي لِلّٰهِ عَدْلًا؟ بَلْ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ"

(مسند احمد 214/1`224`283`347 بیہقی 217/3 فتح الباری 540/11 عمل الیوم

والليلة للنسائي(988)الادب المفرد(804)ابن السنى (667)تاريخ بغداد105/8)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے کہا: جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں تو اسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے بلکہ جو اللہ اکیلا چاہے۔

یہ روایت اجلح عبداللہ کی وجہ سے حسن ہے۔ یہ حدیث اس طرح بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِذَا حَلَفَ اَحَدُکُم فَلَا یَقُلْ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شِئْتَ"

(صحيح ابن ماجه كتاب كفارات باب النهى أن يقال ماشاء الله وشئت 200/2سلسلة الاحاديث الصحيحه (136`139`1093)

"جب تم میں سے کوئی حلف اٹھائے تو نہ کہے جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں لیکن یوں کہے جو اللہ چاہیں پھر آپ چاہیں۔"

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ وہ اہل کتاب کے ایک آدمی سے ملا ہے اس نے کہا: تم اچھی قوم ہو اگر تم شرک نہ کرو تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد ﷺ چاہیں۔

اس نے نبی ﷺ سے یہ بات ذکر کی تو آپ نے فرمایا:

"اَمَاوَاللّٰہِ اِنْ کُنْتُ لَاَعْرِفُھَا لَکُمْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ"

"اللہ کی قسم میں اس بات کو جانتا ہوں یوں کہا کرو جو اللہ چاہے پھر محمد چاہیں۔"

(صحيح ابن ماجه كتاب الكفارات باب النهى ان يقال ما شاء الله وشئت 200/2سلسلة الاحاديث الصحيحه (137)مسند احمد 393/5عمل اليوم والليلة للنسائى (985)

یعنی اللہ کے ساتھ محمد ﷺ کو شریک نہ بناؤ بلکہ اللہ کے بعد محمد ﷺ کا ذکر کرو اس لیے کہ اللہ کا کوئی ہمسر نہیں سب اس کے بندے ہیں۔

اس مفہوم کی حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے: (مسند احمد 72/5 سنن الدارمی (2702) ابن ماجہ کتاب الکفارات باب النھی ان یقال ما شاء اللہ وشئت) میں مروی ہے۔

قبیلہ جھینہ کی ایک عورت قتیلہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا تم شرک کرتے ہو اور حصہ دار بناتے ہو تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں اور تم کہتے ہو کعبہ کی قسم تو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ جب حلف کا ارادہ کریں تو کہیں:

"وَرَبِّ الْكَعْبَةِ وَيَقُولُ اَحَدُهُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ"

"رب کعبہ کی قسم اور ان میں سے ہر کوئی کہے جو اللہ چاہے پھر آپ چاہیں۔"

(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (986) سنن النسائی کتاب الأیمان باب الحلف بالکعبۃ (3782) مسند احمد 371/6، 372 مستدرك حاكم 297/4 اس حدیث کو امام حاکم اور امام ذھبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) تیسری حدیث:

(من کنت مولاہ فعلی مولاہ)

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث کئی ایک صحابہ کرام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ"

"جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے اے اللہ جو علی سے دوستی لگائے تو بھی اسے دوست بنا اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔"

(مسند احمد 419/5، 84/1، 119 طبرانی کبیر (4052) مجمع الزوائد 128/9 (14610) مسند بزار (2519) کتاب السنۃ لابن ابی عاصم باب من کنت مولاہ فعلی

مولاہ 590/2 ابن حبان (2205) ترمذی (3712) طبقات ابن سعد' مشکل الآثار' البدایہ والنھایة' حلیة الاولیاء' تاریخ اصفہان سلسلہ صحیحہ (1750) مستدرك حاکم وغیرہ کتب احادیث میں مختصر اور مطول مروی ھے۔

مذکورہ بالا حدیث کا مفہوم اس کے الفاظ سے بالکل واضح ہے کہ یہاں مولی سے مراد دوست ہے یہاں مولی سے مراد نہ خلیفہ بلافصل ہے اور نہ ہی مشکل کشا اور حاجت روا۔ بلکہ خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق ہیں اور مشکل کشا اللہ تبارک وتعالی ہے۔ جو ہر کسی کے نفع ونقصان کا مالک ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴾(یونس:107)

''اور اگر تمھیں کوئی تکلیف پہنچا دے تو اسے دور کرنے ولا کوئی نہیں اور اگر وہ آپ کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کر لے تو اس کے فضل کو رد کرنے والا کوئی نہیں وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشکل اور مصیبت کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالی ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ﴾(النحل :26)

''بے کس ولا چار جب پکارے تو اس کی پکار کو قبول کر کے کون مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمھیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ تعالی کے ساتھ کوئی اور معبود

ہے (جو مشکل حل کرے) تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔"

نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهُ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ (الحديث) "

(مسند احمد 1/293`303 ترمذی کتاب صفة القيامة (2516) بحوالہ مشکوة (5302)

"اور جب بھی تو سوال کرے اللہ سے سوال کر اور جب بھی تو مدد طلب کرے اللہ سے مدد طلب کر۔ یقین کر لے بلاشبہ اگر ساری امت اس بات پر جمع ہو جائے کہ وہ تجھے کسی چیز سے نفع پہنچائے تو وہ نفع نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اگر ساری امت تجھے نقصان پہنچانے پر اکٹھی ہو جائے تو نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ نے تیرے خلاف لکھ دیا ہے۔"

مذکورہ آیات اور حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے نفع ونقصان کا مالک مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ کی ذات ہے کائنات میں سے کوئی فرد بھی کسی کے نفع و نقصان کا مالک نہیں رسول اللہ ﷺ نے بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بات سمجھا دی کہ آپ کی امت میں سے کوئی شخص بھی خواہ وہ نیک ہو یا بد' امیر ہو یا غریب' حکمران ہو یا رعایا' الغرض کوئی بھی کسی کی قسمت کا مالک نہیں۔ ہر قسم کا اختیار اللہ کے پاس ہے وہی مختار کل' مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "کلمہ و شرک" ملاحظہ ہو۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کیسے ہوئی؟

(س) رفیق غار کا ہجرت کی رات میں واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا فضل محمد صاحب اپنی کتاب ''فتنہ ارتداد اور جہاد فی سبیل اللہ'' کے صفحہ نمبر 186 پر لکھتے ہیں مختصرا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب سانپ نے ڈنک مارا' حضور اکرم ﷺ نے لعاب دہن لگا دیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا درد ختم ہو گیا پھر یہ درد آخری عمر میں دوبارہ اٹھا جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت واقع ہو گئی۔ گویا رفاقت صدیقی کی کیفیت موت میں بھی ساتھ رہی حضور اکرم ﷺ بھی زہر سے شہید ہوئے تھے کیا مذکورہ بات درست ہے کسی حدیث یا مستند کتاب سے حوالہ دیجئے؟ (ذوالفقار احمد۔ راہوالی)

(ج) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ واقعہ خطیب تبریزی اپنی کتاب ''مشکوۃ المصابیح'' میں باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ کی الفصل الثالث میں امام رزین بن معاویہ العبدری کی ''مسند رزین'' سے لائے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو وہ رو پڑے اور فرمانے لگے کاش کہ میرے تمام اعمال ان کے ایک دن اور ایک رات جیسے ہوتے' ایک رات وہ جس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار کی طرف چلے جب وہاں پہنچے تو کہا اللہ کی قسم آپ داخل نہ ہوں یہاں تک کہ میں آپ سے پہلے داخل ہو جاؤں' اگر اس میں کوئی ایذا پہنچانے والی چیز ہو گی تو مجھے ایذا پہنچے گی آپ اس سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے اسے صاف کیا اور اس کی ایک جانب کئی سوراخ تھے۔ انہوں نے اپنے تہہ بند کو پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں سے سوراخ بند کیے البتہ دو سوراخ باقی رہ گئے انہوں نے ان میں اپنے دونوں پاؤں داخل کر دیے۔ پھر کہا آپ اب تشریف لائیں چنانچہ آپ داخل ہوئے اور سر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھا اور سو گئے۔

اس دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سوراخ سے ڈسا گیا لیکن وہ اس لئے نہ ہلے (حرکت نہ کی) کہ کہیں رسول اللہ ﷺ بیدار نہ ہو جائیں جب آپ کے رخ انور پر ابو بکر

رضی اللہ عنہ کے آنسو گرے تو آپ نے دریافت کیا کہ اے ابوبکر! تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں تو ڈسا گیا ہوں چنانچہ آپ نے اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ تکلیف دور ہوگئی۔ پھر اس کے بعد زہر کا اثر ان پر دوبارہ ظاہر ہوا تھا جوان کی موت کا سبب بنا۔ (الحدیث)

یہ واقعہ مولانا صفی الرحمان مبارکپوری حفظہ اللہ نے بھی ''الرحیق المختوم'' میں درج کیا ہے لیکن اس روایت کا یہ حصہ جو میں نے درج کیا ہے سند کے اعتبار سے کمزور ہے۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ ج 2ص 476`477'امام ذہبی نے السیرۃ النبویہ ص 221اور علامہ ہبۃ اللہ الطبری الالکائی نے :"شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ رقم 2426ج 12ص 434میں درج کیا ہے اور علامہ علی متقی ہندی نے کنز العمال رقم 30615ج 12 ص 494میں دینوری کی کتاب المجالۃ اور ابوالحسن بن بشران کے فوائد' بیہقی کی دلائل النبوۃ اور لالکائی کی شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ کے حوالے سے درج کیا ہے۔

اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابراہیم الراسبی اور اس کا استاد فرات بن السائب دونوں ضعیف راوی ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابراہیم الراسبی کے بارے امام ذہبی فرماتے ہیں اس نے ایک طویل باطل روایت ذکر کی ہے اور اس کے وضع کے ساتھ متھم ہے اور فرات بن السائب از میمون بن مہران از ضبہ بن محصن از ابی موسی۔ اس نے غار کا قصہ بھی بیان کیا ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ اس کی روایت موضوع ہے۔

(میزان الاعتدال 545/2المغنی فی الضعفاء 593/2دیوان الضعفاء 2411)

امام ابونعیم اور امام دارقطنی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے (لسان المیزان 403/3)

نیز دیکھیں:

(تنزیۃ الشریعہ المرفوعہ 77/2الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث 254کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی 988/2کتاب الموضوعات 212/1)

فرات بن السائب کے بارے امام یحیٰ بن معین نے فرمایا یہ محض ہیچ ہے' امام دار قطنی و امام نسائی نے متروک' امام ابوحاتم رازی نے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ امام ابن عدی فرماتے ہیں اس کی روایات غیر محفوظ ہیں اور میمون سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے اور یہ روایت اس نے میمون سے ہی بیان کی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے اور محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے جس کے بارے امام بخاری منکر الحدیث کہیں اس سے روایت لینا حلال نہیں۔

(کتاب الضعفاء الصغیر للبخاری 29' التاریخ الکبیر 130/7 التاریخ الصغیر 131/2 المغنی فی الضعفاء 175/2 میزان الاعتدال 341/3 دیوان الضعفاء 488`3346) لسان المیزان 430/4 الضعفاء الکبیر 458/3 کتاب المجروحین 207/2 الضعفاء والمتروکین للدار قطنی 141/434 الجرح والتعدیل 455/7 تنزیۃ الشریعہ 95/1 الکامل لابن عدی 2048/6 احوال الرجال 328 الکشف الحثیث 334 الآلی المصنوعۃ 90/1`115/2 المدخل الی الصحیح 186)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا روایت درست نہیں علاوہ ازیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بارے دو اور روایتیں ہیں۔

(۱)......ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حارث بن کلدۃ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ یہ کھانا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ھدیہ دیا گیا تھا تو حارث نے کہا اے خلیفۃ الرسول کھانے سے اپنا ہاتھ اٹھالیں اس میں زہر ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھا لیا تو دونوں بیمار ہو گئے۔ اور اختتام سال پر دونوں ہی فوت ہو گئے۔

(۲)......ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوموار 7 جمادی اخری کے دن غسل فرمایا اس دن سردی تھی تو انہیں بخار ہو گیا۔ 15 دن بیمار رہے اس میں فوت ہو گئے۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ 224/3`223 الاصابہ فی تمیز الصحابہ 344/2)

ندائے لغیر اللہ کی شرعی حیثیت

(س) کچھ لوگ ندائے لغیر اللہ کے ثبوت میں چند ایک احادیث پیش کرتے ہیں ان کی تحقیق مطلوب ہے؟

۱۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ساریہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا ایک دن عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے تو دوران خطبہ بلند آواز سے کہا یا ساری الجبل (اے ساریہ پہاڑ کے ایک جانب ہو جاؤ) پھر لشکر میں سے ایک قاصد آیا اس نے کہا اے امیر المومنین ہمیں ہمارے دشمن نے شکست دے دی کیا یہ روایت اسنادی لحاظ سے صحیح ہے؟

۲۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا پاؤں سوج گیا تو انہوں نے یا محمد کا نعرہ لگایا تو پاؤں درست ہو گیا۔

۳۔ مالک الدار بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط پڑ گیا تو ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آ کر کہا "یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اِسْتَسْقِ اللّٰهَ لِاُمَّتِكَ"

اے اللہ کے نبی اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کریں۔"

تو نبی ﷺ اسے خواب میں ملے اور کہا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر میرا اسلام کہہ اور انہیں کہہ کہ تمہیں پانی پلایا جائے گا۔ تم دانائی کو لازم پکڑو۔ مالک الدار کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا اے میرے پروردگار میں نے کوتاہی نہیں کی مگر اس چیز میں جس سے میں عاجز آ گیا۔

قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ بات بالکل عیاں اور واضح ہے کہ مافوق الاسباب طریقے سے کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر پکارنا شرک ہے جو لوگ فوت شدگان کو مشکل اور مصیبت کے وقت پکارتے ہیں وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ یہ فوت شدہ بزرگ دور و نزدیک سے ہماری فریاد سننے پر قادر ہیں ہم جب بھی انہیں پکارتے ہیں

ہماری بلائیں ٹل جاتی ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہے اسی لئے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ، یا علی مدد، یا رسول اللہ مدد وغیرہ کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ مشکل کے وقت اللہ ہی کو پکارنا چاہئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾

پس تم اللہ کے سوا کسی کو بھی نہ پکارو۔ (الجن۷۲:۱۸)

ایک اور مقام پر فرمایا:''

﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

''اور تو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو مت پکار۔ اللہ کے ساتھ کوئی عبادت کے لائق نہیں اللہ کے سوا سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

قرآن حکیم کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے جو چیزیں ختم اور فنا ہو جانے والی ہیں انہیں پکارنا درست نہیں اور ساری کائنات کو زوال اور فنا ہے کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے اور نیک بندوں کو بھی موت سے ہمکنار کیا ہے اور کرتا رہے گا لہٰذا اللہ کے یہ نیک بندے بھی پکار کے لائق نہیں۔

الغرض غیر اللہ کو مافوق الاسباب طریقے سے مشکلات و مصائب میں پکارنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ یہ قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اب ہم سوال میں ذکر کردہ روایات کی تحقیق کی طرف آتے ہیں۔

قبروں پر نذر و نیاز چڑھانا

﴿س﴾ کیا کسی مزار یا قبر پر جا کر جانور ذبح کرنا اور نذر و نیاز چڑھانا جائز ہے؟ قرآن

وسنت کی رو سے واضح کریں۔

﴿ج﴾ نذر و نیاز اور تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا عبادت ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت جائز نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾(انعام:۱۶۲، ۱۶۳)

''کہہ دیجیے! بلاشبہ میری نماز میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے بات ماننے والا ہوں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾(الکوثر)

''اپنے رب کی خاطر نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

ایک جگہ پر فرمایا:

﴿لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ﴾

(الحج:۳۷)

''اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا لیکن اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

ان آیات بینات سے واضح ہو گیا کہ ہر قسم کی عبادت' قربانی' جانور کے ذبیحے تقویٰ اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ اس میں کسی کو شریک اور حصہ دار نہیں بنانا چاہیے۔ جو

شخص کسی اور ہستی کے لیے جانور ذبح کرتا ہے اس پر نبی آخر الزمان صادق و مصدوق محمد ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیفے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰى مُحْدِثًا))

(مسند احمد ٩٥٤، نسائی: ٤٤٣٢)

''اللہ کی لعنت ہو اس آدمی پر جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا اور اس پر بھی لعنت ہو جس نے زمین کی حدود و علامات کو چرایا اور اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو جس نے اپنے والدین پر لعنت کی اور اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو جس نے کسی بدعتی کو جگہ دی۔''

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس طرح کی حدیث (مسند احمد ۲۹۱۳) وغیرہ میں موجود ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا عُقْرَ فِي الْإِسْلَامِ))

(مسند احمد ۱۹۷/۳، بیہقی ۵۷/۳ ابو داود ۳۲۲۲، عبد الرزاق ۲۶۹، باب کراهية الذبح — موارد ۷۳۸ شرح السنة ۴۶۱/۵، ۲۲۷/۱۱ جمع الجوامع ۲۷۲/۸)

''اسلام میں قبروں کے نزدیک ذبیحہ نہیں ہے۔''

امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے عقر کی تشریح میں فرمایا ہے کہ:

((كانوا يعقرون عند القبر بقرة او شاة))

''مشرکین قبروں کے پاس گائے یا بکری ذبح کیا کرتے تھے۔''

امام خطابی نے ابوداؤد کی شرح ''معالم السنن'' ۳۴۴/۱ میں فرمایا ہے۔

''اہل جاہلیت سخی آدمی کی قبر پر اونٹ ذبح کرتے تھے اور کہتے تھے ہم اس کی

سخاوت کا بدلہ دے رہے ہیں۔اس لیے کہ وہ اپنی زندگی میں اونٹ ذبح کر کے مہمانوں کو کھلاتا تھا ہم اس کی قبر کے پاس ذبح کر رہے ہیں تا کہ درندے اور پرندے کھائیں اور جس طرح اس کی زندگی میں لنگر جاری رہتا تھا مرنے کے بعد بھی جاری رہے۔"

مذکورہ بالا حدیث اور اس کی شرح سے معلوم ہوا کہ قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا زمانہ جاہلیت میں مشرکوں کا کام تھا جو قبروں پر لنگر جاری رکھتے تھے اسلام نے آ کر اس کو ختم کیا ہے اور یہ درس دیا ہے کہ قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے جو لوگ قبروں پر جا کر نذر و نیازیں چڑھاتے اور ذبیحے کرتے ہیں وہ اہل قبور کو مشکل کشا اور حاجت روا جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر یہاں نذرانہ دیا گیا تو ہماری حاجات پوری ہونگی اور صاحب قبر راضی ہوگا۔

حالانکہ اصحاب القبور نہ ہماری پکاریں سنتے ہیں اور نہ ہی مشکلات حل کرنے پر قادر ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَ كُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾

(فاطر: ۱۳، ۱٤)

"اور وہ ہستیاں جنہیں تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت والے دن تمہارے شرک کا انکار کردیں گے اور خبر دینے والے کی طرح تمہیں نہیں خبر دیں گے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا ہے کہ جن ہستیوں کو اللہ کے سوا پکارا

جاتا ہے وہ کسی بھی چیز کی مالک نہیں مالک وخودمختار تو حق تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے اسے ہی پکارنا چاہیے اور نذریں و نیازیں جو اکثر عوام قبروں اور آستانوں پر مانتے ہیں حرام قرار دی گئی ہیں۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

''اکثر قوم جو نذر مانتی ہے اور مشاہدے میں ہے وہ کسی غائب انسان کے لیے ہوتی ہے یا مریض کے لیے یا کسی دوسری ضروری حاجت کے لیے۔ بعض نیک لوگوں کی قبروں پر آکر اس کا غلاف سر پر رکھ کر کہتا ہے اے میرے فلاں آقا اگر میرا غائب ہونے والا ساتھی واپس کر دیا گیا یا میرا مریض شفایاب ہوگیا یا میری حاجت پوری کر دی گئی تو تیرے لیے اتنا سونا یا اتنی چاندی یا اتنا غلہ یا اس طرح کی پانی کی سبیل یا شمع جلاؤں گا یا اتنا تیل ڈالوں گا یہ نذر بالاجماع باطل وحرام ہے اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔''

ا۔ یہ نذر مخلوق کی ہے اور مخلوق کے لیے نذر ماننا جائز نہیں۔ اس لیے یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہوتی۔

۲۔ جس کے لیے نذر مانی جا رہی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔

۳۔ اگر نذر ماننے والے نے یہ یقین کیا کہ میت اللہ کے سوا متصرف الامور ہے تو اس کا یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ (البحر الرائق ۲/۲۹۸ مطبوعہ کوئٹہ)

یہی بات فتاویٰ شامی ۲/ ۱۲۸ اور فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۲۱۶ میں بھی موجود ہے----۔

شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی فرماتے ہیں'

تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ:

" اجمع العلماء لو ان مسلما ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدا وذبيحته ذبيحة مرتد "

(فتاوىٰ عزيزى اردو ص: ۵۳۷)

''علماء کرام کا اسی بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی ذبیحہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے کیا تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا۔''

فقہ حنفی کے حوالہ جات سے بھی معلوم ہوا کہ اھل قبور کے لیے نذر و نیاز ماننا بالاجماع حرام و باطل ہے اور ان کے متعلق تصرف کا عقیدہ رکھنا کفر ہے کئی لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو بزرگوں کے نام کی نذر نہیں دیتے ان کے مزارات اور آستانوں پر حاضر ہو کر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرتے ہیں تو یاد رہے کہ ایسے مقامات جہاں پر غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہے جیسے قبروں پر سجدے کرنا' اہل قبور کو مشکلات میں ندا دینا اور پکارنا وغیرہ وہاں اللہ کے نام کا ذبیحہ اور نذر و نیاز ماننا بھی جائز نہیں۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ثابت بن الضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ:

" نَذَرَ رَجُلٌ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلًا بِبَوَانَةَ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ "

(ابو داؤد کتاب الایمان والنذور (۳۳۱۲)بیہقی ۱۰/۸۲)

''ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ مقام پر اونٹ ذبح کرے گا تو اس نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تو نہیں جس کی عبادت کی جاتی ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں۔''

آپ نے فرمایا کہ اس جگہ میں ان کے میلوں میں سے کوئی میلہ تو نہیں لگتا۔ صحابہ کرام نے کہا نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کر لے اور یاد رکھو اللہ کی نافرمانی میں نذر کو پورا نہیں کرنا اور نہ اس کو پورا کرنا ہے جس کا ابن آدم مالک نہیں۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''یہ حدیث اس بات کی بین دلیل ہے کہ جس مقام پر مشرکین کا میلہ لگتا ہو یا اس مقام پر ان کا کوئی بت وغیرہ نصب ہوا گرچہ اس مقام پر اب نہ میلے کا اہتمام ہوتا ہے اور نہ ہی بت نصب ہوتا ہو ہمیں اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی جانور کو ذبح کرنا ممنوع ہے کیونکہ مشرکین کا کسی جگہ پر میلہ لگانا یا کسی مقام پر ان کا غیر اللہ کی عبادت کرنا خالص اللہ کے لیے ذبح کرنے اور نذر پورا کرنے کے لیے مانع اور رکاوٹ ہے۔''

(هداية المستفيد: ١/٤٥٥)

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایسے مقامات جہاں پر اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت ہوتی ہو عرس' میلے لگتے ہوں وہاں پر اللہ کے نام کی نذر و نیاز اور چڑھاوے چڑھانا اور بکرے چھترے وغیرہ ذبح کرنا حرام ہیں۔اس سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

یا ساری الجبل والی روایت

ج یہ واقعہ اپنی تمام اسانید سمیت ضعیف اور نا قابل حجت ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسے:

حافظ هبة الله الطبری اللالکائی نے شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة: ٧/١٣٣٠ رقم ٢٥٣٧ میں' امام بیهقی نے دلائل النبوة ٦/٣٧٠۔ مشکوة مع تنقیح الرواة باب الکرامات الفصل الثالث ٤/١٩٣' البدایه والنهایه ٧/١١٧ ابو عبد الرحمن السلمی نے "الاربعین" میں ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں ضیاء مقدسی نے "المنتقی" میں جیسا کہ علامہ البانی نے سلسلہ صحیحہ ٣/١٠١ رقم (١١١٠) میں اور صاحب تنقیح الرواة نے ذکر کیا ہے۔ابن الاعرابی نے ''کرامات الاولیاء'' میں اور زین عاقولی نے اپنے فوائد میں جیسا کہ ابن حجر نے الاصابہ ٣/٥ میں بیان کیا ہے۔ ابن وهب عن یحیی بن ایوب عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے روایت کیا ہے۔ یہ سند دو بڑی علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ا۔محمد بن عجلان صدوق ہونے کے باوجود مدلس ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''طبقات المدلسین'' ص۴۴ رقم ۹۸ میں' حافظ علائی نے جامع التحصیل ص۱۰۹ وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔

اور اصول حدیث میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ مدلس راوی کا عن کے لفظ سے روایت کرنا صحت حدیث میں قادح ہے۔ جب تک کہ وہ سمعت' اخبرنا' حدثنا جیسے الفاظ سے سماع کی تصریح نہ کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع نہ ملے۔امام نووی نے ''المجموع شرح المہذب'' ۶/۲۱۲ میں ذکر کیا ہے کہ مدلس راوی جب لفظ ''عن'' سے روایت کرے تو بالاتفاق حجت نہیں ہوتا۔ یہ بات بریلوی علماء کو بھی مسلم ہے۔امام البریلویہ مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں ''عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے'' (فتاوی رضویہ ۵/۲٤۵ مطبوعہ جامعہ نظامیہ لاھور)

مولوی محمد عباس رضوی نے لکھا ہے کہ ''مدلس کا عنعنہ بالاتفاق مردود ہے۔تدلیس جرح ہے اور جس سے ثابت ہو جائے کہ وہ تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت کو مطلقاً قبول نہیں کیا جائے گا'' (واللہ آپ زندہ ھیں ص ۳۵۱)

لہٰذا فریقین کے مسلمہ اصول کی بنا پر یہ روایت محمد بن عجلان کے تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوسری بڑی علت اس میں یہ ہے کہ محمد بن عجلان نافع سے روایت بیان کرنے میں اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔

امام عقیلی فرماتے ہیں ''یضطرب فی حدیث نافع'' نافع سے روایت بیان کرنے میں اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔

(تھذیب التھذیب ۵/۱۲۲۰ الضعفاء الکبیر ٤/۱۱۸)اور اس کی یہ روایت نافع سے ھی ھے لھٰذا یہ سند حجت نہیں۔

۲۔ابن عجلان حدثنی ایاس بن معاویہ بن قرۃ (دلائل النبوۃ ٦/۲۰۷ شرح اصول

اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ ۷/۱۳۳۰) یہ روایت مرسل ہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں مرسل روایت کو جماہیر نقاد نے سند میں سے ساقط راوی کی جہالت کی وجہ سے رد کیا ہے۔

(الفیه العراقی بشرح فتح الباقی ص:۱٤۳)

امام مسلم فرماتے ہیں:

"وَالْمُرْسَلُ مِنَ الرِّوَايَاتِ فِي أَصْلِ قَوْلِنَا وَ قَوْلِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْأَخْبَارِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ"

''مرسل ہمارے اور روایات کو جاننے والوں کے اصل قول میں حجت نہیں۔''

(مقدمہ صحیح مسلم۱۱۷'۱۱۸ ط بیروت)

لہٰذا یہ روایات مرسل ہونے کی وجہ سے محدثین کرام رحمھم اللہ کے ہاں حجت نہیں ہے۔

علامہ ابن الاثیر جزری نے فرات بن السائب عن میمون بن مھران عن ابن عمر کے طریق سے اسد الغابۃ ۲/۳۸۰ میں روایت کیا ہے۔

اس کے بارے امام بخاری فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں یہ محض ہیچ ہے' دارقطنی وغیرہ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ ابو حاتم رازی نے اسے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں اس کی روایات غیر محفوظ ہیں اور میمون سے اس کی روایات منکر ہیں۔

(میزان الاعتدال ۳/۳٤۱ المغنی فی الضعفاء ۲/۱۸۵ الجرح والتعدیل ۷/۱٤۵۵ الکامل لابن عدی ٦/۲۰۵۰)

اور اس کی یہ روایت میمون بن مہران سے ہی ہے لہٰذا منکر ہے۔

۴۔ امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ ۷/۱۱۷ میں اور حافظ ابن حجر نے الاصابۃ ۳/۱۱۷ میں واقدی کی روایت اس کے مشائخ سے نقل کی ہے لیکن یہ محمد بن عمر الواقدی متروک و کذاب ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں' یہ غیر محفوظ روایت بیان کرتا ہے' امام نسائی فرماتے ہیں یہ روایتیں گھڑتا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: اس کے متروک ہونے پر

اجماع ہے۔(المغنی فی الضعفاء ۲/ ۳٥٤میزان ۳/ ۲٦۲)

امام احمد بن حنبل امام نسائی وغیرہما نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔امام شافعی فرماتے ہیں' واقدی کی کتابیں سب جھوٹ ہیں۔(تهذيب ٥/ ۲۲٤'۲۳٥)

۵۔سیف بن عمر کی اپنے مشائخ سے روایت۔(البدایہ ۷/ ۱۱٦ الاصابہ ۳/ ٥)

امام ذہبی نے فرمایا' یہ بالاتفاق متروک ہے۔ابن حبان فرماتے ہیں یہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔امام ابن معین ابو حاتم رازی' ابوداؤد' نسائی' دار قطنی' ابن عدی نے ضعیف متروک اور وضاع قرار دیا ہے۔(المغنی ۱/ ٤٦۰ تهذيب ۲/ ۲۷۰)

٦۔امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"وقد رواه الحافظ ابو القاسم الالكائی من طريق مالك عن نافع عن ابن عمر" (البدایه و النهاية ۷/ ۱۱۷)

حافظ ابوالقاسم الالکائی نے مالک کے طریق سے از نافع از ابن عمر بیان کیا ہے۔ لیکن خود اس کے بعد فرماتے ہیں۔"وفی صحتہ من حدیث مالک نظر" اس روایت کا مالک کی حدیث سے صحیح ہونے میں نظر ہے اور یہ ابوالقاسم اللالکائی کی کتاب شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ میں بھی موجود نہیں یا تو یہ امام ابن کثیر کا وہم ہے یا کوئی اور کتاب مراد ہوگی۔واللہ اعلم

۷۔حافظ ابوالقاسم اللالکائی نے ہشام بن محمد بن مخلد بن مطر قال نا ابوتوبہ قال: نا محمد بن مہاجر عن ابی بلیج علی بن عبداللہ کی سند سے بھی اس واقعہ کو بیان کیا۔

(شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة ۷/ ۱۳۳۰)

اس سند میں ہشام بن محمد اور ابو بلیج علی بن عبداللہ کے حالات معلوم نہیں۔

۸۔ابوبکر بن خلاد کی "فوائد" میں بطریق ایوب بن خوط عن عبدالرحمٰن السراج عن نافع بحوالہ سلسلہ الصحیحہ (۱۱۱۰) لیکن اس سند میں بھی ایوب بن خوط متروک راوی ہے۔ امام بخاری' امام ابن معین' امام نسائی' امام دار قطنی' امام عمرو بن علی الفلاس' امام ابو

حاتم' امام احمد' امام ابوداؤد' امام حاکم ابواحمد کے ہاں ضعیف ومتروک ہے۔

بلکہ امام باجی فرماتے ہیں: اس کے متروک الحدیث ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔ یہ باطل روایات بیان کرتا تھا۔ یہ نہ احکام میں حجت ہے اور نہ کسی اور چیز میں (تہذیب ۱/۲۵۴)

لہٰذا یہ روایت اپنے جمیع طرق کے ساتھ ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔

علامہ زیلعی نے لکھا ہے۔

"وَكَمْ مِنْ حَدِيْثٍ كَثُرَتْ رُوَاتُهُ وَتَعَدَّدَتْ طُرُقُهُ وَهُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ" (نصب الرایہ ۱/۳۵۹'۳۶۰)

"کتنی ہی ایسی روایتیں ہیں جن کے راوی کثیر ہیں اور سندیں بہت ہیں لیکن وہ ضعیف ہیں۔ لہٰذا ہر کسی روایت کو تعدد طریق کی بنا پر حسن کہہ دینا درست نہیں۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سن ہونے پر یا محمد کا نعرہ لگانے والی روایت کا جائزہ

اس روایت کو امام بخاری نے الادب المفرد (۹۶۴) میں بطریق سفیان عن ابی اسحٰق عن عبدالرحمان بن سعد بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو انہیں ایک آدمی نے کہا: جو آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے' اسے یاد کریں تو انہوں نے کہا "یا محمد"

یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ اس میں مرکزی راوی ابو اسحٰق السبیعی ہے جو کہ مدلس ہے اور روایت معنعن ہے۔ پھر ابواسحاق السبیعی کو اختلاط بھی ہو گیا تھا۔ وہ اس کے بیان کرنے میں اضطراب کا شکار ہے۔ کبھی اس روایت کو الھیثم بن حنش جیسے مجہول راوی سے (ابن السنی (۱۷۰) کبھی ابوشعبہ سے (ابن السنی ۱۶۸) اور کبھی عبدالرحمٰن بن سعد

سے (الادب المفرد (۹۶۴) اور ابن السنی (۱۷۲) بیان کرتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت ابو اسحاق کی تدلیس اور اضطراب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فائدہ:

مجاہد کہتے ہیں کہ ایک آدمی کی ٹانگ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس سن ہوگئی تو اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اپنے سب سے محبوب شخص کو یاد کرو تو اس نے کہا' محمد ﷺ' تو اس کی ٹانگ کی بے حسی ختم ہوگئی۔ (ابن السنی ۱۲۹)

یہ روایت موضوع ہے اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم کذاب وخبیث اور وضاع راوی ہے۔

(المغنی ۲/۳۶۰۹۰٤' میزان ۳/۳۳۷' الکامل ٦/۲۰۳٦' احوال الرجال (۳۷۰)

(رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر آکر ندا کرنے کے بارے مالک الدار کی روایت)

مالک الدار کی اس روایت کو حافظ ابویعلی خلیلی نے:

" الارشاد فی معرفته علماء الحدیث ۱/۲۱۳' ۳۱٤ میں ابن ابی شیبہ نے " المصنف ۱۲/۳۱' ۳۲ میں اور امام بیہقی نے " دلائل النبوة " ۷/۲۷ میں ابو معاویہ محمد بن خازم الضریر حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن مالك الدار کی سند سے روایت کی ہے۔ اور امام بیہقی سے امام ابن کثیر نے البدایہ والنھایة ۷/۸۲ میں اور ابن ابی شیبہ کے حوالے سے ابن حجر نے فتح الباری ۲/٤۹۰ میں ذکر کیا ہے اس کی سند میں سلیمان بن مہران الاعمش مدلس راوی ہیں۔ روایت عن کے لفظ سے کر رہے ہیں اور اپنے استاذ سے سننے کی تصریح نہیں کی۔

اعمش کی تدلیس کی بنا پر محدثین نے کئی ایک روایات کو رد کیا ہے۔

امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید باب ذکر اخبار رویته تعالی ص:۳۸ میں امام ابن عبدالبر نے التمهید ۳۰/۱ ، ۲۲۸/۱۰ میں ابن حجر عسقلانی نے التلخیص الحبیر ۱۹/۳ وغیرہ میں اعمش کو مدلس قرار دے کر ان کی روایات کو رد کیا ہے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ مدلس کا عنعنہ بالاتفاق مردود ہے۔ مولوی محمد عباس رضوی نے ایک روایت کے بارہ میں لکھا ہے کہ "اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔ (والله آپ زنده هیں ص:۳۵۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ "چونکہ اس سند میں بھی امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے "عن" سے روایت کی۔ وہ چونکہ مدلس ہیں لہٰذا یہ روایت ناقابل قبول ہے"

(والله آپ زنده هیں: ص ۳۵٤)

جس روایت کو رضوی صاحب ناقابل قبول قرار دے رہے ہیں یہ بھی ابومعاویہ از اعمش ابی صالح سے مروی ہے۔ اگر یہ ناقابل قبول ہے تو مالک الدار کی یہ روایت جو اسی سلسلے سے مروی ہے قابل قبول کیوں؟ مندرجہ بالا تحقیق سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا روایات ثلاثہ ناقابل حجت اور مردود ہیں۔

ان پر عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ ویسے بریلوی حضرات کا یہ قاعدہ ہے کہ عقائد میں اخبار آحاد صحیح بھی حجت نہیں۔ امام البریلویہ احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں "عقائد میں حدیث آحاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں۔

یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار ہے' علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں: حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے۔ اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

ملا علی قاری منح الروض الازھر میں فرماتے ہیں:

"اَلْآحَادُ لَا تَفِيْدُ الْاِعْتِمَاد فِيْ الْاِعْتِقَادِ" احادیث آحاد درباره اعتقاد ناقابل اعتماد" (فتاوی رضویه ٥ /٤٧٨)

"لہٰذا جب عقائد میں خبر واحد صحیح بھی ناقابل اعتماد ہے تو پھر ضعیف اور موضوع روایات کس طرح قابل اعتماد و حجت مان کر باطل عقائد کشید کیے جاتے ہیں۔"

اصل دین قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ہیں۔ ہمیں اپنے عقائد اور اعمال کتاب وسنت کے موافق رکھنے چاہئیں۔

تحریف شدہ آسمانی کتب کا انکار

س: میں نے نیٹ پر ایک عیسائی خاتون کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے بائبل کا انکار کر دیا۔ کیا اس وجہ سے میں اسلام سے خارج تو نہیں ہوا مجھے اس پر ندامت بھی ہے اور اللہ سے معافی بھی مانگتا ہوں۔ (محمد اعجاز خان سمین ٹیکسٹائلز رائیونڈ روڈ)

ج: تورات اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے اسی طرح انجیل بھی ان پر ایمان رکھنا لازم ہے کہ اللہ نے توراۃ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اور انجیل عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کی۔ لیکن اب جو موجودہ بائبل ہے یہ محرف شدہ ہے۔ یہ وہ آسمانی کتاب نہیں ہے جس پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ آپ نے نیٹ سے بائبل کی جو نفی کی ہے' یہ بالکل درست ہے۔ اس کے محرف ہونے پر مفصل بحث دیکھنی ہو تو مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب "اظہار الحق" ملاحظہ ہو اسی طرح احمد دیدات کے عیسائی پادریوں کے ساتھ مناظروں کی کیسٹیں دیکھیں اور سنیں۔ واللہ اعلم۔

نذر کا پورا کرنا

س: اگر کوئی شخص ایسی نذر مان لیتا ہے جس کو پورا کرنے کی اس میں ہمت و طاقت نہیں ہوتی۔ کیا وہ ضرور ایسی نذر پوری کرے گا؟ شرعی لحاظ سے اس کا کیا حکم ہے؟

ج: اگر کوئی آدمی ایسی نذر مان بیٹھے جس کی استطاعت اسے نہ ہو اور وہ اسے پورا نہ کرسکتا ہو تو اس کے لیے ایسی نذر پورا کرنا جائز نہیں۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"ان النبی ﷺ رأی شیخا یھادی بین ابنیه فقال ماھذا؟ قالوا نذران یمشی قال: ان الله عن تعذیب هذا نفسه لغنی وأمره أن یرکب"

بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کا سہارا لے کر چل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے انہوں نے کہا اس نے نذر مانی ہے کہ وہ پیدل چل کر جائے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے اپنے نفس کو عذاب دینے سے بے پرواہ ہے۔ آپ نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری(۱۸۶۵)(۶۷۰۱) صحیح مسلم ۱۶۴۲/۹) مسند احمد ۱۱۴/۳، ۱۱۸ ابوداؤد(۳۳۰۱) ترمذی(۱۵۳۷) نسائی(۳۸۵۳) المنتقیٰ ابن الجارود (۹۳۹) بیهقی(۷۸/۱۰) اور سنن النسائی(۳۸۵۲) میں یه الفاظ هیں

"نذر ان یمشی الی بیت الله"

اس آدمی نے بیت اللہ کی طرف پیدل چل کر جانے کی نذر مانی تھی۔

سنن ابی داؤد (۳۳۲۲) میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((من نذر نذراً لم یسمه فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذراً لم

يطقه فكفارته كفارة يمين))

جس نے ایسی نذر مانی اس کا نام نہ لیا اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی نذر مانی جس کو پورا کرنے کی اسے طاقت نہ ہو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اسی طرح نبی ﷺ نے ایسی عورت کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا جس نے پیدل چلنے کی نذر مانی اور وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔

(الفتح الربانی ۱۴/۱۸۸ (۶۴) ابوداؤد (۳۲۹۶) عن ابن عباس رضی الله عنهما بسند صحیح)

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ جو مرد یا عورت ایسی نذر مان لے جس کو پورا کرنے کی اس میں ہمت نہ ہو تو وہ قسم کا کفارہ ادا کر دے اور ایسی نذر اس کے لیے پورا کرنا جائز نہیں۔ اور قسم کا کفارہ یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں کو جو درمیانے درجہ کا کھانا کھلاتا ہے اس طرح کا کھانا دس مساکین کو کھلا دے یا ان کو کپڑا دے یا ایک غلام آزاد کر دے اور جس کو اس کی طاقت نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھ لے۔ (مائدہ ۵:۸۹)

کتاب الطهارت

حیض ونفاس کی حالت میں عبادت کا حکم

﴿س﴾ مولانا محمد یٰسین راہی نے اپنی کتاب احکام دین میں لکھا ہے کہ ''حیض ونفاس کی حالت میں نماز پڑھنا' وطی یعنی جماع کرنا' مسجد میں داخل ہونا' روزہ رکھنا' قرآن کو چھونا وغیرہ سب جائز نہیں کیا یہ سب صحیح ہے۔قرآن وحدیث کے دلائل سے واضح کریں خاص طور پر مسجد میں داخل ہونے اور قرآن پاک کو چھونے کی وضاحت کریں؟

(ن۔ل۔م۔لاہور)

﴿ج﴾ حیض ونفاس کی حالت میں نماز' روزہ' وطی' مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔قرآن کو چھونا مختلف فیہ ہے اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

1۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کو عید گاہ کی طرف نکلے۔آپ عورتوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: اے عورتوں کے گروہ صدقہ کیا کرو تم مجھے اکثر جہنم میں دکھلائی گئی ہو۔انہوں نے کہا کس وجہ سے اے اللہ کے رسول ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم کثرت سے لعن طعن کرتی ہو اور شوہروں کے ساتھ کفر کرتی ہو۔میں نے کوئی ایسا کم عقل اور کم دین نہیں دیکھا جو تم سے بڑھ کر عقل مند آدمی کی عقل کو زائل کرنے والا ہو۔عورتوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے دین اور عقل کا نقصان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

'' اَلَیْسَ شَهَادَةُ الْمَرْاَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟ قُلْنَ بَلٰى''

کیا عورت کی گواہی آدمی کی گواہی سے آدھی نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ان کے عقل کا نقصان ہے۔اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

''اَلَیْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ ؟ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذٰلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا''

کیا جب عورت ایام ماہواری میں نماز پڑھے گی اور نہ روزہ رکھے گی البتہ جب ان

ایام سے گزر جائے گی تو طہارت کی حالت میں روزہ قضاء کرے گی۔ نماز کی قضاء نہیں ہو گی جیسا کہ صحیح البخاری کتاب الحیض باب لا تقضی الحائض الصلاۃ رقم (321) وغیرہ میں وضاحت موجود ہے۔ حالت نفاس کا بھی یہی حکم ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

((كَانَتِ النُّفَسَاءُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَقْعُدُ بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً))

(سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی وقت النفساء (311) سنن ابی ماجہ کتاب الطھارۃ وسننھا باب النفساء کم تجلس (648) جامع الترمذی ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی کم تمکث النفساء (139)

"نفاس والی عورتیں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنے نفاس کے بعد چالیس دن یا چالیس راتیں بیٹھی رہتی تھیں۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مسہ ازدیہ کہتی ہیں میں نے حج کیا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی میں نے کہا اے ام المومنین بے شک سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ عورتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حیض والی نمازیں قضاء کریں وہ کہنے لگیں قضاء نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں سے ایک عورت چالیس راتیں نفاس میں بیٹھتی۔ نبی ﷺ نفاس کی حالت والی نماز قضاء کرنے کا حکم اسے نہیں دیتے تھے۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب ما جاء فی وقت النفساء (312) المستدرک للحاکم 175/1 بیھقی 341/1)

امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

"وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَالتَّابِعِيْنَ وَمَنْ

بَعْدِهِمْ عَلٰى أَنَّ النُّفَسَاءَ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا إِلَّا أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذٰلِكَ فَإِنَّهَا تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيْ"

(جامع الترمذی 258/1 مع تحقیق شیخ احمد شاکر رحمة الله)

"اہل علم اصحاب النبی ﷺ تابعین اوران کے بعد کے لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورتیں چالیس دن نماز چھوڑیں گی ہاں اگر وہ چالیس دن سے پہلے طہر کی حالت دیکھ لیں تو غسل کریں اور نماز پڑھیں۔"

شیخ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی مذہب صحیح ہے اور حدیث کے موافق ہے۔

حالت حیض میں جماع بھی منع ہے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾

(البقرہ :222)

"اور وہ آپ سے حیض کے بارے سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیں وہ گندگی ہے۔ حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ جب وہ ستھرائی کرلیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے بے شک اللہ تعالی توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں جب کوئی عورت حیض والی ہو جاتی تو وہ اسے گھر سے نکال دیتے اور گھر میں نہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے اور نہ جماع کرتے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے سوال کیا گیا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کردی۔

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوْا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ ﴾

آخر آیت تک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو گھروں میں رکھو اور جماع کے علاوہ باقی تمام کام کرو۔ یہودیوں نے کہا کہ یہ شخص ہر معاملہ میں ہماری مخالفت چاہتا ہے۔ اسید بن حضیر اور عباد بن بشر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول ﷺ بے شک یہودی اس طرح کہتے ہیں کیا ہم حالت حیض میں عورتوں سے جماع نہ کریں؟ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا یہاں تک کہ ہم نے سمجھ لیا کہ آپ ان دونوں سے ناراض ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں وہاں سے نکلے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کو دودھ کا تحفہ بھیجا گیا تو ہم نے سمجھا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہیں۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطهارة باب فی مؤكلة الحائض ومجامعتها (258)صحيح مسلم كتاب الحيض باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (302/16)جامع الترمذی كتاب تفسير القرآن باب ومن سورة البقرة (2977)سنن النسائی كتاب الطهارة باب تأويل قول الله عزوجل ويسئلونك عن المحيض (367.287)سنن ابن ماجه كتاب الطهارة وسننها باب ما جاء فی مؤاكلة الحائض وسؤرها(644)

اس آیت قرآنی اور صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت سے حالت حیض میں صحبت و جماع حرام ہے۔ البتہ اس کے ہاتھ کا کھانا' پینا'' کنگھی وغیرہ دیگر امور جائز و درست ہیں۔ اگر حالت حیض میں صحبت کر بیٹھے تو اسے ایک دینار یا نصف دینار' صدقہ دینا پڑے گا جیسا کہ:

(سنن ابی داؤد كتاب الطهارة باب فی اتيان الحائض (264)جامع الترمذی ابواب الطهارة باب ما جاء فی الكفارة فی ذلك (136)سنن ابن ماجه كتاب الطهارة وسننها باب فی كفارة من اتی حائضا(640) میں صحیح حدیث موجود ہے۔

حالت حیض میں عورت مسجد کے اندر عبادت کے لئے نہیں جا سکتی البتہ مسجد سے گزر سکتی ہے اور کوئی چیز مسجد سے اٹھانی ہو تو اٹھا سکتی ہے اس کی رخصت موجود ہے۔جیسا کہ سورۃ النساء آیت نمبر ۴۳ میں جنبی کو جنابت کی حالت میں مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی البتہ مسجد کے اندر سے گزرنے کی رخصت دی گئی ہے۔حیض و نفاس کی ناپاکی جنابت سے غلیظ معلوم ہوتی ہے ۔لہٰذا حیض و نفاس کی صورت میں بھی مسجد کے اندر ٹھہرنا نہیں چاہیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"قَالَ لِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَاوِلِیْنِی الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ قُلْتُ 'اِنِّیْ حَائِضٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ حَیْضَتَكِ لَیْسَتْ فِیْ یَدِكِ "

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے کہا مسجد سے مجھے چٹائی پکڑا دو۔ میں نے کہا میں حائضہ ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔''

(سنن ابی داؤد کتاب الطهارة باب فی الحائض تناول من المسجد(261)صحیح مسلم کتاب الحیض باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......(298/11)جامع الترمذی ابواب الطهارة باب ما جاء فی الحائض تناول الشی من المسجد(134)سنن النسائی کتاب الطهارة باب استخدام الحائض (382)

امام ترمذی فرماتے ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے۔

"وَهُوَقَوْلُ عَامَةِ اَهْلِ الْعِلْمِ لَا نَعْلَمُ بَیْنَهُمْ اِخْتِلَافًا فِیْ ذَالِكَ بِاَنْ لَّا بَاسَ اَنْ تَتَنَاوَلَ الْحَائِضُ شَیْئًا مِنَ الْمَسْجِدِ "

(جامع الترمذی 242/1تحقیق شیخ احمد شاکر)

''یہ عام اہل علم کا قول ہے اس مسئلہ میں ہم ان کے درمیان اختلاف نہیں

جانتے کہ حائضہ کا مسجد سے کسی چیز کے پکڑانے میں کوئی حرج نہیں۔"

رہا حائضہ عورت کے لئے قرآن پاک کو چھونا تو اس کی ممانعت میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں اہل علم اس کے بارے مختلف ہیں البتہ افضل اور بہتر یہی ہے کہ مسلمان عورت طہارت کی حالت میں قرآن حکیم کو چھوئے یا کوئی صاف ستھرا کپڑا قرآن مجید کے اوراق کو پلٹنے کے لئے استعمال کرے۔ ہاتھ لگانے سے اجتناب کرے امام نووی رحمہ اللہ اس صورت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ اختلاف کے بغیر جائز ہے (المجموع شرح المہذب 372/3) تفصیل کے لیے دیکھیں:

"آپ کے مسائل اوران کا حل" (جلد اول)

وضو کے بعد شرمگاہ کی طرف چھینٹے مارنا

س: وضو کرنے کے بعد شرمگاہ کی طرف چھینٹے مارنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج: وضو کرنے کے بعد شرمگاہ کی طرف چھینٹے مارنے شرعی طور پر جائز و درست ہیں اس کے ذریعے شیطانی وساوس دور ہوتے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا بَالَ يَتَوَضَّأُ وَ يَنْتَضِحُ))

"رسول اللہ ﷺ جب پیشاب کرتے تو وضو کرتے اور شرمگاہ پر پانی کے چھینٹے مارتے۔"

(ابو داؤد كتاب الطهارة (١٣٤)' ابن ماجه كتاب الطهارة (٤٦١)' مستدرك حاكم ١/ ١٧١) (اسے امام حاکم اور امام ذہبی نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے سنن النسائی میں الفاظ اس طرح ہیں کہ ((رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّا وَنَضَحَ فَرْجَهُ)) "میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے وضو کیا اور اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکا۔")

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی نے شکایت کی کہ میں جب نماز میں

ہوتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ میرے ذکر پرتری ہے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((قَاتَلَ اللّٰهُ الشَّيْطَانَ اِنَّهُ يَمَسُّ ذَكَرَ الْاِنْسَانِ فِيْ صَلَاتِهٖ لِيُرِيَكَ اِنَّهُ قَدْ اَحْدَثَ فَإِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْضَحْ فَرْجَكَ بِالْمَاءِ فَاِنْ وَجَدْتَّ قُلْتَ هُوَ مِنَ الْمَاءِ فَفَعَلَ الرَّجُلُ ذَالِكَ فَذَهَبَ))

''اللہ شیطان کو غارت کرے وہ نماز میں انسان کی شرمگاہ کو چھوتا ہے تاکہ اسے یہ خیال دلائے کہ وہ بے وضو ہو گیا ہے جب تم وضو کرو تو اپنی شرمگاہ پر پانی کے چھینٹے مار لیا کرو پس اگر تو ایسا خیال پائے تو یہ سمجھ لینا کہ یہ پانی ہے تو اس آدمی نے ایسے ہی کیا تو یہ وسوسہ ختم ہو گیا۔''

(عبد الرزاق ۱/۱۵۱ (۵۸۳) ابن ابی شیبه ۱/۱۹٤ باب من كان اذا توضا نضح فرجه)

نافع بیان کرتے ہیں:

((كان ابن عمر اذا توضا نضح فرجه))

''ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے تو اپنی شرمگاہ پر چھینٹے مارتے۔''

(ابن ابی شیبه ۱/۱۹٤)

داؤد بن قیس فرماتے ہیں میں نے محمد بن کعب القرظی سے سوال کیا میں وضو کرتا ہوں اور تری کو پاتا ہوں؟ انہوں نے کہا'' جب تم وضو کر لو تو اپنی شرمگاہ پر پانی کے چھینٹے مار لیا کرو جب تمہیں وسوسہ آئے تو سمجھنا کہ یہ وہ پانی ہے جس کے میں نے چھینٹے مارے ہیں شیطان تجھے نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ تیرے پاس آئے گا اور تجھے تنگ کرے گا۔'' (عبد الرزاق ۱/۱۵۲)

مذکورہ بالا حدیث اور آثار سے ثابت ہوا کہ وضو کے بعد اگر کوئی آدمی اپنے ازار شلوار وغیرہ کے اوپر وساوس شیطانی کے ازالے کے لئے پانی کے چھینٹے شرمگاہ پر مار لے

تو شرعی طور پر درست ہے۔

ناخن پالش کے ساتھ وضو

(س) کیا اگر عورت نے اپنے ناخنوں پر نیل پالش لگا رکھی ہو تو اس صورت میں وضو ہوسکتا ہے؟

(ج) قرآن حکیم میں وضو کے متعلق ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلاَةِ فَاغْسِلُوا وُجُوْهَكُم وَاَيْدِيُكُم ﴾ (المائدہ۔6)

''اے ایمان والو! جب تم اقامت صلوۃ کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو دھولو۔''

اس آیت کریمہ میں چہرے اور ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے۔ان کا دھونا وضو میں فرض ہے جب ناخنوں پر نیل پالش لگی ہو تو ناخن دھوئے نہیں جاتے جس کی بنا پر وضو نہیں ہوتا وضو کی حالت میں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال اسی لئے مشروع کیا گیا ہے تا کہ پانی کی تری کا اثر ہر عضو پر صحیح طرح پہنچ جائے اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ ایک سفر میں ہم سے پیچھے تھے آپ نے ہمیں اس حالت میں پایا کہ نماز کا وقت تھا اور ہم وضو کر رہے تھے ہم اپنے پاؤں کو ہلکا سا دھو رہے تھے تو آپ نے بلند آواز سے کہا: ''ویل للاعقاب من النار'' ایڑیوں کی آگ سے ہلاکت ہے۔ (صحیح البخاری کتاب العلم باب من رفع صوته بالعلم (60)

اسی طرح صحیح البخاری کتاب الوضوء باب غسل الاعقاب میں امام ابن سیرین تابعی رحمۃ اللہ کے بارے میں ہے کہ وہ جب وضوء کرتے تو انگوٹھی والی جگہ کو دھوتے تھے۔ یہ صرف اسی لئے تھا کہ انگلیاں خشک نہ رہ جائیں کیونکہ وضوء میں جو اعضاء دھونے والے

ہیں ان کا خشک رہ جانا صحیح نہیں نیل پالش لگنے سے ناخنوں پر تہہ جم جاتی ہے اور ناخنوں تک پانی نہیں پہنچ پاتا اس لئے ضروری ہے کہ وضوء کے وقت پالش اتاری جائے تاکہ اعضائے وضو کو اچھی طرح دھولیا جائے۔ اگر نیل پالش لگی رہی تو وضو نہیں ہوگا۔

مردوں اور عورتوں کا ناخن بڑھانا

(س) آج کل اکثر عورتیں اور مرد فیشن کے لیے ناخن بڑھا لیتے ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(ج) مردوں اور عورتوں کے لئے ناخن تراشنا فطرت میں سے ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ، وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ، قَالَ زكريا: قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ))

(صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة 261/56)

دس چیزیں فطرت میں سے ہیں:

"(۱) مونچھیں تراشنا، (۲) داڑھی بڑھانا، (۳) مسواک کرنا، (۴) ناک میں پانی چڑھانا، (۵) ناخن تراشنا، (۶) انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا (۷) بغلوں کے بال اکھیڑنا (۸) شرمگاہ کے اردگرد سے بال مونڈنا (۹) پانی کے ساتھ استنجاء کرنا۔"

زکریا بن ابی زائدہ کہتے ہیں مصعب بن شیبہ نے کہا میں دسویں بات بھول گیا ہوں ہوسکتا ہے وہ کلی کرنا ہو۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ناخن تراشنا فطرت میں سے ہے۔ ہر مسلمان مرد و

عورت کو اپنے ناخن بڑھانے کی بجائے تراشنے چاہیے جو لوگ ناخن بڑھاتے ہیں ان کا یہ عمل خلاف فطرت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حد 40 دن مقرر کی ہے یعنی چالیس دن کے اندر اندر ناخن تراش لینے چاہئیں۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا:

((وَقَّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الْاَظْفَارِ وَنَتْفِ الْإِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَّا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً))

(صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة (258/51)

''ہمارے لیے مونچھیں تراشنے' ناخن کاٹنے' بغلوں کے بال اکھیڑنے اور شرمگاہ کے اردگرد کے بال مونڈنے کے لئے وقت مقرر کیا گیا ہے کہ چالیس راتوں سے زیادہ نہ چھوڑیں۔''

لہٰذا کسی مسلمان مرد یا عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے ناخن چالیس دنوں سے زیادہ تک ترک کردے بلکہ چالیس دن کے اندر اندر تراش دینے چاہئیں۔

جن لوگوں نے فیشن کے لئے ناخن بڑھا رکھے ہیں اور انہیں تراشنے سے جی چراتے ہیں انہیں اپنے عمل پر توجہ دینی چاہئے اگر ہم ان فطری امور کا لحاظ نہیں رکھتے تو ایک مسلم اور غیر مسلم میں ظاہری طور پر کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ شریعت اسلامیہ نے داڑھی بڑھانے' مونچھیں کاٹنے اور ناخن تراشنے وغیرہ جیسے احکام مقرر کر کے مسلمان کا غیر مسلم سے عملی فرق واضح کر دیا ہے۔ لہٰذا ان امور سے غفلت برتنا اپنی پہچان کھو دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

پیشاب کے قطروں کا حکم

(س) اگر کسی شخص کو پیشاب کے قطرے مسلسل آتے رہتے ہوں تو وہ نماز کیسے ادا کرے؟ کیا ایسا شخص امامت کروا سکتا ہے؟

(ج) اگر کسی شخص کو مسلسل پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہوں تو وہ ہر نماز کے لئے وضوء کر کے نماز پڑھ لے ہر نماز کے لئے وضو کرنا اس کی طہارت ہے لہٰذا وہ امامت بھی کروا سکتا ہے اسکی نظیر شریعت اسلامیہ میں استحاضہ والی عورت کی ہے۔ جیسا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کے بارے میں ہے کہ انہیں استحاضہ کی حالت تھی تو نبی ﷺ نے انہیں فرمایا: جب حیض کا خون ہو جو سیاہ ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے تو نماز سے رک جا اور جب دوسرا ہو تو وضو کر اور نماز ادا کر وہ تو رگ ہے۔

(ابو داؤد کتاب الطہارۃ (286) نسائی کتاب الحیض والاستحاضہ (360)

تو جس طرح مستحاضہ عورت کو خون آتا رہتا ہے تو اس حالت میں اسے حکم ہے' کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھ لے کیونکہ وضو اس کی طہارت ہے اس طرح سلسل البول کا مریض بھی جب نماز ادا کرنے لگے تو وضو کر لے یہ اس کی طہارت ہے اور نماز ادا کرے اسے ترک نہ کرے۔ واللہ اعلم

صرف پانی سے طہارت

(س) ایک شخص نے جنبی ہونے سے قبل سر میں تیل لگا رکھا تھا اب اس نے غسل کرنا ہے تو سر سے تیل نکالنے کیلئے اس کے پاس صابن یا کوئی ایسی شے نہیں جس سے تیل نکل جائے فقط پانی سے اس کے بال اور جسم طاہر ہو جائے گا؟

(جمیل۔ سی بلاک سبزہ زار لاہور)

(ج) پاک وصاف پانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ وصف رکھا ہے کہ وہ خود بھی پاک ہے اور پاک کرتا بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيُنَزِّلَ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ ﴾(الانفال:١١)

''اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا ہے تاکہ اس کے ساتھ تمہیں پاک کردے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ پانی میں پاک کرنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے لہٰذا جنابت کی پلیدی دور کرنے کیلئے پانی کافی ہے۔ صابن، شیمپو وغیرہ ستھرائی اور طہارت کا باعث ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غسل جنابت کے لئے پانی کا تذکرہ ہی ملتا ہے۔ اور اس پر کتاب وسنت اور اجماع امت دلالت کرتے ہیں کہ پانی بذات خود پاک ہے اور پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حائضہ عورت مسجد میں جا سکتی ہے؟

﴿س﴾ حائضہ عورت کے مسجد میں جانے کے بارے میں کافی اختلافات ہیں۔

لیکن جہاں تک محتاط وقت ہے وہ یہی ہے کہ حائضہ اور جنبی مسجد میں سے بامر مجبوری گذر سکتے ہیں۔ انہیں وہاں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا جا سکتا ہے

﴿لا تقربوا الصلوة وانتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون ولا جنبا الا عابرى سبيل﴾ (نساء)

نشے کی حالت میں نماز (اور محل نماز) کے قریب نہ جاؤ حتی کہ (تمہارا نشہ ختم ہو جائے تو) تمہیں معلوم ہو جائے جو تم کہہ رہے ہو نیز جنبی بھی (مسجد کے قریب نہ جائیں) مگر راہ عبور کرنے یا گذرنے کے لیے۔

(نوٹ) جس جگہ واقعتاً نماز ادا کی جا رہی ہے۔ وہ جگہ تو مسجد ہے لیکن چھت پر اگر نماز ادا نہیں کی جاتی۔ تو وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ کون سی جگہ مسجد قرار دی گئی

ہے۔اگر چھت پر جماعت نہیں ہوتی تو کوئی حرج نہیں وہاں حائض اور جنبی جا سکتے ہیں۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

ان المسجد لا یحل لجنب ولا لحائض

''مسجد میں حائضہ اور جنبی کا داخل ہونا حلال نہیں۔

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ ۱۲۶۔ ابوداؤد کتاب الطہارۃ ۹۲)

●●●

کتاب الاذان

فجر اور عشاء کی اذان میں دوسری تشہد

«س» آپ فجر اور عشاء کی اذان میں تشہد بار بار پڑھتے ہیں اور باقی لوگ صرف دو بار تشہد کے کلمات پڑھتے ہیں' وضاحت فرمائیں کہ آپ اذان میں اضافہ کرتے ہیں یا دیگر لوگ کمی کرتے ہیں اگر ان دونوں اذانوں میں تشہد چار مرتبہ پڑھنا ضروری یا افضل ہے تو حرمین شریفین میں یہ چار مرتبہ کیوں نہیں پڑھی جاتی جب کہ آپ حضرت کا کہنا ہے کہ آپ فقہی اعتبار سے سعودی علماء کے پیروکار ہیں یا وہ آپ حضرات کی فقہ کے پیروکار ہیں ویسے حرمین شریفین کے علماء مالکی اور شافعی مسالک کے مقلد ہیں۔

(ایک بریلوی۔ سبززار ای بلاک لاہور)

«ج» اصل سوال کے جواب سے پہلے یہ یاد رکھیں کہ ہماری فقہ کتاب وسنت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات ہمارے لئے حجت شرعیہ ہیں۔ کتاب وسنت کی صحیح تفہیم ہی اصل فقہ ہے حرمین شریفین کے علماء کا بھی یہی مؤقف ہے۔

مجلّہ البحوث الاسلامیہ عدد نمبر 52-1418ھ میں سعودی علماء کے فتاوی جات تقلید کے مسئلہ پر موجود ہیں ۔وہ کتاب و سنت کی طرف ہی توجہ دلاتے ہیں۔ص 142 میں لکھا ہے:

"وَاللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا لَايَسْاَلُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَلَا عَمَّا تَبِعُوْا مِنَ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَاِنَّمَا السُّؤَالُ يَقَعُ عَنِ اتِّبَاعِ شَرْعِ اللّٰهِ وَاِجَابَةِ رُسُلِهِ قَالَ تَعَالٰى ﴿فَوَ رَبِّكَ لَنَسْاَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ـ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ـ" (الحجر:92'93)

﴿ وقال تعالى ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ.﴾

(القصص :65)

"اللہ جل وعلا قیامت والے دن لوگوں سے مذاہب اربعہ اور ان کی پیروی کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔ سوال صرف اللہ کی شریعت اور رسولوں کی اجابت کے بارے ہوگا۔"

"اللہ تعالٰی نے فرمایا: تیرے رب کی قسم ہے ان سب سے ان کے اعمال کے بارے سوال کریں گے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا: وہ ندا دے گا ان کو اور کہے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا۔

(ص 143) پر لکھتے ہیں کہ ان چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کو لازم پکڑنا درست نہیں بلکہ آدمی اگر اہل علم میں سے ہو تو وہ دلیل کو لازم پکڑے وگرنہ مشکل مسئلہ اہل علم سے پوچھ لے۔ بہرکیف ہمارے لئے اتباع شریعت لازم ہے۔ کسی کی تقلید نہیں اور اتباع شریعت قرآن وحدیث کی پیروی کا نام ہے۔

شریعت میں دوہری اذان ثابت ہے جس میں شہادتین پہلی بار دوسری بار کی نسبت پست آواز میں ہو اور دوسری بار پہلے کی نسبت بلند آواز سے شہادت کے کلمات کہے جائیں۔ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ مکہ کے مؤذن تا حیات رہے ہیں جیسا کہ اسد الغابہ 273/6 رقم الترجمہ 6229 میں موجود ہے اور وہ یہ اذان ہی کہتے تھے۔

اس میں نمازوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ نماز کوئی بھی ہو اس کے لئے یہ اذان کہی جا سکتی ہے۔ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اذان کے کلمات سکھائیں۔ فرماتے ہیں: آپ نے میرے سر کا اگلا حصہ پکڑا اور فرمایا تم کہو:

اَللّٰه اكبر، اَللّٰه اكبر، اَللّٰه اكبر، اَللّٰه اكبر،

ان کلمات کے ساتھ اپنی آواز بلند کرو۔ پھر کہو:

" اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً

رَّسُوْلُ اللّٰهِ' اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰه......الحديث "

(سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان (500) ترمذی ابواب الصلاۃ باب ما جاء فی الترجیع فی الاذان (191) مختصر ابن ماجه کتاب الاذان والسنة فیها باب الترجیع فی الاذان (708`709) طبرانی 174/7 بیهقی 394/1 شرح السنة (408) مسند احمد 409/3'401/16 دارمی (1199) ابن خزیمه 377`1379

ابن حبان (1680`1681) صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب صفة الاذان 379/6)

امام نووی فرماتے ہیں:

" وَفِیْ هٰذَا الْحَدِيْثِ حُجَّةٌ بَيِّنَةٌ وَدَلَالَةٌ وَاضِحَةٌ لِمَذْهَبِ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيْ وَاَحْمَدَ وَجَمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ اَنَّ التَّرْجِيْعَ فِيْ الْاَذَانِ ثَابِتٌ مَشْرُوْعٌ وَهُوَ الْعَوْدُ اِلَى الشَّهَادَتَيْنِ مَرَّتَيْنِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ بَعْدَ قَوْلِهَا مَرَّتَيْنِ بِخَفْضِ الصَّوْتِ "(شرح النووی صحیح مسلم 70/4)

"اس حدیث میں امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور جمہور علماء کے مذہب کے لئے کھلی دلیل اور واضح دلالت ہے کہ اذان میں ترجیع ثابت اور مشروع ہے اور ترجیع یہ ہے کہ دو مرتبہ شہادتین کا قول پست آواز کرنے کے بعد بلند آواز سے دوبارہ کہا جائے۔"

امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ کے نزدیک ترجیع مشروع نہیں اس لئے کہ عبداللہ بن زید کی حدیث میں ترجیع کا ذکر نہیں۔ جب کہ جمہور کی دلیل یہ صحیح حدیث ہے اور اس میں ترجیع کا ذکر ہے اور یہ ذکر وزیادت مقدم ہے اس لئے بھی کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث عبداللہ بن زید کی حدیث کے بعد کی ہے۔

ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث 8ھ میں حنین کے بعد کی ہے اور عبداللہ بن زید

والی حدیث اس سے پہلے اذان کی ابتداء کے وقت کی ہے اہل مکہ ومدینہ اور تمام شہروں کا عمل اس میں ضم ہوگیا ہے لہٰذا یہ کلمات اذان میں اضافہ نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اپنی ساری زندگی میں مکہ میں یہی اذان کہتے رہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس اذان کے ساتھ دوہری اقامت ہے۔

بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے ساتھ اقامت کے کلمات اکہرے ہیں۔ ہمارے حنفی بھائیوں نے اذان بلال رضی اللہ عنہ کی لے لی اور اقامت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ والی۔ کسی بھی حدیث پر پورا عمل نہیں کیا۔ اگر بلال رضی اللہ عنہ والی اذان لینی ہے تو اقامت بھی انہی کی ہونی چاہئے اور اگر اقامت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ والی کہی جاتی ہے تو ان کی اذان جو ترجیع والی ہے' اس سے انکار کیوں۔ اللہ تعالیٰ صحیح صراط مستقیم پر چلائے۔ آمین

اہل بدعت کی اذان کا جواب

س کیا ہم اہل بدعت کی اذان کا جواب دے سکتے ہیں کیونکہ وہ اذان کی ابتداء صلاۃ وسلام النبی سے کرتے ہیں۔ (بنت المجاھد ابوشہزاد نبی شیر۔ شہداد پورہ)

ج اذان کی ابتداء میں صلوۃ علی النبی (مروجہ کلمات الصلوٰۃ والسلام......) سنت سے ثابت نہیں۔ اذان کے بعد مسنون صلوٰۃ واذکار پڑھنا باعث فضیلت ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کا یہ معمول تھا اور یہی اہل سنت کا طریقہ ہے۔ اذان سے قبل درود وسلام اہل بدعت کا طریقہ ہے۔ اس لئے اہل بدعت کی اذان کے مسنون الفاظ سنیں تو ان مسنون الفاظ کا جواب دینا چاہئے کیونکہ اذان کا جواب دینا بہت اجر وثواب کا باعث ہے۔ مختلف احادیث میں اس کی فضیلت آتی ہے۔

☆ جب اذان سنو تو جیسے موذن کہے تم بھی کہو۔

(ترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء مایقول الرجل اذا اذن

المؤذن)

☆ جس نے اذان سن کر وہی پڑھا جو موذن نے کہا ہے اور پھر

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله رضيت بالله ربا و بالاسلام دينا و بمحمد رسولا

پڑھا۔ اللہ اس کے گناہ معاف کر دیں گے۔ (ترمذی۔ مواقیت:٤٢)

اسی طرح فرمایا:

''جس نے اذان سن کر پڑھا

اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة. آت محمدن الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا.

قیامت والے دن میری شفاعت اس کے لیے حلال ہو جائے گی۔

(بخاری۔ باب الدعاء عند النداء)

ان روایات کی روشنی میں بعض کے نزدیک اذان کا جواب دینا واجب اور بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ واجب بھی ہو تو صرف ایک اذان کا جواب دینا کافی ہے۔ باقی سب کا آپ جواب نہ بھی دیں تو کوئی حرج نہیں۔ دے دیں تو بہر حال ثواب ہے۔

باقی رہا اہل البدعۃ کی اذان کا جواب دینے کا مسئلہ تو اذان بہر حال اذان ہے۔ آپ اس کا جواب دیں۔ ان کی بدعت کلمۂ حق پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ غلطی کا گناہ ان پر ہے حق میں آپ ان کے ساتھ صرف حق میں ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب بخاری شریف میں سیدنا حسن بصریؒ کا اثر نقل کرتے ہیں۔

ان سے بدعتی امام کی اقتداء کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب دیا:

﴿فصل و علیه بدعته.﴾

تو اس کے پیچھے نماز پڑھ۔

اس کی بدعت کا وبال اسی پر ہے۔ (بخاری کتاب الصلوة باب امامة المفتون المبتداء)

اسی طرح عبیداللہ بن عدی بن خیار' جن دنوں سیدنا عثمان محصور تھے' ان کے پاس تشریف لائے سوال کیا۔ آپ کو تو امامت عامہ کا حق تھا۔ لیکن اب جو کچھ آپ کے ساتھ گذاری ہے ہمیں معلوم ہے۔ ہمیں باغیوں کا امام نماز پڑھاتا ہے اور ہم دل تنگ کرتے ہیں۔ تو سیدنا عثمان نے جواب دیا۔ ''لوگوں کے اعمال میں سے بہترین عمل نماز ہے' جب وہ نیکی کریں تو ان کے ساتھ نیکی کرو اور جب وہ برے کام کریں تو تم ان کی برائیوں سے بچو۔ (بخاری۔ حوالہ سابق)

●●●

كتاب

الصلوٰة

نماز میں جیب میں روپے رکھنے کا حکم

(س) حالت نماز میں روپے جیب میں ہوں تو قرآن وحدیث کی رو سے ان کا کیا حکم ہے؟ حالانکہ روپوں پر تصاویر بنی ہوتی ہیں؟ (ذوالفقار احمد صاحب راہوالی)

(ج) اس بات میں قطعاً شبہ نہیں کہ جاندار کی تصویر شرعاً حرام ہے اور اس پر نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ وحسنہ کتاب وسنت میں موجود ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

"اِنَّ اَشَدَّ النَّاسَ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰہِ الْمُصَوِّرُوْنَ"

"بے شک اللہ کے ہاں انسانوں میں سے سخت ترین عذاب کے مستحق تصویر بنانے والے ہوں گے۔"

(صحیح البخاری کتاب اللباس باب عذاب المصورین یوم القیامة (٥٩٥٠) صحیح مسلم کتاب اللباس (٢١٠٩) مسند احمد ١/٣٧٥، ٤٢٦ مسند حمیدی ١/٦٤ (١١٧) مسند ابی یعلی (٥١٠٧، ٥٢٠٩، ٥٢١٩) سنن النسائی ١/٢١٦ (٥٣٧٩)

سعید بن ابی الحسن فرماتے ہیں: میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا۔ ان کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا اے ابن عباس میں ایسا انسان ہوں کہ میری معیشت میرے ہاتھ کی کاریگری ہے اور میں تصاویر بناتا ہوں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں تمہیں وہی حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰہَ مُعَذِّبُہٗ حَتّٰی یَنْفُخَ فِیْھَا الرُّوْحَ وَ لَیْسَ بِنَافِخٍ فِیْھَا اَبَدًا"

''جس آدمی نے کوئی تصویر بنائی بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونک دے اور وہ اس تصویر میں کبھی بھی روح نہیں پھونک سکے گا۔''

یہ بات سن کر اس کا سانس بہت چڑھ گیا اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا' کم بخت! اگر تو نے تصویر ہی بنانی ہے تو درخت وغیرہ کی بنا جن میں روح نہیں ہے۔

(صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع التصاویر التی لیس فیھا الروح وما یکرہ من ذلك (2225)صحیح مسلم کتاب اللباس (2110)سنن النسائی 215/8سنن ابی داؤد (5024)سنن الترمذی (1751)شرح السنة (3219)صحیح ابن حبان(5686)مسند احمد 359/1)`246`216`350`360`241`308مسند حمیدی(531)مسند ابی یعلی (2577`2691) بیھقی 270/7)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جاندار کی تصویر بنانا شرعاً حرام ہے اور مصور کو قیامت والے دن شدید ترین عذاب دیا جائے گا اس معنی کی دیگر احادیث کے لیے راقم کی کتاب ''ٹی وی معاشرے کا کینسر'' ملاحظہ ہو۔

اور ایسی جگہ جہاں تصاویر آویزاں ہوں عبادت کرنا درست نہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((ان رسول اللہ ﷺ لما قدم مکة ابی أن یدخل البیت وفیه الالهة فامر بها فأخرجت فأخرج صورة ابراهیم و اسماعیل فی ایدیهما من الازلام فقال النبی ﷺ قاتلهم الله لقد علموا ما استقسما بها قط ثم دخل البیت فکبر فی نواحی البیت وخرج ولم یصل فیه))

''بے شک رسول اللہ ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو آپ نے بیت اللہ میں

داخل ہونے سے انکار کیا اس میں (مشرکین) کے معبود تھے آپ نے انہیں نکالنے کا حکم دیا تو انہیں نکال دیا گیا اس میں سے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی تصاویر بھی نکالی گئیں ان دونوں کے ہاتھوں میں تیر تھے۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ ان مشرکین کو تباہ کرے یقیناً انہیں علم ہے کہ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے تیروں کے ذریعے کبھی بھی فال نہیں نکالی پھر آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے آپ نے اس کے مختلف کونوں میں اللہ اکبر کہا اور باہر نکل آئے اور آپ نے اس میں نماز نہیں پڑھی۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی(4288)وکتاب الحج(1601)وکتاب الصلوۃ(398)

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

" وفی الحدیث کراھیۃ الصلوۃ فی المکان الذی فیہ صور لکونھا مظنۃ الشرك وکان غالب کفر الامم من جھۃ الصور"

(فتح الباری 17/8)

اس حدیث سے تصویروں والے مکان میں نماز ادا کرنے کی کراہت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس جگہ شرک کا گمان ہے اور امتوں میں کفر اکثر تصویروں کی جانب سے داخل ہوا ہے حافظ ابن القیم الجوزیہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

" وتلاعب بھم فی تصویر الصور فی الکنائس وعبادتھا فلا تجد کنیسۃ من کنائسھم تخلو عن صورۃ مریم والمسیح وجرجس وبطرس وغیرھم من القدیسین عندھم والشھداء واکثرھم یسجدون للصور ویدعونھا من دون اللہ تعالی"

(اغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان 388/2)

''شیطان نے عیسائیوں کے ساتھ جو کھیل کھیلے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے

13701

کہ گرجا گھروں میں تصویریں رکھنا اوران کی عبادت کرنا۔آپ عیسائیوں کے گرجا گھروں میں سے کوئی گرجا گھر بھی مریم وعیسیٰ علیہا السلام' جرجس' بطرس وغیرہ جو ان کے ہاں قدسی شمار ہوتے ہیں کی تصویر سے خالی نہیں پائیں گے اوران کی اکثریت تصویروں کو سجدہ کرتی اور انہیں اللہ کے سوا پکارتی ہے۔''

مذکورہ بالا ادلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویر بنانا حرام قطعی اورانہیں عبادت گاہوں میں آویزاں کرنا عیسائیت کی تلبیس ہےاور جس جگہ آویزاں ہو وہاں عبادت کرنا درست نہیں۔ البتہ رہی یہ بات کہ تصویر ہماری جیب میں بھی ہوتی ہے تو کیا اس سے نماز میں خلل واقع ہوتا ہے یا نہیں۔اس کے بارے میں چندایک باتیں قابل توجہ ہیں۔

1۔ نوٹوں اور سکوں پر تصاویر حکومت شائع کرتی ہےاوروہ اس کی ذمہ دار ہےاور اللہ کے ہاں جوابدہ ہوگی۔

2۔ ان نوٹوں اور سکوں کو اس ملک میں رہتے ہوئے استعمال کرنا ہماری مجبوری ہے کیونکہ ہر قسم کی خرید وفروخت کا دارومدار انہی نوٹوں اور سکوں پر منحصر ہے۔

3۔ اگر عبادت کے وقت مساجد وغیرہ میں انہیں باہر نکال کر رکھیں تو دولت کے ضیاع کا قوی اندیشہ ہے۔

شریعت اسلامی میں اضطراری کیفیت میں حکم شرعی تبدیل ہوجاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾

''جو شخص مجبور ہو بغاوت کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو اس پر حرام کھانا گناہ نہیں۔''

لہٰذا جیب میں نوٹ اور سکے ایک تو پوشیدہ اور چھپے ہوتے ہیں' عبادت کے وقت

سامنے نہیں ہوتے جس کی وجہ سے عبادت میں خلل نہیں آتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ہماری مجبوری ہے اور بامر مجبوری گناہ نہیں لہذا اقرب الی الصواب بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ جیب میں اگر روپے ہوں تو نماز ادا کرنے میں خلل نہیں کیونکہ تصاویر اگر سامنے یا عبادت والے کمرے میں آویزاں ہوں تو وہاں نماز ادا نہیں کرنی چاہئے تاوقتیکہ اس مکان یا کمرے کو تصاویر سے مبرا کر دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

جوتے پہن کر نماز

﴿س﴾ اجتماع کے موقع پر دیکھا گیا ہے کہ مجاہدین جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟

﴿ج﴾ جوتے اگر پاک وصاف ستھرے ہوں ان کے نیچے گندگی نہ ہو تو پھر ان میں نماز پڑھنا درست ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰى فِيْ نَعْلَيْهِ قَذَرًا اَوْ اَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وليصل فيهما))

(ابو داؤد ۔ کتاب الصلوۃ :باب الصلوۃ فی النعل:٦٥٠)

''جب بھی تم میں سے کوئی آدمی مسجد کی طرف آئے تو وہ دیکھے اگر اس کے جوتوں میں کوئی گندگی وغیرہ لگی ہو تو اسے صاف کرے اور ان میں نماز پڑھے۔''

شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَاِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ))

(ابو داؤد:٦٥٢)

''یہودیوں کی مخالفت کرو وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے''

یہ حکم وجوب کے لئے نہیں کیونکہ عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ ننگے پاؤں بھی اور جوتوں میں بھی نماز پڑھتے تھے۔(ابو داؤد:٦٥٣)

نماز میں سورتوں کی ترتیب

﴿س﴾ معلوم ہوا کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ جوتوں میں کوئی گندگی وغیرہ نہ لگی ہو۔

کیا ہم جماعت کرواتے وقت سورتوں کی ترتیب الٹ کر پڑھ سکتے ہیں مثلاً پہلی رکعت میں امام سورۃ فاتحہ کے بعد سورہ والناس پڑھ لیتا ہے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص یا کوئی اور سورۃ پڑھ لیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

(محمد بن خوشی محمد وتو 11/E-B نزد ٹلہ ڈاکخانہ پیر صدردین عارفوالہ ضلع پاکپتن)

﴿ج﴾ نماز میں بہتر تو یہی ہے کہ قران پاک کی قرأت موجودہ ترتیب کے مطابق کی جائے لیکن اگر کسی وقت ترتیب آگے پیچھے ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ایسا کرنا کئی ایک احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس سے نماز میں خلل اور خرابی واقع نہیں ہوتی۔

1۔عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ افْتَتَحَ الْبَقَرَةَ فَقُلْتُ يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ ثُمَّ مَضٰى۔

(يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَتَيْنِ فَمَضٰى فَقُلْتُ يَقْرَأُ بِهَا فِي رَكْعَةٍ فَمَضٰى فَقُلْتُ يَرْكَعُ بِهَا ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَهَا ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ سَبَّحَ وَإِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ ثُمَّ رَكَعَ الْحَدِيث :

(صحيح مسلم۔كتاب قيام الليل :باب تسوية القيام والركوع والقيام بعد الركوع والسجود والجلوس بين السجدتين في صلاة الليل:1663۔ ابن

ماجہ۔کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها باب ما یقول بین السجدتین 897`387/1۔مسند احمد 382/5)

نوٹ:(بریکٹ والے الفاظ سنن نسائی کے ہیں۔)

”حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک رات میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تو آپ نے سورۃ بقرہ پڑھنی شروع کی میں نے خیال کیا کہ آپ ۱۰۰ آیات پر رکوع کریں گے آپ آگے گزر گئے پھر میں نے خیال کیا کہ ۲۰۰ آیات پر رکوع کریں گے پھر آپ آگے نکل گئے میں پھر سوچا آپ اس پر ہی سلام پھیریں گے یعنی اسے دو رکعتوں میں تقسیم کریں گے آپ آگے نکل گئے میں نے سوچا بقرہ کے آخر پر آپ رکوع کریں گے پھر آپ نے سورۃ نساء شروع کی اسے پڑھنے کے بعد آپ نے سورہ آل عمران شروع کر دی۔

آپ نے اس کی قرأت کی آپ ٹھہر ٹھہر کر قرأت کرتے تھے جب کسی ایسی آیت کے پاس سے گزرتے جس میں تسبیح ہوتی تو آپ تسبیح پڑھتے اور جب سوال والی آیت پڑھتے تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے اور جب عذاب والی آیت تلاوت کرتے تو اعوذ باللہ پڑھتے۔“ الحدیث

اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ آپ نے نماز کی پہلی رکعت میں پہلے سورۃ بقرہ پڑھی پھر سورہ نساء پڑھی پھر سورۃ آل عمران جب کہ سورۃ آل عمران پہلے ہے اور سورہ نساء بعد میں پس معلوم ہوا کہ سورتوں کی ترتیب قرأت میں لازم نہیں۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں: قَوْلُهُ (ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ) مُقْتَضَاهُ عَدَمُ لَزِمِ التَّرْتِیْبِ بَیْنَ السُّوَرِ فِی الْقِرَاۃِ۔

(حاشیه سندھی علی النسائی 250/2مطبوعه بیروت)

”اس حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ قرأت کے دوران سورتوں کی ترتیب لازم نہیں۔“

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آدمی مسجد قباء میں ان کی

امامت کراتا تھا وہ جب بھی کوئی سورت پڑھتا تو اس سے پہلے (قل ھو اللہ احد) پڑھتا جب اس سے فارغ ہوتا پھر اس کے ساتھ کوئی اور سورت پڑھتا اور ہر رکعت میں ایسے ہی کرتا تھا اس کے ساتھیوں نے گفتگو کی اور کہا تم اس سورۃ کے ساتھ شروع کرتے ہو پھر اسے کافی نہیں سمجھتے یہاں تک کہ دوسری سورۃ پڑھتے ہو تم یا تو قل ھو اللہ احد پڑھا کرو یا اسے چھوڑ کر کوئی اور سورت پڑھ لیا کرو۔

اس نے کہا میں اسے چھوڑنے والا نہیں ہوں اگر تم پسند کرو تو تمہاری امامت کروادوں گا اور اگر ناپسند کرو تو تمہیں چھوڑ دیتا ہوں وہ اسے اپنے میں سے افضل سمجھتے تھے انہوں نے اس کے علاوہ کسی اور کی امامت کو ناپسند کیا جب نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی آپ نے فرمایا تجھے اپنے ساتھیوں کی بات ماننے سے کون سی چیز مانع ہے؟ اس سورۃ کو ہر رکعت میں لازم پکڑنے پر تمہیں کس چیز نے ابھارا ہے؟ تو اس نے کہا:

"اِنِّیْ اُحِبُّهَا فَقَالَ حُبُّكَ اِيَّا هَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ"

"مجھے اس سورت سے محبت ہے" آپ نے فرمایا: تیری اس کے ساتھ محبت تجھے جنت میں داخل کردے گی۔"

(بخاری کتاب الاذان باب الجمع بین السورتین فی رکعة والقرأة بالخواتیم وبسورة قبل سوره وبأول سورة (774) ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ماجاء فی سورة الاخلاص (2901) تغلیق التعلیق۔ 2/314-315)

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ترتیب لازمی نہیں ہے کیونکہ انصاری صحابی جب نماز پڑھاتے تو سورۃ فاتحہ کے بعد پہلے سورہ اخلاص پڑھتے پھر کوئی اور سورۃ پڑھتے اور ہر رکعت میں اسی طرح کرتے نبی کریم ﷺ کو جب یہ بات بتائی گئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا بلکہ

"حُبُّكَ اِيَّا هَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ"

''کہہ کر تصدیق کر دی اور بتا دیا کہ اس سورت کے ساتھ تیری محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اس صحابی کا نام کلثوم بن الھدم تھا۔

(فتح الباری :258/2)

عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے انہوں نے کہا:

" صَلّٰی بِنَا الْاَ حْنَفُ بْنُ قَیْسٍ الْغَدَاۃَ فَقَرَأَ فِی الرَّکْعَۃِ الْاُ وْلٰی بِالْکَھْفِ وَفِی الثَّانِیْ بِیُوْنُسَ وَ زَعَمَ أَنَّہٗ صَلّٰی خَلْفَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَرَأَ فِی الْاُوْلٰی بِالْکَھْفِ وَفِی الثَّانِیَۃِ بِیُوْنُسَ "

(تغلیق التعلیق :313/2`314بخاری مع فتح الباری :257/2 یہ حدیث کتاب الصلاۃ لجعفر الفریابی اور مستخرج ابی نعیم میں بھی موجود ہے)

''ہمیں احنف بن قیس نے صبح کی نماز پڑھائی انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ کہف اور دوسری میں سورۃ یونس پڑھی۔قرآن پاک میں سورۃ کہف کا نمبر ۱۸ ہے جب کہ سورۃ یونس کا نمبر ۱۰ ہے۔ خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قرأۃ کرتے ہوئے سورتوں کی ترتیب لازی نہیں وگرنہ وہ پندرھویں اور سولہویں پارے سے سورۃ کہف رقم ۱۸ پہلی رکعت میں اور گیارھویں پارے سے سورۃ یونس رقم ۱۰ تلاوت نہ کرتے۔''

مذکورہ بالا احادیث وآثار صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے قرأت کرنا لازمی نہیں لہٰذا جن حضرات نے اسے بدعت کہا ہے وہ اپنی بات سے رجوع کریں معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں نے جہالت ونادانی اور ضد وتعصب کی وجہ سے ایسے کہا ہے ان حضرات کے پاس اس کی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ۔ان کا استہزاء وطعن اس بات پر دلالت کرتا ہے ۔اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت سے نواز دے اور صراط مستقیم پر گامزن فرمائے۔حنفی علماء میں سے کئی ایسے ہیں جو اس صورت کو جائز کہتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب الجمع بین السورتین فی رکعۃ والقرأۃ بالخواتیم و بسورۃ قبل سورۃ وباؤل سورۃ ''میں قرأۃ کی چار صورتیں ذکر کی ہیں۔
۱۔ ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنا ۲۔سورتوں کے آخری حصے کی قرأت کرنا۔۳۔سورتوں کی تقدیم وتاخیر۔۴۔سورتوں کو ابتداء سے پڑھنا۔مشہور متعصب حنفی سید احمد رضا بجنوری اپنے استاذ انور شاہ کاشمیری کے بارے لکھتا ہے کہ انہوں نے کہا: امام طحاوی نے ان چاروں صورتوں کو جائز لکھا ہے اور میرے نزدیک طحاوی کو ترجیح ہے۔
(انوار الباری :۲/۳۵۰)
مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے کہ ائمۃ ثلاثہ کے نزدیک خلاف ترتیب پڑھنا مطلقا جائز ہے''(شرح مسلم ۲/۵۳۰)
بہر کیف احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خلاف ترتیب پڑھنا جائز ہے اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔جاہل وناواقف افراد کا خلاف سنت وحدیث کا فتویٰ لگانا سوائے گمراہی کے اور کیا ہوسکتا ہے ایسے حضرات کو پیار ومحبت سے سمجھائیں اور قرآن وحدیث کی اہمیت کا احساس ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔اللہ تعالی نصیب فرمائے۔

صف بندی کی اہمیت اور طریقہ

﴿س﴾ صف بندی میں پاؤں کس طرح ملانے چاہئیں؟ ہمارے ہاں عموما صرف رکوع میں ملائے جاتے ہیں۔بعض لوگ صرف پاؤں کی ایک انگلی ملا لیتے ہیں۔معترض کہتے ہیں پورا پاؤں ملانے سے ٹیڑھے ہوجاتے ہیں۔پاؤں ملانے کے مسائل کتاب وسنت کی روشنی میں واضح کیجئے۔(انجینئر حسن۔لاہور)

﴿ج﴾ نماز باجماعت میں صف بندی کی اہمیت بہت زیادہ ہے صف درست کرنا اقامت صلوۃ میں سے ہے انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
((سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ))

''صفیں درست کرو بے شک صفوں کی درستی اقامت صلوۃ میں سے ہے۔''

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب اقامة الصف من تمام الصلوة (723)

اس حدیث کے دوسرے طریق میں الفاظ یوں ہیں۔

((سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ))

''صفیں درست کرو بے شک صف کی درستگی نماز کے پورا کرنے سے ہے۔''

صحیح مسلم کتاب الصلوة باب تسویة الصفوف واقامتها 433/124ابو داؤد کتاب الصلوة باب تسویة الصفوف (668ابن ماجه کتاب اقامة الصلوة والسنة فیها باب اقامة الصفوف (993)مسند ابی عوانه 38/2سنن الدارمی باب فی اقامة الصفوف (6 6 2 1)مسند احمد 177/3`253`273`279`291)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفوں کو درست کرنا اقامۃ الصلوۃ اور تمام صلوۃ سے ہے اوران کا ٹیڑھا ہونا نماز کے نقصان کا موجب ہے۔ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ))

''نماز میں صف قائم کرو بے شک صف کا قائم کرنا نماز کے حسن میں سے ہے۔''

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب اقامة الصف من تمام اصلوة (722)عبدالرزاق (2424)

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَحْسِنُوا إِقَامَةَ الصُّفُوفِ فِي الصَّلَاةِ))

''نماز میں صفوں کی درستگی اچھے طریقے سے کرو۔'' (مسند احمد 485/2)

اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار

دیا ہے۔

(صحیح الترغیب والترھیب 1/271(496)صحیح ابن حبان(موارد384)مجمع الزوائد 92/2)

ان صحیح احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ صف کا صحیح و درست رکھنا نماز کے حسن و خوبصورتی میں سے ہے اور اس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے اگر صف کی درستگی صحیح نہ ہوگی تو نماز کے اندر نقصان لازم آئے گا صفوں کی درستگی اور ان کا سیدھا ہونا رکوع ہی میں نہیں بلکہ قیام سے ہی ضروری و لازمی ہے نبی کریم ﷺ پہلے صفیں درست کرتے تھے' پھر نماز شروع کرتے تھے۔ اگر صف میں نقص ہوتا تو آپ ﷺ اصلاح فرماتے۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صف درست کرتے تھے یہاں تک کہ اسے نیزے یا تیر کی طرح کر دیتے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک آدمی کا سینہ آگے بڑھا ہوا دیکھا تو فرمایا: اپنی صفوں کو درست کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت ڈال دے گا۔ بعض روایات میں چہروں کی بجائے دلوں کا ذکر ہے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوة والسنة فیها باب اقامة الصفوف (994)واللفظ له ابو داؤد کتاب الصلوة باب تسویة الصفوف (663)صحیح مسلم 436/128صحیح البخاری (717مختصرا)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک صفوں میں گھس جاتے آپ ﷺ ہمارے سینوں اور کندھوں کو چھوتے اور کہتے' اختلاف نہ کرو تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے اور کہا کرتے تھے' بے شک اللہ عزو جل اور اس کے فرشتے پہلی صفوں پر صلوۃ بھیجتے ہیں۔

(ابو داؤد کتاب الصلوة باب تسویة الصفوف (664)نسائی کتاب الامامة باب کیف یقوم الامام الصفوف (810)ابن ماجه (997)

زوائد ابن ماجہ میں ہے کہ براء بن عازب کی حدیث کی سند صحیح اور اس کے تمام رواۃ

ثقہ ہیں۔

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ صف کی درستگی نماز شروع کرنے سے پہلے ہونی چاہئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کا کام صفیں درست کرنا بھی ہے۔ اگر کہیں صف میں خلل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صحیح کرائے پھر نماز شروع کرے۔ لیکن افسوس کہ ائمہ مساجد آج اس بات کی طرف توجہ نہیں دے رہے۔ اقامت کہنے کے ساتھ نماز شروع کر دی جاتی ہے۔ صفوں کی درستگی نہیں کرائی جاتی۔ نماز میں ہر شخص کو اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ اپنے ساتھ والے کے کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں پورا ملا ہوا ہو درمیان میں کوئی خلا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے خلا پر کرنے کا حکم دیا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صفوں کو قائم کرو اور کندھوں اور بازوؤں کو برابر کرو اور شگاف بند کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لئے خالی جگہ نہ چھوڑو اور جو شخص صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا اور جو صف کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت سے) کاٹے گا۔

(ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف (666) نسائی کتاب الامامۃ باب من وصل صفا (818) المستدرك للحاکم 213/1 امام حاکم و امام ذہبی نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا علامہ البانی نے اسے صحیح کہا صحیح الترغیب والترھیب (492) مسند احمد 98/2)

امام منذری اس حدیث میں لفظ "فرجات" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" الفرجات جمع فرجة وهى المكان الخالى بين الاثنين "

" یہ فرجۃ کی جمع ہے اور اس کا مطلب دو آدمیوں کے درمیان خالی جگہ ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں شگاف بند کرنے چاہئیں اور دو آدمیوں کے

درمیان خالی جگہ نہیں ہونی چاہیے لہٰذا جو لوگ دو نمازیوں کے درمیان چار انگلیوں یا اس سے زیادہ فاصلے کرتے ہیں' ان کا عمل درست نہیں۔ انہیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَقَدْ رَاَیْتُ اَحَدَنَا یُلْزِقُ مَنْکِبَهُ بِمَنْکِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ وَلَوْ ذَهَبْتَ تَفْعَلَ ذٰلِكَ لَتَرٰی اَحَدَهُمْ كَاَنَّهُ بَغْلٌ شُمُوْسٌ))

''البتہ ہم نے دیکھا' ہم میں سے ہر کوئی اپنا کندھے اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا پاؤں اپنے ساتھی کے پاؤں کے ساتھ چپکا دیتا تھا اور اگر تو آج کسی کے ساتھ ایسا کرے تو ان میں سے ہر کسی کو دیکھے گا کہ (وہ ایسے بدکتا ہے) گویا وہ شریر خچر ہے۔''

(ابن ابی شیبہ (3524) 308/1 مطبوعہ دار التاج بیروت فتح الباری 211/2 عمدۃ القاری 260/5)

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں پر متوجہ ہو کر فرمایا: اپنی صفوں کو قائم کرو۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ کہی۔ اللہ کی قسم تم ضرور اپنی صفیں سیدھی کرو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے درمیان مخالفت ڈال دے گا۔ صحابی فرماتے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ نمازی اپنا کندھا اور بازو اپنے ساتھی کے کندھے اور بازو سے' اپنا گھٹنا اس کے گھٹنے سے اور اپنا ٹخنہ اس کے ٹخنے سے ملا دیتا تھا۔

(ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف (662) صحیح البخاری کتاب الاذان باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم تعلیقا مسند احمد 276/4 ابن حبان (396) دارقطنی 282/1' 283 بیہقی 100/3' 101)

ابوعثمان النہدی فرماتے ہیں:

'' كُنْتُ فِيْمَنْ ضَرَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَدَمَهُ لِاِقَامَةِ الصَّفِّ فِي الصَّلٰوةِ ''

''میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پاؤں پر نماز میں صف قائم کرنے کے لئے مارا تھا۔''

(المحلی لابن حزم 58/4 موسوعة فقه عمر بن الخطاب ص 445' ابن ابی شیبه (3530) 309/1 فتح الباری 210/2)

صالح بن کیسان سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر فرماتے تھے:

" لَاَنْ يَّخِرَّ ثَنِيَّتَايَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَرٰى فِي الصَّفِّ خَلاَءً وَلاَ أَسُدُّهُ"

''مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میرے دو دانت ٹوٹ جائیں اس بات سے کہ اگر میں صف میں شگاف دیکھوں اور اسے بند نہ کروں۔''

(عبد الرزاق (2473) 57/2 ابن ابی شیبه 333/1 المحلی لابن حزم 59/4)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ و حسنہ سے معلوم ہوا کہ نماز شروع کرتے وقت پہلے صفیں سیدھی کی جائیں۔

اگر صف میں کوئی خلا ہو تو اس کو بند کیا جائے اور امام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ صفیں درست کرائے ہر نمازی اپنے بھائی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملائے اور اپنے بھائی کے ہاتھ میں نرم ہو جائے۔ جب صف درست ہو جائے تو امام نماز شروع کرے اور یہ عمل قیام سے ہی شروع ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ قیام میں تو کندھوں میں اور پاؤں میں وقفہ ہو اور رکوع میں ملانا شروع کر دیں۔ اسی طرح پاؤں کی صرف ایک انگلی نہیں بلکہ پورا قدم ملایا جائے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملاتے تھے۔ اور قدم ملانے سے شریر خچر کی طرح بدکنا نہیں چاہیے۔ پاؤں ملانے اور شگاف بند کرنے سے نمازی اللہ تعالیٰ سے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح عمل کی توفیق بخشے اور ہمیں ہر قسم کے افراط و تفریط سے محفوظ فرمائے۔

مسافر کی امامت کا حکم

س: کیا مسافر آدمی مقیم کی امامت کرواسکتا ہے؟ اور مسافر اگر نماز فرض پڑھے اور مقیم اٹھ کر اپنی نماز پوری کرے تو مقیم کی نماز میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں۔ کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں بعض حضرات اس بات پر جھگڑا کرتے ہیں کہ مسافر کو مقیم کی اقتداء نہیں کرنی چاہیے اگر مسافر نماز پڑھائے تو اسے پوری نماز پڑھانی چاہیے۔

(ایک اللہ کا بندہ۔ لاہور)

ج: اگر کوئی شخص کسی قوم کے ہاں مہمان بنے تو وہ ان کی اجازت کے بغیر امامت نہ کرائے اگر وہ اجازت دے دیں تو انہیں نماز پڑھا سکتا ہے اور مسافر مقیم کی امامت جب کرائے اور دو رکعت پر سلام پھیر دے تو مقیم اٹھ کر اپنی بقیہ دو رکعتیں پوری کرلے اس سے مقیم کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

ابو عطیہ سے روایت ہے کہ مالک بن الحویرث ہماری نماز کی جگہ میں آئے ایک دن نماز کا وقت آ گیا ہم نے انہیں کہا کہ تم آگے بڑھو تو انہوں نے کہا تم میں سے کوئی شخص آگے بڑھے یہاں تک کہ میں تمہیں بیان کروں کہ میں آگے کیوں نہیں بڑھتا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمُّهُمْ وَلْيَؤُمُّهُمْ رَجُلٌ مِّنْهُمْ))

"جو آدمی کسی قوم کی زیارت کے لئے جائے تو وہ ان کی امامت نہ کروائے ان میں سے کوئی آدمی ان کی امامت کرائے۔"

(ترمذی ابواب الصلوۃ باب ما جاء فیمن زار قوما لا یصلی بھم (386) ابن خزیمہ (1520) بیہقی 126/3 نسائی کتاب الامامۃ باب امامۃ الزائر (786) ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب امامۃ الزائر (596) مسند احمد 436/3، 53/5)

اس کی سند میں ابوعطیہ ہے جس کے بارے میں امام ابوحاتم' امام علی بن مدینی اور یحیٰ القطان نے کہا کہ یہ مجہول ہے لیکن امام ترمذی نے اس کی حدیث کی تحسین اور امام ابن خزیمہ نے تصحیح کی ہے۔ اس حدیث کے بعض شواھد بھی ہیں۔

نافع سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ کی ایک جانب مسجد میں نماز کیلئے اقامت کہی گئی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس مسجد کے قریب زمین تھی جس میں وہ کام کر رہے تھے اور اس مسجد کا امام ان کا غلام تھا اس غلام اور اس کے ساتھیوں کا مسکن بھی وہاں ہی تھا۔ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں سنا تو ان کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لائے تو مسجد کے امام نے انہیں کہا آگے بڑھیں اور نماز پڑھائیں تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اَنْتَ اَحَقُّ اَنْ تُصَلِّیَ فِیْ مَسْجِدِكَ مِنِّی فَصَلَّی الْمَوْلٰی))

''تم اپنی مسجد میں نماز پڑھانے کا مجھ سے زیادہ حق رکھتے ہو پس غلام نے نماز پڑھائی۔''

(کتاب الام 158/1 بیھقی 126/3 کتاب الصلوۃ باب الامام الراتب اولی من الزائر)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ مقرر امام امامت کا زیادہ حق رکھتا ہے اور دوسرے شخص کو اس کے ہوتے ہوئے نماز نہیں پڑھانی چاہئے ہاں اگر مقرر امام کسی دوسرے شخص کو اجازت دے دے۔ تو وہ نماز پڑھا سکتا ہے۔ جیسا کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((وَلَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّؤُمَّ قَوْمًا اِلَّا بِاِذْنِهِمْ))

''کسی شخص کیلئے حلال نہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ کسی قوم کی امامت کرائے ماسوائے ان کی اجازت کے۔''

(ابو داؤد کتاب الطھارۃ باب یصلی الرجل وھو حاقن (91) بیھقی 129/3)

ایک حدیث میں ہے کہ:

"وَلَا يَؤُمُّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَجْلِسُ عَلَى تَكْرِمَتِهِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ"

''کوئی آدمی دوسرے آدمی کی حکومت میں امامت نہ کرائے اور نہ اس کے گھر میں اس کی عزت والی جگہ (مسند وغیرہ) میں بیٹھے مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔''

(ترمذی ابواب الصلوۃ باب ما جاء من احق بالامامة (235)مسند احمد 272/5المنتقی لابن الجارود (308)نسائی کتاب الامامةباب من احق بالامامة (779)ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب من احق الامامة (582`583`584)کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ (673/290)ابن ماجه کتاب فی اقامة الصلوۃ والسنة فیها باب من احق بالامامة (980)ابو عوانه 36/2`36مسند حمیدی (457)عبد الرزاق (3809`3808) مستدرك حاکم 243/1شرح السنة 394/3بیهقی 90/3`19`125)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر مقرر امام کسی آنے والے شخص کو امامت کی اجازت دے دے تو وہ شخص نماز پڑھا سکتا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے آگے مزید لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کا یہ قول کہ کوئی آدمی کسی آدمی کی حکومت وسلطہ والی جگہ میں امامت نہ کرائے اور نہ اس کی عزت والی جگہ میں بیٹھے مگر اس کی اجازت سے۔ یہ اجازت امامت اور عزت والی جگہ دونوں کے متعلق ہے اور جب اسے نماز پڑھانے کی اجازت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ترمذی ابواب الصلوۃ 461/1تحقیق احمد شاکر)

علامہ احمد شاکر فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل نے جو بات استنباط کی ہے یہ اس

حدیث کی بعض روایات میں بطور نص واقع ہوئی ہے جیسا کہ المنتقیٰ مع نیل الاوطار 192/3 میں کہا ہے اور سعید بن منصور نے روایت کیا ہے:

”وَلَا يَؤُمُّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدُ عَلَى تَكْرِمَتِهِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ“

”کوئی شخص دوسرے شخص کی سلطنت میں اس کی امامت نہ کرائے مگر اس کی اجازت کے ساتھ اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے مگر اس اجازت کے ساتھ۔“

پس اجازت ان دونوں صورتوں میں ہے یعنی صاحب بیت کی اجازت سے اس کی مسند پر بھی بیٹھ سکتا ہے اور آدمی کی حکومت اور سلطہ والی جگہ میں اس کی اجازت سے امامت کرواسکتا ہے مذکورہ توضیح سے معلوم ہوا کہ مسافر اور زائر آدمی مقیم کی اجازت سے نماز پڑھا سکتا ہے اس میں شرعی طور پر رخصت ہے اگر چہ زیادہ حق مقرر امام کا ہے۔ اور جب مسافر مقیم امام کی اجازت سے نماز پڑھائے اور وہ قصر کرنا چاہتا ہو تو مقیم کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کر لیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

((اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا قَدِمَ مَكَّةَ صَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَا اَهْلَ مَكَّةَ اَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ))

”بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب مکہ تشریف لاتے تو انہیں دو رکعت پڑھاتے پھر کہتے اے مکہ والو! اپنی نماز پوری کر لو بلاشبہ ہم مسافر قوم ہیں۔“

(المؤطا کتاب قصر الصلوة فی السفر باب صلوة المسافر اذا كان امام او كان وراء الامام (19) بیهقی 126/3 عبد الرزاق بحواله نصب الرایه 187/2)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر غزوہ کیا اور فتح مکہ کے موقع پر میں آپ کے ساتھ حاضر تھا آپ مکہ میں 18 راتیں مقیم رہے آپ صرف دو رکعت نماز پڑھتے اور کہتے: اے شہر والو تم چار رکعات پڑھو بیشک ہم

مسافر قوم ہیں۔
(ابو داؤد کتاب الصلوة باب متی یتم المسافر (1229)بیھقی 157/3دلائل النبوۃ 105/5 لیکن اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان کمزور راوی ہے۔
صفوان سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن صفوان کی عیادت کے لئے آئے انہوں نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر سلام پھیر دیا ہم کھڑے ہو گئے تو ہم نے نماز پوری ادا کی۔(المؤطا کتاب قصر الصلوة فی السفر(21)

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ مسافر نماز پڑھائے تو اگر وہ دو رکعت پر سلام پھیر دے تو مقیم آدمی کھڑے ہو کر اپنی بقیہ نماز پوری کر لیں۔

اس میں شرعی طور پر رخصت ہے اس سے مقیم لوگوں کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اگر کسی قسم کا خلل واقع ہوتا تو خلیفۃ المسلمین عمر بن الخطاب اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کبھی ایسا نہ کرتے جو لوگ اس بات پر لڑتے جھگڑتے ہیں ان کا یہ رویہ نامناسب ہے۔

جب شریعت میں رخصت موجود ہے تو اسے شرح صدر کے ساتھ قبول کرنا چاہئے اور مسافر کی اقتداء میں مقیم کی نماز بالاتفاق صحیح ہے اور میرے علم میں کسی اہل علم نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔

فقہ حنفی کی کتاب قدوری باب صلوۃ المسافر ص 53 فقہ حنبلی کی المغنی 146/3 رقم المسئلہ 276 فقہ شافعی کی کتاب الام اور فقہ مالکی کے لئے مؤطا ملاحظہ ہو۔

نمازوں کے اوقات معلوم کرنے کا طریقہ

(س) اوقات نماز کے بارے میں قرآن و احادیث میں کیا احکامات ہیں اول اوقات کب اور کیسے معلوم ہو سکتے ہیں ظہر کی نماز کے لئے کچھ لوگ سایہ زوال شامل کرتے ہیں کچھ مغرب کی سمت میں پیدا ہونے والے سایہ کو معیار سمجھتے ہیں اس صورت میں نماز کا وقت

بہت پہلے ہو جاتا ہے۔قرآن مجید اور صحیح احادیث سے وضاحت فرمائیں؟(ڈاکٹر عبد التواب۔ملتان H-061-589089)

﴿ج﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز اپنے اپنے وقت میں فرض کی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾

''بلاشبہ نماز مومنین پر وقت مقررہ میں فرض کی گئی ہے۔''(النساء:103)

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نماز کو اس کے مقرر کردہ وقت میں پڑھنے کی تاکید ہے اور اجمالی طور پر اوقات نماز کو اس آیت میں ذکر کر دیا گیا ہے اور قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر اول وآخر وقت کی تعین کے بغیر اللہ تعالیٰ نے اوقات نماز کو بیان کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ﴾(هود 114;11)

''دن کے دونوں سروں میں نماز قائم کرو اور رات کی گھڑیوں میں بھی۔''

اس آیت کریمہ میں ''طرفی النہار'' سے مراد صبح اور ظہر وعصر کی نماز اور ''زلفا من اللیل'' سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے۔(مرعاۃ المفاتیح:271/2)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴾(بنی اسرائیل:78;71)

''نماز قائم کریں سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا بھی۔یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے۔''

اس آیت میں ''لدلوک'' کے معنی زوال آفتاب اور ''غسق'' کے معنی تاریکی کے ہیں

زوال آفتاب کے بعد ظہر وعصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور ''قرآن الفجر'' سے مراد فجر کی نماز ہے۔ یہاں قرآن نماز کے معنی میں ہے اس کو قران سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ایک مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴾ (الروم 30;17'18)

''پس تم صبح وشام اللہ کی تسبیح کیا کرو آسمانوں اور زمینوں میں تعریف اس کی ہے تیسرے پہر اور ظہر کے وقت بھی (اس کی پاکیزگی بیان کرو)۔''

اس آیت کریمہ میں بھی بعض مفسرین نے تسبیح سے مراد نماز لی ہے اور ''تمسون'' میں مغرب وعشاء ''تصبحون'' میں نماز فجر ''عشیاء'' میں سہ پہر یعنی عصر اور ''تظہرون'' میں نماز ظہر مراد ہے۔ (فتح القدیر) ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَاۤئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴾

(طه 20;130)

''سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرو اور رات کے مختلف وقتوں میں بھی اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح کرتے رہیں بہت ممکن ہے کہ آپ راضی ہو جائیں۔''

اس آیت میں بعض مفسرین نے تسبیح سے مراد نماز لی ہے طلوع شمس سے قبل فجر، غروب سے قبل عصر، رات کی گھڑیوں سے مراد مغرب وعشاء اور ''اطراف النہار'' سے مراد ظہر کی نماز لی ہے کیونکہ ظہر کا وقت نہار اول کا آخری طرف اور نہار آخر کا اول طرف ہے

مزید دیکھیں (مرعاۃ المفاتیح 284/2)

ان آیات بینات میں اجمالی طور پر اوقات صلوۃ کو بیان کر دیا گیا ہے جب کہ رسول مکرم ﷺ کی کئی ایک احادیث صحیحہ صریحہ میں پانچوں نمازوں کے اوقات کی ابتداء وانتہاء کو متعین کر دیا گیا ہے۔

فجر کی نماز کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس تک ہے۔ ظہر کا وقت زوال شمس سے لے کر ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہونے تک ہے اور عصر کا وقت مثل اول سے لے کر دو مثل تک اور مغرب غروب شمس سے لے کر شفق کے غائب ہونے تک ہے اور عشاء شفق کے غائب ہونے سے لے کر نصف رات تک ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهِ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ ، وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرِ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ اِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ ،وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَى الشَّيْطٰنِ)) (رواہ مسلم 612/173) بحوالہ مشکوۃ المصابیح 581)

''ظہر کا وقت جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کی مثل ہو جائے اور عصر کی نماز کا وقت نہ ہو اور عصر کا (آخری) وقت جب تک سورج زرد نہ ہو جائے اور مغرب کا جب تک سرخی غائب نہ ہو اور عشاء کا وقت درمیانی رات کے نصف تک اور صبح کی نماز کا وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ہے جب آفتاب نکلنا شروع ہو جائے تو نماز سے رک جا کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلصَّلَاةِ اَوَّلًا وَآخِرًا وَاِنَّ

اَوَّلَ وَقْتِ صَلاَةِ الظُّهْرِ حِيْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ وَآخِرَوَقْتِهَا حِيْنَ يَدْخُلُ وَقْتُ الْعَصْرِ وَاِنَّ اَوَّلَ وَقْتِ صَلاَةِ الْعَصْرِ حِيْنَ يَدْخُلُ وَقْتُهَا وَاِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ تَصْفَرُّ الشَّمْسُ وَاِنَّ اَوَّلَ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَاِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ يَغِيْبُ الْاُفُقُ وَاِنَّ اَوَّلَ وَقْتِ الْعِشَاءِ الآخِرِ حِيْنَ يَغِيْبُ الْاُفُقُ وَاِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ يَنْتَصِفُ اللَّيْلُ وَاِنَّ اَوَّلَ وَقْتِ الْفَجْرِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَاِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ))

(صحیح الترمذی ابواب الصلاۃ باب موافیت الصلاۃ)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک ہر نماز کے لئے ایک ابتدائی وقت ہے اور ایک انتہائی وقت ہے۔ نماز ظہر کا ابتدائی وقت جب سورج ڈھل جائے اور آخری وقت جب نماز عصر کا وقت شروع ہو۔ نماز عصر کا ابتدائی وقت وہی ہے جب یہ وقت شروع ہو جائے اور آخری وقت جب سورج (دھوپ) زرد ہو جائے۔ مغرب کا ابتدائی وقت جب سورج غروب ہو جائے اور آخری وقت جب شفق غائب ہو جائے۔ عشاء کا ابتدائی وقت جب شفق غائب ہو جائے اور آخری وقت جب آدھی رات گزر جائے۔''

فجر کا ابتدائی وقت جب فجر طلوع ہو جائے اور آخری وقت جب سورج طلوع ہو جائے اس کے علاوہ بھی کئی ایک احادیث صحیحہ صریحہ موجود ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فجر کا اول وقت فجر صادق کے طلوع ہونے سے لے کر سورج طلوع ہونے تک ہے اور ظہر کا اول وقت سورج ڈھلنے سے لے کر جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے اور عصر کا اول وقت ایک مثل سے لے کر دو مثل تک ہے جب سورج زرد پڑ جاتا ہے اور مغرب کا وقت سورج غروب ہونے سے لے کر شفق یعنی شام کی سرخی غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت سرخی کے غائب ہونے سے لے کر آدھی رات تک ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ ظہر کی

نماز کے لئے مثل اول کی پہچان کا طریقہ کہ اس میں زوال کا سایہ شامل ہے یا اسے منہا کیا جائے گا تو اس کے بارے امام ابن حزم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب آفتاب ڈھلنا شروع ہو جائے تو نماز ظہر کا اول وقت شروع ہو جاتا ہے قبل ازیں نماز ظہر کی ابتداء بالکل جائز نہیں نہ ہی وہ نماز کفایت کرتی ہے پھر نماز ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک باقی رہتا ہے اس میں وہ اصلی سایہ شمار نہ ہوگا جو زوال آفتاب کے وقت اس چیز کا تھا۔ البتہ اس سے جو زیادہ ہوگا وہ شمار ہوگا۔ (المحلی لابن حزم اردو 346/2)

مولانا اسماعیل سلفی فرماتے ہیں "سورج بعض علاقوں میں سیدھا سر کے اوپر سے گزرتا ہے اور بعض علاقوں میں خم کھا کر گزرتا ہے اور موسم کے لحاظ سے بھی اس کی رفتار میں یہ فرق ظاہر ہوتا ہے۔ گرمی میں وہ سر کے قریب سے گزرتا ہے اور سردیوں میں ایک طرف زیادہ خم کھا کر گزرتا ہے ان دونوں موسموں میں سایہ کا حساب الگ الگ ہوتا ہے۔ جن ممالک سے سورج خم کے بغیر گزرتا ہے وہاں دوپہر کے وقت جب سورج سر پر ہو تو ہر چیز کا سایہ اس کے قدموں میں ہوتا ہے ظاہر نہیں ہوتا۔

اسی طرح گرمی کے موسم میں چونکہ سورج سر کے قریب ہوتا ہے اس لئے سایہ کم ہوتا ہے کیونکہ سورج کی رفتار میں خم اور انحراف کی وجہ سے کچھ نہ کچھ سایہ عین دوپہر کے وقت بھی ہوتا ہے سردیوں میں جیسے جیسے خم بڑھتا ہے سایہ بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے اسے سایہ اصلی کہا جاتا ہے زوال کے بعد اس میں اور اضافہ ہوتا ہے اس لئے مثل کا حساب کرنے کے وقت یہ سایہ منہا کر دیا جائے گا اسے علیحدہ کرنے کے بعد جو سایہ ہوگا مثل یا دو مثل اسی سے شمار ہوگا۔ (حاشیہ مشکوۃ المصابیح 1/414-415)

زوال کا سایہ مثل میں شمار نہیں ہوگا یہی بات امام ابن تیمیہ کے فتاوی 74/22 فقہ حنفی کی کتاب "الھدایۃ" 4/1 فقہ شافعی کی المجموع 81/3 فقہ حنبلی کی الروض المربع 42/1 وغیرہ میں موجود ہے الغرض یہ بات اتفاقی ہے کہ زوال کا سایہ نکال کر مثل کی پیمائش ہوگی۔

مثل معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کھلی اور ہموار زمین میں زوال سے پہلے ایک لکڑی گاڑ دی جائے اس لکڑی کا سایہ آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہو جائے گا یہاں تک کہ زوال کے وقت کم سے کم رہ جائے گا۔اس سائے کو ماپ لیا جائے جب یہ سایہ بڑھنا شروع ہو تو وہ اس بات کی علامت ہوگا کہ زوال ہو گیا۔

پھر جب یہ سایہ اس قدر بڑھ جائے کہ لکڑی کے برابر ہو جائے (زوال کے وقت لکڑی کا ماپا سایہ اس سے وضع کرنے کے بعد) تو ایک مثل وقت ہو جائے گا اور جب دو گنا ہو جائے تو دو مثل ہو جائے گا۔(فقه السنة للشيخ عاصم حداد 115/1)

ایک طریقہ یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ دوپہر کے وقت سے پہلے ایک یا دو بالشت زمین کی سطح ہموار کر کے اس پر شمالا جنوبا ایک سیدھا خط کھینچ دیا جائے۔قطب نما سے اس خط کی راہنمائی لی جاسکتی ہے۔پھر اس خط کے جنوبی نقطہ پر ایک سیدھی سی لکڑی گاڑ دیں چونکہ دوپہر سے پہلے کا وقت ہوگا اس لکڑی کا سایہ عین اس خط پر نہیں ہوگا بلکہ اس سے قدرے مغرب کی جانب مائل ہوگا پھر آہستہ آہستہ سایہ اس خط پر آنا شروع ہو جائے گا حتی کہ بالکل اسی خط پر منطبق ہو جائے گا اس وقت اس سایہ کے انتہاء پر نشان لگا دیں اور اس سایہ کو کسی اور لکڑی سے ماپ لیں اور یہ پیمانہ محفوظ کر لیں یہ وقت عین دوپہر کا ہوگا اس کے بعد وہ سایہ مشرق کی طرف متصل ہونے لگے گا یہ ظہر کا اول وقت ہوگا پھر اس کے بعد جب سایہ بڑھتا جائے گا تو جس لکڑی کے ساتھ اصل سائے کی پیمائش کی تھی اس کے ساتھ اس کے اصل سائے کے نشان سے آگے ایک مثل جب سایہ ہو جائے گا تو وہ ظہر کا آخری وقت ہوگا اور عصر کا اول وقت۔

یہ طریقہ مثل معلوم کرنے کا ہے اس کے لئے کچھ وقت نکال کر آپ تجربہ کریں اور شمسی مہینہ کے حساب سے ہر ماہ اگر آپ تجربہ کرتے رہیں گے تو آپ کے پاس ایک سالانہ جنتری مرتب ہو جائے گی۔عصر حاضر میں محکمہ موسمیات کی جانب سے بھی کافی سہولت ہے اور مرتب شدہ جنتریاں بھی مل سکتی ہیں جن میں ٹائم کی صحیح نشاندہی کی ہوتی

ہے۔اگراطمینان نہ ہوتو آدمی خود تجربہ کر کے مثل اول و مثل ثانی معلوم کرسکتا ہے۔

واللہ اعلم

اکیلے آدمی کے ساتھ جماعت

﴿س﴾ اکیلا آدمی نماز پڑھ رہا ہوتو دوسرا آدمی اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہو جائے تو کیا جماعت ہو سکتی ہے قران و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(ابوسار یہ جاوید اقبال فرید کوٹ۔ابوعبدالرحمٰن بصیر پور)

﴿ج﴾ اگر کوئی شخص اکیلا نماز ادا کر رہا ہو اور دوسرا شخص آ کر اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے تو جماعت کی صورت بن جاتی ہے اور احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت موجود ہے۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَقُمْتُ أُصَلِّيْ مَعَهُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَأَخَذَ بِرَأْسِيْ فَأَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ))

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب اذا لم ینو الامام ان یؤم ثم جاء قوم فأمهم (699) صحیح مسلم کتاب صلوة المسافرین وقصرها (763)سنن النسائی کتاب الامامة باب موقف الامام والماموم صبی (805)

''میں نے اپنی خالہ (میمونہ رضی اللہ عنہا) کے ہاں رات بسر کی رسول کریم ﷺ رات کو نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا'میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔آپ نے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نماز ادا کر رہا ہو اور دوسرا شخص آ جائے تو نماز باجماعت ادا ہو سکتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر جو باب منعقد کیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یعنی جب امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو پھر کچھ لوگ آ جائیں تو وہ ان کی امامت کرادے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وَفِيهِ مَشْرُوعِيَّةُ الْجَمَاعَةِ فِي النَّافِلَةِ 'وَالْإِئْتِمَامِ بِمَنْ لَّمْ يَنْوِ الْإِمَامَةَ وَبَيَانُ مَوْقَفِ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ "(فتح الباری 485/2)

''اس حدیث سے نفل نماز کی جماعت' جس آدمی نے امامت کی نیت نہ کی ہو اس کی اقتداء اور امام و مقتدی کے کھڑے ہونے کے طریقے کی مشروعیت معلوم ہوتی ہے۔''

امام ابن المنذرؒ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ امام کیلئے امامت کی نیت کرنا اقتداء کی صحت کی شرط نہیں ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ ہے:

" اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلّٰى فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ "فَجِئْتُ فَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ وَجَاءَ آخَرُ فَقَامَ اِلٰى جَنْبِيْ حَتّٰى كُنَّا رَهْطًا فَلَمَّا اَحَسَّ النَّبِيُّ ﷺ بِنَا تَجَوَّزَ فِيْ صَلٰوتِهٖ "الحديث

" وَهُوَ ظَاهِرٌ فِيْ اَنَّهٗ لَمْ يَنْوِ الْإِمَامَةَ اِبْتِدَاءً وَائْتَمُّوْا هُمْ بِهٖ وَاَقَرَّهُمْ وَهُوَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ اَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ "(فتح الباری 192/2)

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے مہینہ میں نماز ادا کی میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور دوسرا آیا وہ میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ ہم ایک گروہ ہو گئے جب نبی ﷺ نے محسوس کیا تو آپ نے اپنی نماز میں اختصار کر دیا۔ یہ حدیث اس مسئلہ پر ظاہر ہے کہ آپ نے ابتداء میں امامت کی نیت نہیں کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے آپ کی اقتداء کی اور آپ نے انہیں برقرار رکھا یہ حدیث صحیح ہے اسے مسلم نے نکالا ہے اور بخاری نے معلق ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھیں:

(الاقناع لابن المنذر 116/1 والاوسط له کتاب الامامة باب ذکر الائتمام بالمصلی الذی لا ینوی الامامة 4/210`211)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ نفلی اور فرضی نماز کے مابین فرق ہے فرضی نماز میں امامت کی نیت شرط ہے نفل نماز میں نہیں۔

لیکن امام احمد کا یہ قول محل نظر ہے اس لئے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ ''ان النبی ...... '' بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کون آدمی اس پر صدقہ کرے گا کہ وہ اس کے ہمراہ نماز ادا کرے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نکالا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن اور امام ابن خزیمہ' امام ابن حبان اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری 192/2)

یہ حدیث فرضی نماز کے بارے میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص فرض نماز اکیلا پڑھ رہا ہو تو دوسرا آدمی اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے تو ان کی جماعت بن جائے گی۔ اس لئے نماز خواہ فرض ہو یا نفل دونوں صورتوں کا جواز حدیث سے واضح ہے کہ اکیلے آدمی کی نماز میں دوسرا ساتھ مل جائے تو جماعت کی صورت بن سکتی ہے امام بخاری وغیرہ کا بھی رجحان ادھر ہی معلوم ہوتا ہے اور احادیث صحیحہ سے اس موقف کی تقویت واضح ہو جاتی ہے۔

مقتدیوں کا سمع اللہ لمن حمدہ کہنا

س: کیا باجماعت نماز ادا کرتے وقت رکوع سے اٹھتے وقت امام کے علاوہ دوسرے نمازیوں کو بھی سمع اللہ لمن حمدہ کہنا چاہیے؟ (عبداللہ لاہور)

ج: رکوع سے اٹھتے وقت مقتدی کو بھی سمع اللہ لمن حمدہ کہنا چاہیے حدیث میں ہے کہ ''کان رسول اللہ...... (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو جس وقت قیام کرتے تکبیر کہتے

پھر جس وقت رکوع کرتے تکبیر کہتے پھر جس وقت رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث عام ہے آپ کی حالت امامت کو بھی شامل ہے اور حالت اقتداء کو بھی اگرچہ آپ امام ہوتے تھے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بھی آپ نے نماز ادا کی ہے جیسا کہ

(ابو داؤد باب المسح علی الخفین (149) مسلم کتاب الصلوۃ 321/105)

میں موجود اس حدیث کے عموم سے معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی دونوں سمع اللہ لمن حمدہ کہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

" إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ "

''جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو لہٰذا امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔''

" وَلَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيْهِ لِأَنَّهُ اَمَرَ بِاَنْ يَّقُوْلَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَنَحْنُ نَقُوْلُهُ فَأَمَّا إِذَا قَالَ مَعَهُ غَيْرَهُ فَلَيْسَ بِمَذْكُوْرٍ فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ"

(مختصر خلافیات للبیھقی 393/1)

ان لوگوں کے لئے اس حدیث میں دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ نے ربنا لک الحمد کہنے کا حکم دیا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں لیکن جب امام کے ساتھ سمع اللہ لمن حمدہ کوئی اور کہے یہ اس حدیث میں ذکر نہیں ہوا...... اور یہ بات اصول میں طے ہے کہ عدم ذکر نفی کی دلیل نہیں ہوتا۔ اور دوسری حدیث کے عموم سے مقتدی کا سمع اللہ لمن حمدہ کہنا ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس حدیث کو یوں ہی سمجھا جائے تو اس کا مطلب ہوا کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے ربنا لک الحمد نہ کہے حالانکہ بہت ساری صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام کو جیسے سمع اللہ لمن حمدہ کہنا چاہیے ربنا لک الحمد ہی اسی طرح کہنا چاہیے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں۔ (مختصر خلافیات للبیھقی 391/1-393)

احناف کے ہاں امام محمدؒ قاضی ابو یوسف اور امام طحاوی کا یہ موقف ہے کہ امام تسمیع و

تحمید دونوں کو جمع کرے۔(عقود الجواھر المنیفه فی ادلة مذھب الامام ابی حنیفه ص63)

جب ان کے ہاں امام تسمیع وتحمید دونوں کہے تو اس حدیث کی مخالفت نہیں تو مقتدی بھی تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کرے تو حدیث کے بالکل مطابق اور صحیح ہے لٰہذا مقتدی کو بھی سمع اللہ لمن حمدہ کہنا چاہیے۔

وتروں میں قنوت سے پہلے اللہ اکبر کہنے کا حکم

﴿س﴾ کیا وتر پڑھتے وقت قیام کی حالت میں دعا مانگتے وقت اللہ اکبر کہنا چاہیے اور ہاتھوں کو کانوں تک لے جانا چاہیے؟ (ابن آدم)

﴿ج﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت میں دعا قنوت کرنے سے پہلے اللہ اکبر کہنے کا ذکر ہے جسے امام ابن عبد البر نے اپنی کتاب الاستیعاب 4/450`451 میں ذکر کیا ہے۔لیکن یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے اس میں ابان ابن ابی عیاش متروک راوی ہے ابان سے اس کو روایت کرنے والا حفص بن سلیمان بھی متروک ہے۔

ابان کے بارے میں دیکھیں۔

(المغنی فی الضعفاء 1/13 تھذیب الکمال 1/48 تھذیب التھذیب 400/2)میزان الاعتدال 558/1 لسان المیزان 200/7)

لٰہذا یہ روایت باطل ہے اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اس حدیث کو ابان بن ابی عیاش سے حفص بن سلیمان کے علاوہ یزید بن ہارون' سفیان ثوری اور ھشام جیسے ثقات نے بھی بیان کیا ہے مگر ان میں سے کسی نے اللہ اکبر کہنے والا یہ اضافہ ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت میں بھی قنوت سے پہلے اکبر کہنے کا ذکر (ابن ابی شیبہ 100/2 مطبوعہ دار التاج اور الاوسط ابن منذر میں اثر نمبر (2729) مروی ہے مگر یہ لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے لیث کو امام احمد نے

مضطرب الحدیث امام ابن معین اور امام نسائی نے ضعیف اور امام ابن حبان اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اختلاط کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

(الغنی فی الضعفاء 253/2 تہذیب 465/8 میزان الاعتدال 420/3 لسان المیزان 347/7)

لہٰذا دعائے قنوت کے لئے اللہ اکبر کہہ کر کانوں تک ہاتھ اٹھانے والی روایات باطل ہیں اس کا کوئی صحیح ثبوت موجود نہیں۔

وتروں کے بعد دو رکعت پڑھنے کا ثبوت

س: کیا بعد از نماز عشاء وتر پڑھنے کے بعد دو رکعت ادا کرنے کا جواز ملتا ہے مفصل حدیث نبوی سے روشنی ڈالیے۔ (ذوالفقار احمد۔ راھوالی)

ج: نماز وتر کی ادائیگی کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھنا رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ اس کے متعلق کئی ایک احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

(۱)......ابوسلمہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:

"سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ :"كَانَ يُصَلِّىْ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّىْ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ ثُمَّ يُوْتِرُ ثُمَّ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ ثُمَّ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْإِقَامَةِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ"

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا 738/126)

"میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے سوال کیا تو انہوں نے کہا آپ ﷺ تیرہ رکعات پڑھتے تھے آٹھ رکعتیں پڑھتے پھر وتر ادا کرتے پھر بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے جب رکوع ادا کرتے تو کھڑے ہو کر رکوع کرتے پھر صبح کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت

پڑھتے۔" (ابن ماجہ 1196)

(۲)......سعد بن ھشام کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے جب انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ نو رکعت وتر اس طرح ادا کرتے کہ آٹھویں میں تشہد بیٹھتے اللہ کا ذکر، حمد اور دعا کرتے پھر سلام پھیرتے۔

"ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ"

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها 736/139)

"پھر بیٹھ کر سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت پڑھتے۔"

امام نووی نے لکھا ہے کہ "اس حدیث کے ظاہر سے امام اوزاعی اور امام احمد نے وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کو مباح قرار دیا ہے اور امام مالک نے اس سے انکار کیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

" قُلْتُ :الصَّوَابُ اَنَّ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ فَعَلَهُمَا ﷺ بَعْدَ الْوِتْرِ جَالِسًا لِبَيَانِ جَوَازِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْوِتْرِ وَبَيَانِ جَوَازِ النَّفْلِ جَالِسًا وَلَمْ يُوَاظِبْ عَلَى ذٰلِكَ بَلْ فَعَلَهُ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ اَوْ مَرَّاتٍ قَلِيْلَةً"

(شرح النووی علی صحیح الامام مسلم 19/6 مطبوعه بیروت)

"میں کہتا ہوں کہ درست بات یہ ہے کہ ان دو رکعتوں کو رسول اللہ ﷺ نے وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھنے کا جواز بیان کرنے کے لیے ادا کیا ہے اور اس پر دوام نہیں کیا بلکہ اسے ایک یا دو مرتبہ یا بہت تھوڑی دفعہ کیا ہے۔"

مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری فرماتے ہیں:

"فِيْهِ مَشْرُوْعِيَّةُ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْوِتْرِ عَنْ جُلُوْسٍ"

(مرعاۃ المفاتیح 225/4)

"حدیث عائشہ میں وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کی مشروعیت ہے۔"

پھر دوسری حدیث "اِجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا"

"تم اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔" پر بحث کر کے لکھتے ہیں:

"وَالرَّاجِحُ عِنْدِیْ مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ النَّوَوِیُّ اَنَّ الْاَمْرَ فِیْ قَوْلِهٖ اِجْعَلُوْا الخ

لِلنَّدْبِ لَا لِلْاِيْجَابِ"(مرعاۃ المفاتیح 265/4)

"میرے نزدیک راجح بات وہی ہے جس کی طرف امام نووی گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان "جعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا" میں امر ندب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔"

(۳)... ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

"اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّیْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔"

"بلاشبہ نبی ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر دو ہلکی سی رکعتیں ادا کرتے تھے۔"

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا 1195 ترمذی ابواب الصلاۃ باب ما جاء لا وتران فی لیلۃ 471 مسند احمد 298/6`299 دار قطنی باب فی الرکعتین بعد الوتر 26/2`1666 بیہقی 32/3 کتاب الوتر لمحمد بن نصر المروزی باب صلوۃ النبی ﷺ بعد الوتر ص 311 الکامل لابن عدی 2410/6) اس کی سند میں میمون بن موسیٰ المرئی متکلم فیہ ہے۔

اسی طرح اس کے شیخ الحسن بن ابی الحسن البصری ثقہ و فاضل ہونے کے ساتھ کثیر الارسال اور مدلس ہیں۔

(تقریب ص 29 طبقات المدلسین ص: 29 قصیدہ ابی محمود المقدسی ص: 37 التبیین لاسماء المدلسین ص 346 التأنیس بشرح منظومۃ الذہبی فی اھل التدلیس ص 23 النکت علی ابن الصلاح 631/2 جامع الحصیل

ص: 194)

اوران کی والدہ ام الحسن خیرہ کے بارے ابن حجر فرماتے ہیں:

مقبولہ (تقریب ص 468 تہذیب التہذیب 592/6)

جب کہ امام ابن حزم ایک مقام پر فرماتے ہیں:

" (أُمُّ الْحَسَنِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ وَهِيَ خَيْرَةٌ هُوَ اِسْمُهَا ثِقَةٌ مَشْهُوْرَةٌ"

(المحلی 127/3)

''ام الحسن بن ابی الحسن کا نام خیرہ ہے اور یہ ثقہ مشہورہ ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ثقة الثقات اوران کی ایک روایت ذکر کر کے کہتے ہیں:

"وَهٰذَا اِسْنَادٌ كَالذَّهَبِ "(المحلی 220/4)

امام ابن حبان نے انہیں ''کتاب الثقات'' ۴/۲۱۶ میں ذکر کیا ہے۔

مذکورہ توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی سند معلول ہے لیکن مختلف شواھد کی وجہ سے حسن اور اس کا ایک صحیح شاہد اوپر ذکر کردہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(تحقیق الترمذی 335/2)

(۴)......ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَأُفِيهِمَا (اذا زلزلت)و(قل یا ایھاالکافرون)

(مسند احمد 260/5 `269 بیہقی 33/3 کتاب الوتر لمحمد بن النصر المروزی ص 311 طحاوی 236/1 المعجم الکبیر للطبرانی)

''بے شک نبی کریم ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے تھے ان دونوں

میں اذا زلزلت اور قل یا ایھاالکافرون کی قرأت کرتے تھے۔"

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کے راوی ثقہ ہیں۔(مرعاۃ المفاتیح 299/4)

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

(تحقیق المشکاۃ 401/1)

(۵)......اسی معنی کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(بیھقی 33/3دار قطنی)

(٦)......عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ سَفَرٍ فَقَالَ "اِنَّ السَّفَرَ جُهْدٌ وَثِقْلٌ فَاِذَا اَوْتَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ وَاِلَّا كَانَتَا لَهُ۔"

(دار قطنی کتاب الوتر باب فی الرکعتین بعد الوتر 1665سنن الدارمی باب فی الرکعتین بعد الوتر 1602بیھقی 3/33مجمع الزوائد 249/2‘طحاوی 236/1)

"ثوبان جو رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں ان سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے آپ نے فرمایا: بلاشبہ سفر مشقت پر مبنی اور طبیعت پر گراں ہوتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی وتر ادا کرے"

(یعنی ابتدائی رات میں سونے سے پہلے آخری رات میں بیداری پر وثوق نہ ہونے کی وجہ سے) وہ دو رکعت ادا کر لے اگر وہ بیدار ہو گیا۔(اور نماز پڑھ لی تو نور علی نور) اور اگر بیدار نہ ہوا نیند کے غلبے کی وجہ سے) تو یہ دو رکعتیں اس کے لیے (رات کے قیام سے کافی) ہوں گی۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

"رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَالْاَوْسَطِ وَفِيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ صَالِح كَاتِبُ اللَّيْثُ وَفِيْهِ كَلَامٌ"(مجمع الزوائد249/2)

اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عبداللہ بن صالح کاتب اللیث ہے اور اس میں کلام ہے۔ عبداللہ بن صالح ابو صالح کاتب اللیث بن سعد کے بارے ملاحظہ ہو:

(المغنی فی الضعفاء 544/1 تہذیب التہذیب 167/3 `170 الکاشف 562/1 الجرح والتعدیل 398/5 تقریب ص: 1770)

اس کے بارے راجح بات یہ ہے کہ یہ حسن درجے کا راوی ہے بشرطیکہ اس کی روایت ثقات کے خلاف نہ ہو مذکورہ حدیث میں اس کی متابعت عبداللہ بن وھب نے دارمی کے ہاں کر رکھی ہے علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے دارمی کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

" امام ترمذی ابواب الصلاۃ باب ما جاء لا وتران فی لیلة "

''میں طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا وتران فی لیلة"

ایک رات میں دو وتر نہیں کے تحت رقمطراز ہیں کہ اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ جو شخص پہلی رات وتر ادا کرے پھر آخری رات میں اٹھ کھڑا ہو آپ کے صحابہ میں سے بعض اہل علم اور کچھ ان کے بعد والے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ وتر توڑ دے ان کا کہنا ہے وہ اس کے ساتھ ایک رکعت ملا دے اور پھر جو ظاہر ہو نماز پڑھے پھر آخر میں وتر ادا کرے اس لئے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں اور اسی بات کی طرف امام اسحاق بن راھو یہ گئے ہیں اور بعض اہل علم صحابہ وغیرھم نے کہا ہے کہ جب اول رات وتر ادا کرے پھر سو جائے پھر رات کے آخر میں قیام کرے تو جو حصہ اس کے لئے ظاہر ہو پڑھ لے اور اپنے وتر کو نہ توڑے اور وتر کو اسی حال میں چھوڑ دے۔

یہ قول امام سفیان ثوری' امام مالک بن انس' امام عبداللہ بن مبارک' امام شافعی' اہل کوفہ اور امام احمد رحمھم اللہ اجمعین کا ہے اور یہی صحیح ترین قول ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے کئی طرق سے مروی ہے کہ آپ نے وتر کے بعد نماز ادا کی ہے۔

(جامع الترمذی 324/2 تحقیق احمد شاکر رحمہ اللہ)

اس کے بعد امام ترمذی نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کے ساتھ جس نے وتر ادا کر لئے تو وہ اس کے بعد دو رکعت پڑھے تو جائز و درست ہے اور (اجعلوا آخر صلاتکم وترا) تم اپنی آخری نماز وتر بناؤ میں امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ ندب و استحباب کے لئے ہے اور جس شخص نے اول رات وتر ادا کر لئے ہوں اور اسے پچھلی رات بیداری نصیب ہو جائے تو وہ قیام کر لے اور رات میں ادا کئے ہوئے وتروں کو نہ توڑے۔

واللہ اعلم بالصواب

سجدے میں دعا

﴿س﴾ سجدے میں دعا کی قبولیت زیادہ متوقع ہے کیا اس سجدے سے مراد فرضی سجدہ ہے یا نفلی نیز کیا سجدے میں عربی زبان میں ہی دعا مانگنی چاہئے یا غیر عربی میں بھی مانگ سکتے ہیں اگر کوئی ان پڑھ بندہ مجبوری کے تحت غیر عربی میں دعا مانگے تو قرآن و حدیث کی رو سے کیسا ہے؟ (ذوالفقار احمد: راھوالی)

﴿ج﴾ اس مسئلے کی توضیح کے لئے درج ذیل احادیث قابل توجہ ہیں۔

”عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوْا الدُّعَاءَ“

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب ما یقال فی الرکوع و السجود 486/215 ابو داود کتاب الصلوۃ المغنی عن حمل الأسناد للعراقی 149/1 `307 شرح السنہ 151/3)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے کی

حالت میں ہو پس (تم سجدے کی حالت میں) کثرت سے دعا کرو۔"

(۲)...... "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَشَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ السِّتَارَةَ وَالنَّاسُ صُفُوْفٌ خَلْفَ اَبِیْ بَكْرٍ فَقَالَ "اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ اِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهُ اَلَا وَاِنِّیْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ عَزَّوَجَلَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِی الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ"

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب النهی عن قرأۃ القرآن فی الرکوع و السجود 479/207‘ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب فی الدعا فی الرکوع و السجود 876‘نسائی کتاب التطبیق باب تعظیم الرب فی الرکوع 1044‘وباب الامر بالاجتهاد فی الدعاء فی السجود 1119‘ابن ماجه کتاب تعبیر الرویا الصالحة یراها المسلم او تری له 3899مختصرا مسند احمد 219/1سنن الدارمی کتاب الصلاۃ باب النهی عن القرۃ فی الرکوع والسجود 1331`1332‘المنتقی لابن الجارود د 203مسند ابی عوانه 170/2`171‘صحیح ابن خزیمه 303/1`204صحیح ابن حبان 282/3‘283مسند حمیدی489بیهقی 872`88شرح السنة 107/3)

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پردہ ہٹایا۔ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا:

اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے اچھے خواب کے جسے مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے خبردار مجھے رکوع یا سجدے میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ بہرکیف رکوع میں تم اپنے رب کی تعظیم کرو اور سجدے میں دعا کرنے میں مبالغہ کرو یہ تمہاری دعا کی قبولیت

کے زیادہ لائق ہے۔"

(۲)...... "عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَفَعَهُ اَنَّهُ ﷺ نَهٰى اَنْ يَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ وَهُوَ رَاكِعٌ وَقَالَ اِذَا رَكَعْتُمْ فَعَظِّمُوا اللّٰهَ وَاِذَا سَجَدْتُمْ فَادْعُوا فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ" (مسند احمد 55/1)

"علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حالت رکوع میں قرآن پڑھنے سے منع کیا ہے اور فرمایا جب تم رکوع کرو تو اللہ کی تعظیم کرو اور جب تم سجدہ کرو تو دعا کرو یہ تمہاری دعا کی قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔"

. مذکورہ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ سجدے میں دعا مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے اور یہ احادیث عام ہیں فرضی اور نفلی تمام سجدوں کو شامل ہیں اور ان میں دنیا و آخرت کی خیریت طلب کرنا اور ان کے شر سے پناہ مانگنا جائز ہے۔ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَالْحَدِيْثُ دَلِيْلٌ عَلٰى مَشْرُوْعِيَّةِ الدُّعَاءِ حَالَ السُّجُوْدِ بِاَيِّ دُعَاءٍ كَانَ مِنْ طَلَبِ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالْاِسْتِعَاذَةُ مِنْ شَرِّهِمَا"

(مرعاۃ المفاتیح 197/3)

"یہ حدیث سجدوں کی حالت میں دعا کی مشروعیت پر دلیل ہے دنیا و آخرت کی خیریت طلب کرنے اور ان کے شر سے پناہ مانگنے پر مشتمل کوئی بھی دعا ہو سکتی ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلْاَمْرُ بِاِكْثَارِ الدُّعَاءِ فِي السُّجُوْدِ يَشْمَلُ الْحَثَّ عَلٰى تَكْثِيْرِ الطَّلَبِ لِكُلِّ حَاجَةٍ كَمَا جَاءَ فِيْ حَدِيْثِ اَنَسٍ لِيَسْاَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَةً كُلَّهَا حَتّٰى شِسْعَ نَعْلِهِ اَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ يَشْمَلُ التَّكْرَارَ

لِلسُّوَالِ الْوَاحِدِ"(مرعاۃ المفاتیح 188/3فتح الباری 300/2)

"سجدوں میں کثرت سے دعا مانگنے کا حکم ہر قسم کی حاجت کو کثرت سے طلب کرنے کی ترغیب پر مشتمل ہے۔جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی تمام حاجات اپنے رب سے مانگے یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ بھی۔"

اس حدیث کو امام ترمذی نے نکالا ہے اور یہ حدیث ایک ہی سوال بار بار کرنے کو بھی شامل ہے۔

سید سابق سجدے کی مقدار اور اذکار کے تحت رقمطراز ہیں:

"وَالْمُسْتَحَبُّ لَا يَقْتَصِرُ الْمُصَلِّیْ عَلَی التَّسْبِیْحِ بَلْ یَزِیْدُ عَلَیْهِ مَاشَاءَ مِنَ الدُّعَاءِ"۔(فقه السنة 148/1)

"مستحب یہ ہے کہ نمازی صرف تسبیح پر اقتصار نہ کرے بلکہ اس پر جو دعا چاہے زیادہ کرے۔"

اس کے بعد پھر اوپر ذکر کردہ حدیث ابی ہریرۃ و ابن عباس رضی اللہ عنہم کو احمد و مسلم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے جس سے انہوں نے یہ بات اخذ کی ہے۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں:

"اَلْإِ سْتِکْثَارُ مِنَ الدُّعَاءِ بِخَیْرِ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ بِمَا وَرَدَ وَبِمَا لَمْ یَرِدْ"

(الدرر البهیة ص:32)

"نماز میں دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا کثرت سے مانگنی چاہئے خواہ وہ دعا منقول ہو یا نہ ہو۔"

نیز دیکھیں :(الدرر البهیه کی شرح "الدراری المضیة "(للشوکانی 91/1)"السموط الذهبیة " (ص 59م 60'للشیخ احمد بن محمد علی الشوکانی "الروضة الندیة " 105/1مطبوعه لاهور۔ الدراری المضیه

91/1مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت کے حاشیے میں لکھا ہے کہ:

''اگر آپ کہیں کہ کس دلیل سے قاضی شوکانی نے نماز کے اندر ماثور وغیر ماثور دعاؤں کو جائز قرار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں دو سجدوں میں دعا مانگنے کے متعلق کہا گیا ہے اور تشہد میں دعا کے لئے اس حدیث کو پیش کیا ہے کہ: ''ثم لیتخیر احدکم من الدعاء مما اعجبه الیه'' پھر تم میں سے ہر کسی کو جو دعا پسند ہو اختیار کر لے آپ نے نمازی کے لئے دعا میں اختیار دے دیا ہے کہ وہ جو چاہے دعا کرے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ عبادات چونکہ توقیفی ہوتی ہیں اس لئے دعا عربی زبان میں ہی مانگی جائے۔ قرآن وسنت میں کتنی ہی ایسی دعائیں مذکور ہیں جو دنیا و آخرت کی بھلائیوں کو شامل ہیں ان میں سے کوئی اختیار کر لی جائے۔ اگر کوئی شخص واقعی ایسا ہے کہ وہ عربی میں دعائیں یاد نہیں کر سکتا تو اس کے لئے گنجائش ہو سکتی ہے کیونکہ معذروں کے لئے الگ قاعدہ شرعی موجود ہے۔

نماز عشاء کے بعد وتروں کی تعداد

س: عشاء کی نماز کے بعد تین وتر پڑھنے چاہئیں یا ایک قرآن وحدیث کی رو سے بیان کریں؟ (حافظ محمد قیصر لبانوالی ابو جواد صارم)

ج: عشاء کی نماز کے بعد تین وتر بھی پڑھے جا سکتے ہیں اور ایک بھی۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلَاثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْیَفْعَلْ))

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب کم الوتر ؟(1422)نسائی (1710)ابن ماجه (1110) بیهقی (23/3)التمهید (258/13)مستدرك حاكم (302/1)

''وتر ہر مسلم پر لازم ہے جو پانچ وتر ادا کرنا پسند کرے وہ پانچ پڑھ لے اور جو

تین وتر پڑھنا پسند کرے وہ تین پڑھ لے اور جو ایک رکعت پڑھنا پسند کرے وہ ایک پڑھ لے۔ لہٰذا ان صورتوں میں سے کوئی ایک اختیار کرسکتا ہے۔"

دو آدمیوں کا نماز باجماعت کرانا

س: اگر دو آدمی جماعت کروانا چاہتے ہیں تو ان دونوں کو نماز ادا کرنے کے لیے کیسے کھڑے ہونا چاہیے؟ (ثاقب رحیم محمدی۔ وہاڑی)

ج: اگر دو شخص نماز باجماعت ادا کرنا چاہیں تو مقتدی امام کے دائیں جانب ساتھ مل کر کھڑا ہوگا۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى وَرَقَدَ فَجَائَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ))

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب اذا قام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام خلفه الی یمینه تمت صلاته (726) وکتاب العلم باب السمر فی العلم (117) صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا سنن ابی داؤد (610)

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا، ایک رات میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے میرا سر پکڑ کر مجھے اپنی دائیں طرف کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور سو گئے۔ پھر جب موذن (نماز کی اطلاع دینے کے لئے) آیا، آپ ﷺ اٹھے اور نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔"

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ:

((فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِيُصَلِّيَ ......ثُمَّ جِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَدَارَنِيْ حَتّٰى أَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارٌ بْنُ صَخْرٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ بِأَيْدِيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى أَقَامَنَا خَلْفَهُ))الحديث

(صحيح مسلم كتاب الزهد والرقاق باب حديث جابر الطويل (3010)سنن ابى داؤد كتاب الصلاة باب اذا كان الثوب ضيقا(1634)

''رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے......پھر میں آیا یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھمایا حتی کہ اپنی دائیں جانب مجھے کھڑا کر دیا۔ پھر جبار بن صخر آئے انہوں نے وضو کیا پھر آ کر رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کو پکڑ کر ہمیں دھکیل دیا حتی کہ ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔''

''عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ أَمَّهُ وَامْرَأَةٌ مِنْهُمْ فَجَعَلَهُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَالْمَرْأَةُ خَلْفَ ذٰلِكَ''

(سنن ابى داؤد كتاب الصلوة باب الرجلين يوم احدهما صاحبه كيف يقومان (609)سنن النسائى كتاب الامامة باب اذا كانوا رجلين وامراتين (802)صحيح مسلم كتاب المساجد ومواضع الصلوة باب جواز الجماعة 512/279سنن ابن ماجه كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها باب الاثنان جماعة (975)

''انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اور ان میں سے ایک عورت کی امامت کرائی تو انس رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں جانب اور

عورت کو اپنے پیچھے کر دیا۔"

یہ تینوں صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر دو آدمی نماز باجماعت ادا کریں تو مقتدی امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ اسی لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عباس اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کو اپنی بائیں جانب سے دائیں جانب کر دیا۔

عوام الناس میں جو یہ بات معروف ہے کہ مقتدی دائیں طرف امام سے کچھ پیچھے ہو کر کھڑا ہو اس کی کوئی صحیح دلیل ہمارے علم میں نہیں۔ مقتدی امام کے برابر ہی دائیں طرف ہوگا۔ آئمہ اربعہ اور دیگر محدثین فقہاء رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مؤقف ہے۔

اکیلا آدمی جماعت کیسے کروائے

س: میں جب مسجد میں داخل ہوا تو جماعت ہو چکی تھی میں نے تکبیر کہی اور اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دی پھر ایک آدمی آیا وہ میرے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا جب کہ میں نے اس کی نیت نہیں کی تھی تو کیا اس طرح دوسرے آدمی کے مل جانے سے جماعت ہو سکتی ہے۔ اس مسئلہ کی صحیح راہنمائی کریں اور اجر پائیں۔؟ (یاسر کبیر: گجرات)

ج: آدمی جب اکیلا نماز ادا کر رہا ہو تو اس کے ساتھ ایک یا زیادہ آدمی مل جائیں تو وہ امام کی نیت کر لیں اور جماعت کروالیں اس سے نماز میں اجر بڑھے گا اور جماعت کا ثواب مل جائے گا۔

جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ:

((بِتُّ عِنْدَ خَالَتِیْ فَقَامَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ فَقُمْتُ اُصَلِّیْ مَعَهٗ فَقُمْتُ عَنْ یَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِرَاْسِیْ فَاَقَامَنِیْ عَنْ یَمِیْنِهٖ))(صحیح البخاری : کتاب الاذان :۶۹۹)

"میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات بسر کی تو رات کے وقت رسول اللہ ﷺ اٹھے اور نماز پڑھنے لگے میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے

کے لئے اٹھا میں آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ ﷺ نے میرا سر پکڑا اور مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نماز ادا کر رہا ہو تو دوسرا آدمی اس کے ساتھ مل کر کھڑا ہو جائے تو جماعت ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث سے یہی مسئلہ اخذ کیا ہے اور یوں باب باندھا ہے:

"اذا لم ینو الامام ان یؤم ثم جاء قوم فأمهم"

"یعنی جب امام نے امامت کرانے کی نیت نہ کی ہو پھر کوئی قوم آجائے تو وہ ان کی امامت کرا دے۔"

اسی طرح صحیح مسلم میں ایک طویل روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اکیلے نماز پڑھ رہے تھے کہ جابر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر گھمایا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا پھر جبار بن صخر آئے انہوں نے وضو کیا وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کر دیا تو انہوں نے آپ کے پیچھے صف قائم کر لی۔

(صحیح مسلم کتاب الزھد: ۳۰۱۰)

یہ حدیث بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک آدمی نماز ادا کر رہا ہو تو بعد میں آنے والے اگر اس کی نماز میں مل جائیں تو جماعت ہو سکتی ہے۔ اگر ایک آدمی آئے تو امام کی دائیں جانب کھڑا ہو گا دو یا زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے صف بنا لیں گے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نوافل میں تو اس طرح جائز ہے مگر فرائض میں نہیں جب کہ صحیح اور درست بات یہ ہے کہ فرائض و نوافل دونوں میں جائز ہے کیونکہ نماز کی ادائیگی کا طریقہ فرائض و نوافل سب کے لئے ایک جیسا ہے الا یہ کہ دلیل صحیح کے ساتھ کسی بات کی تخصیص ہو جائے۔ واللہ اعلم

قنوت نازلہ اور حنفیت

(س) آج کل لشکر طیبہ والوں کے ہاں مساجد میں اکثر قنوت نازلہ کی جاتی ہے جس پر ہمارے حنفی بھائی بڑے پریشان ہو جاتے ہیں۔کیا احناف کے ہاں اس کا کوئی ثبوت ہے؟(خالد۔لاہور)

(ج) قنوت نازلہ کے بارے میں کتب احادیث میں بے شمار دلائل موجود ہیں جن کی تفصیل ہماری کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں'' جلد اول میں موجود ہے۔

ہمارے حنفی بھائیوں کا بھی راجح موقف یہی ہے کہ قنوت نازلہ جائز ہے۔صوفی عبد الحمید سواتی حنفی رقمطراز ہیں'' جمہور فقہاء احناف کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ کا پڑھنا درست ہے چاہے التزام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو اور جتنی احادیث اس بارہ میں وارد ہوئی ہیں ان کا صحیح محل یہی ہے۔(نماز مسنون کلاں:ص:۲۵۱)

پھر اس کے بعد ص۲۵۲ص۲۵۳ پر انہوں نے قنوت کے الفاظ ذکر کئے ہیں جو ان کے استاذ مولانا حسین احمد مدنی اکثر صبح کی نماز میں پڑھتے تھے۔اسی طرح ہفت روزہ ''زندگی'' جلد نمبر۲۱ شمارہ ۲۰،۲۱ تا ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۱ میں ص۴ پر جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم مولانا عبدالرحمٰن اشرفی کا انٹرویو طبع ہوا ہے جس میں قنوت کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ'' مکے والوں کی زیادتیوں کے خلاف حضور اکرم ﷺ نے قنوت نازلہ پڑھی تھی۔آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسلسل کئی مہینے یہ دعا پڑھی تھی جس میں ظالموں کے لئے بددعا کی جاتی ہے سو ہم نے بھی جامعہ اشرفیہ میں اس کا اہتمام کروا دیا ہے۔اب ہمارے ہاں یہ مسلسل پڑھی جا رہی ہے اور آپ کے ذریعے سے میں تمام علماء کرام سے بھی کہوں گا کہ وہ اپنے حلقوں میں اس کا اجراء فرمائیں ہمارے مفتی صاحب نے تو یہ فتویٰ جاری کیا کہ حالات موجودہ میں طالبان کی حمایت میں قنوت نازلہ

پڑھنا واجب ہے۔''

عبدالرحمٰن اشرفی صاحب کی توضیح سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ بالکل جائز اور درست ہے بلکہ حالات موجودہ میں تو ان کے علماء ومفتیان نے اسے واجب کر دیا ہے اور جامعہ اشرفیہ میں انہوں نے اس کے عملاً اہتمام کا بھی ذکر کیا ہے یہاں یہ بات یاد رہے کہ قنوت نازلہ صرف نماز صبح میں ہی نہیں بلکہ پانچوں نمازوں میں بھی پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے اس لئے لشکر طیبہ کے بھائی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم' افغانستان' کشمیر' فلسطین' بوسنیا وغیرھا ممالک میں کفار کے حملوں اور دہشت گردوں کے خلاف اور مسلمانان عالم کی حمایت ونصرت میں جو قنوت کرتے ہیں' بالکل صواب ودرست ہے اور اس پر احادیث صحیحہ صریحہ دلالت کرتی ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واکمل

صلاۃ اشراق' صلاۃ الضحیٰ اور اوابین

﴿س﴾ صلاۃ اشراق۔ صلوۃ الضحیٰ اوابین کیا یہ تینوں نمازیں الگ الگ ہیں یا ایک ہی نماز کے تین نام ہیں؟ (ابراہیم بنگلوری' دمام سعودی عرب)

﴿ج﴾ صلوۃ الضحیٰ اور صلوۃ الاوابین ایک ہی نماز کے دو نام ہیں:

قاسم شیبانی بیان کرتے ہیں کہ:

''اَنَّ زَیْدَ بْنَ اَرْقَمَ رَأٰی قَوْمًا یُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰی فَقَالَ اَمَا قَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلَاۃَ فِیْ غَیْرِ ھٰذِہِ السَّاعَۃَ اَفْضَلُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ صَلَاۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ''

(صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب صلوۃ الاوابین حین ترمض الفصال ۱۴۳/۷۴۸'المسند المستخرج ۲/۳۴۳'بیھقی ۳/۴۹)

''زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو صلوۃ الضحیٰ پڑھتے دیکھا تو فرمایا: کیا

یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ نماز اس وقت کے علاوہ وقت میں افضل ہے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلوۃ الاوابین اس وقت ہے جب شدت گرمی کی وجہ سے اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

((خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی اَھْلِ قُبَاءٍ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ الضُّحٰی فَقَالَ صَلَاۃُ الْاَوَّابِیْنَ اِذَا رَمَضَتِ الْفِصَالُ مِنَ الضُّحٰی))

(مسند احمد٤/٣٦٦ واللفظ له صحيح مسلم ١٤٤ /٧٤٨المسند المستخرج ٢/٣٤٣ (١٦٩٦) بيهقى ٣/٤٩٠ المعجم الكبير للطبرانى ٥/٢٣٤ صحيح ابن خزيمه (١٢٢٧) شرح السنة ٤/١١٤٥ ابن ابى شيبه ٢/٤٠٦ ارواء الغليل ٢/٢٢٠ صحيح ابو عوانه ٢/٢٧٠'٢٧١)

''رسول اللہ ﷺ اہل قباء پر نکلے۔ وہ صلوۃ الضحٰی پڑھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: صلوۃ الاوابین اس وقت ہے جب دھوپ کی شدت کی وجہ سے اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلتے۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ صلوۃ الضحٰی اول وقت کی بجائے اچھی طرح دھوپ میں پڑھنی افضل ہے صفی الرحمان مبارکپوری حفظہ اللہ فرماتے ہیں: یہ وقت نصف النہار سے کچھ پہلے ہے۔(منة المنعم: ١/٤٧١)

اور اسے ہی نبی ﷺ نے صلوۃ الاوابین قرار دیا ہے۔ اوابین اواب کی جمع ہے اور اواب وہ شخص ہے جو اخلاص اور عمل صالح کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے اللہ کی طرف کثرت سے رجوع کرنے والا ہوتا ہے نصف النہار سے کچھ دیر پہلے عام طور پر لوگوں کیلئے استراحت و آرام کا وقت ہوتا ہے اور اواب شخص راحت و سکون کو پس پشت ڈال کر اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے اس لئے یہ وقت صلوۃ الضحی کا افضل قرار دیا گیا ہے۔ معلوم

ہوا کہ صلوۃ الاوابین صلوۃ الضحی ہی کا دوسرا نام ہے۔

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يُحَافِظُ عَلَى الصَّلٰوةِ الضُّحٰى اِلَّا اَوَّابٌ وَهِيَ صَلٰوةُ الْاَوَّابِيْنَ))

(صحيح ابن خزيمه (١٢٢٤) مستدرك حاكم ١/٣١٤سلسلة الاحاديث الصحيحه (٧٠٣'١٩٩٤)مجمع الزوائد ٢/٢٣٩ طبراني اوسط (٣٨٧٧)

''صلوۃ الضحی کی اواب ہی حفاظت کرتا ہے اور فرمایا یہی صلوۃ الاوابین ہے۔ یہ حدیث بھی اس بات پر نص ہے کہ صلوۃ الضحی کا دوسرا نام صلوۃ الاوابین ہے۔''

اشراق کا معنی سورج کا نکلنا ہے یعنی سورج نکلنے کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے' اسے اشراق کی نماز کہا جاتا ہے۔ کئی ایک علماء نے صلوۃ الاشراق کو صلوۃ الضحی ہی قرار دیا ہے البتہ بعض نے فرق بھی کیا ہے۔ مولانا عبیداللہ رحمانی محدث مبارکپوی نے ذکر کیا ہے کہ صلوۃ الاشراق ضحوہ صغری میں اور صلوۃ الضحی ضحوہ کبری میں ادا کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جن احادیث میں صلوۃ الاشراق کی ترغیب دی ہے' ان میں ہے کہ نماز فجر کی نماز کے بعد بیٹھا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ سورج نکل آئے۔ پھر دو رکعت پڑھے۔

ملا علی قاری نے معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابوداؤد میں مروی ہے اور مشکوٰۃ باب صلوۃ الضحی الفصل الثانی میں ابوداؤد کے حوالے سے ہے کی شرح میں کہا ہے یہی نماز صلوۃ الاشراق ہے اور یہ صلوۃ الضحی کا اول ہے۔

علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں اس بات پر وہ احادیث بھی دلالت کرتی ہیں جن میں

اول دن کے اندر چار رکعات پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ صلوۃ الاشراق کے زیادہ موافق ہے۔

ملا علی قاری نے کہا تحقیق یہ ہے کہ صلوۃ الضحیٰ کا اول وقت وہ ہے جب کراہت کا وقت خارج ہو جائے اور اس کا آخری وقت زوال سے پہلے کا ہے لہٰذا جو اول وقت میں نماز ادا ہوئی' اسے صلوۃ الاشراق اور جو اس کے بعد کے وقت تک ادا ہوئی اسے صلاۃ الضحیٰ کا نام دیا گیا ہے۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں' ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تخریج کی ہے کہ جب سورج اپنے مطلع سے نکل کر ایک دو نیزوں کی مقدار تک ہو جاتا ہے جیسے سورج ڈوبنے سے پہلے نماز عصر کی مقدار تک ہوتا ہے نبی کریم ﷺ دو رکعت پڑھتے پھر مہلت رکھتے یہاں تک کہ جب دھوپ چڑھ جاتی' آپ ﷺ چار رکعات نماز پڑھتے یہ لفظ نسائی کے ہیں۔(نسائی کبری ۱/۱۷۸)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ الضحیٰ اور صلاۃ الاشراق میں فرق اس لحاظ سے ہے کہ سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد نماز ادا کریں تو اسے صلاۃ الاشراق کہتے ہیں اور اگر سورج اچھی طرح بلند ہو کہ دھوپ کی شدت ہو جائے اور زوال سے قبل نماز پڑھیں تو یہ صلوۃ الضحیٰ ہے۔ واللہ اعلم

نماز میں امام کا لقمہ دینا

(س) امام نماز میں تلاوت بھول جائے تو کیا مقتدی امام کو لقمہ دے سکتا ہے؟

(ج) مسور بن یزید المالکی فرماتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں موجود تھا۔ آپ نماز میں قرأت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے کچھ آیات ترک کر دیں قرات نہ کی۔ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے کہا' اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے اس اس طرح آیت ترک کی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھے یاد دہانی کیوں نہیں کرائی۔

(ابو داؤد کتاب الصلوۃ (۹۰۷)ابن خزیمہ (۱٦٤٨)ابن حبان(۳۷۹)

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نے اس میں قراۃ کی آپ پر قرأت خلط ملط کر دی گئی جب آپ ﷺ نماز سے پھرے تو ابی بن کعب سے کہا' کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے روکا تھا" (ابو دائود 'بیہقی ۳/۲۱۲ شرح السنۃ ۱٦٦٥)

یعنی جب نماز میں مجھ پر قرأت غلط ملط کر دی گئی تو تمہیں لقمہ دینے سے کس چیز نے روکا تھا؟ امام خطابی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى جَوَازِ تَلْقِيْنِ الْاِمَامِ"

اس حدیث میں امام کو لقمہ دینے کے جواز پر دلیل ہے۔ اور علی رضی اللہ عنہ سے نماز میں امام کو لقمہ دینے سے منع کرنے والی روایت جو ابوداؤد (۹۰۸) میں ہے اس کے بارے میں امام ابوداؤد نے فرمایا' اس کی سند میں ابواسحاق نے حارث سے چار روایات کے بغیر سماع نہیں کیا اور یہ روایت ان کی مسموعات میں سے نہیں ہے۔ یعنی منقطع ہے۔ اور ابواسحٰق مدلس بھی ہیں اور یہ ان کی عن والی روایت ہے۔ اور دوسری علت یہ کہ حارث انتہائی ضعیف راوی ہے۔

کیا مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین ہے؟

س بعض لوگ نماز مغرب کے بعد چھ رکعات صلات الأوابین کی ادا کرتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج نماز مغرب کے بعد چھ رکعات ادا کرنے کو صلاۃ الأوابین قرار دینا رسول اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔ بعض احناف نے ان چھ رکعات کو صلاۃ الأوابین کہا ہے جیسا کہ مفتی جمیل احمد نذیری نے "رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز" ص ۳٦٨ میں ابوالقاسم رفیق دلاوری نے "عماد الدین" ص ٤٣٧ میں ذکر کیا ہے۔

حالانکہ یہ بات صحیح احادیث کے خلاف ہے صحیح احادیث میں صلاۃ الضحیٰ کو ہی صلاۃ الأوابین کہا گیا ہے جیسا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلوة الأوابين حين ترمض الفصال))

"بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلاۃ الأوابین کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں ریت میں گرم ہونے لگتے ہیں۔"

(صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين وقصرها باب صلاة الأوابين حين ترمض الفصال ١٤٣'١٤٤/٧٤٨مسند احمد٣٢/٩(١٩٢٦٤)ابن ابى شيبه ٤٠٦/٢ط هند شرح السنة ١٤٥/٤(١٠١٠)بيهقى ٤٩/٣مسند طيالسى (٦٨٧) دارمى باب فى صلاة الأوابين (١٤٩٨)طبرانى كبير (٥١١٣) ابن حبان (٢٥٣٩)ابن خزيمه (١٢٢٧)ابو عوانه ٢٧٠/٢طبرانى اوسط (٢٣٠) طبرانى صغير (١٠٠)معرفة السنن والآثار (٥٥٨٧) عبدالرزاق (٤٨٣٢)

اس مسئلہ میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا يحافظ على صلاة الضحى الا اواب قال وهى صلاة الاوابين))

"نماز ضحیٰ کی اواب ہی حفاظت کرتا ہے"

اور پھر فرمایا: یہی صلاۃ الأوابین ہے۔

(المستدرك للحاكم (١٢٢٣)٦٢٢/١ط جديد صحيح ابن خزيمه (١٢٢٤) طبرانى اوسط (٣٨٧٧) ابن عدى ٢٢٠٥/٦)

اس حدیث کو امام حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے امام ابوبکر ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ اسماعیل بن عبداللہ بن زرارہ الرقی کی اس روایت

کو موصول بیان کرنے میں متابعت نہیں کی گئی۔ دراوردی نے اسے محمد بن عمرو عن ابی سلمہ سے مرسل بیان کیا ہے اور حماد بن سلمہ نے محمد بن عمرو عن ابی سلمہ اسے ابو سلمہ کا قول بیان کیا ہے جب کہ علامہ الالبانی فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے کیونکہ ابن زرارہ کی متابعت کی گئی جیسا کہ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۱۹۹۴) میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

((أوصاني خليلي ثبلاث لست بتاركهن أن لا أنام الا على وتر و أن لا أدع ركعتي الضحى فانها صلاة الأوابين وصيام ثلاثة أيام من كلشهر))(صحيح ابن خزيمه(١٢٢٣)مسند احمد١٣/٣٩(٧٥٩٦)

مجھے میرے خلیل (ﷺ) نے تین کاموں کی وصیت کی ہے میں انہیں چھوڑنے والا نہیں ہوں۔

۱۔ میں وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں۔

۲۔ اور میں صلاۃ الضحی کی دو رکعت نہ چھوڑوں اس لیے کہ یہ صلاۃ الأوابین ہے۔

۳۔ اور ہر ماہ تین روزے رکھوں۔

اس کی سند میں سلیمان بن ابی سلیمان ہے جسے مجہول قرار دیا گیا ہے لیکن یہ روایت بطور شاھد ذکر کی ہے کیونکہ اوپر ذکر کردہ صحیح روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے اور اس سیاق کے علاوہ یہ صحیح سند کے ساتھ مسند احمد (۷۵۱۲) وغیرہ میں موجود ہے۔

نماز مغرب کے بعد چھ رکعات کی ادائیگی کے متعلق جامع ترمذی سے جو روایت پیش کی جاتی ہے اس پر امام ترمذی نے خود جرح کی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة))

(ابن ماجه (١٣٧٤،١١٦٧)ترمذی ابواب الصلاة باب ما جاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب (٤٣٥)

''جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات نماز پڑھی ان کے درمیان اس نے کوئی بری بات نہیں کی۔ اس کو بارہ سال کے برابر ثواب ملے گا۔''

امام ترمذی فرماتے ہیں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت غریب ہے ہم اس کو زید بن الحباب از عمر بن ابی خثعم کی سند کے علاوہ کسی اور طریق سے نہیں پہچانتے اور میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ: عمر بن عبداللہ بن أبی خثعم منکر الحدیث ہے اور اسے بہت زیادہ ضعیف قرار دیا۔

اس سلسلے میں ایک روایت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بھی پیش کی جاتی ہے کہ محمد بن عمار کہتے ہیں میں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مغرب کے بعد چھ رکعات نماز ادا کرتے دیکھا میں نے کہا اے ابا جان یہ نماز کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا:

" رأيت حبيبي رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بعد المغرب ست ركعات و قال: من صلى بعد المغرب ست ركعات غفرت له ذنوبه و ان كانت مثل زبد البحر "

''میں نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو مغرب کے بعد چھ رکعات ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ نے فرمایا جس نے مغرب کے بعد چھ رکعات نماز ادا کی اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوئے۔''

(مجمع الزوائد كتاب الصلاة باب الصلاة قبل المغرب و بعدها (٣٣٨٠)٢/٤٨٣ ط جدید)

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اسے امام طبرانی نے تینوں معاجم میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے روایت کرنے میں صالح بن قطن البخاری متفرد ہے میں کہتا ہوں میں نے اس

کے حالات نہیں پائے۔ امام ابن الجوزی نے العلل المتناھیہ (۷۷٦) میں اسے ذکر کر کے بتایا ہے کہ اس میں مجہول راوی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں محمد بن عمار بن محمد عمار بن یاسر نے اپنے باپ سے انہوں نے اس کے دادا سے انہوں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مغرب کے بعد دو رکعتوں کی فضیلت میں روایت بیان کی ہے اس سے صالح بن معلیٰ السمان نے روایت کی ہے امام ابن الجوزی نے العلل میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ محمد بن عمار اور اس کا باپ دونوں مجہول ہیں۔ (لسان المیزان ٥/٣١٨)

اسی طرح بعض لوگوں نے نماز مغرب کے بعد سے لے کر عشاء تک کے وقت نماز پڑھنے کو صلاۃ الاوابین قرار دیا ہے اور دلیل کے طور پر ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ اثر پیش کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

" صلوة الأوابين ما بين ان يلتفت اهل المغرب الى ان يتوب الى العشاء "

(ابن ابی شیبہ ۲/۱۹۷ بحوالہ نماز مسنون از صوفی عبد الحمید سواتی ص ٥٦٥)

" صلاۃ الأوابین جب مغرب کی نماز پڑھ کر نمازی فارغ ہوں تو اس سے لے کر اس وقت تک ہوتی ہے جب عشاء کا وقت آ جائے اس روایت سے استدلال بھی درست نہیں۔"

(۱) یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے جو کہ اوپر ذکر کی گئی ہے۔

(۲) سند کے لحاظ سے یہ روایت کمزور ہے اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ضعیف راوی ہے اسے امام احمد بخاری وغیرھما نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

(تہذیب' تقریب مع تحریر ۳/٤۳٥)

مغرب کی نماز ادا کرنے کو صلاۃ الاوابین قرار دینے والوں کی دوسری دلیل یہ ہے:

" ان الملائكة لتحف بالذين يصلون بين المغرب الى العشاء وهى صلاة الاوابين "

(شرح السنة ۳/٤٧٤) كنز العمال ٨/٣٥ بحواله نماز مسنون ٥٦٦)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک فرشتے ان لوگوں کو گھیر لیتے ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں اور یہ بھی صلاۃ الاوابین ہے۔''

امام بغوی نے اسے صیغہ تمریض ''روی'' سے بیان کیا ہے جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔لہٰذا یہ روایت بھی قابل حجت نہیں۔

اس کے علاوہ شرح السنۃ ۳/۴۷۴ میں ایک اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے ۲۰ رکعات والی روایت یعقوب بن الولید کی وجہ سے من گھڑت ہے کیونکہ یہ روایات گھڑتا تھا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحیح اور مرفوع حدیث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ صلاۃ الضحیٰ ہی صلاۃ الاوابین ہے نماز مغرب کے بعد چھ یا بیس رکعات کو صلاۃ الاوابین قرار دینا درست نہیں۔ اس کے متعلق مروی آثار ضعیف اور کمزور ہیں۔ اور صحیح احادیث کے خلاف ہیں صوفی عبدالحمید سواتی حنفی نماز مسنون ۵۶۳ میں لکھتے ہیں:

''صحیح احادیث میں صلاۃ الضحیٰ کو ہی صلاۃ الاوابین کہا گیا ہے''لہٰذا ہمیں صحیح حدیث کے مطابق ہی عمل کرنا چاہیے اور صلاۃ الضحیٰ کو ہی صلاۃ الاوابین سمجھنا چاہیے اور صلاۃ الضحیٰ دو رکعت (مسلم) چار اور آٹھ رکعات تک ثابت ہے جیسا کہ مسلم وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

جس کا جمعہ فوت ہو جائے وہ چار رکعت ادا کرے

(س) آپ نے مجلہ الدعوۃ جولائی ۲۰۰۲ اور ہفت روزہ غزوہ ۲۳ تا ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

میں لکھا کہ "جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے تو اسے چار رکعت نماز ادا کرنی چاہیے" آپ کے اس فتویٰ کے جواب میں ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث جلد نمبر ۴۶ شمارہ نمبر ۲۳ کے ص ۱۰ تا ۱۲ میں ابوخزیمہ محمد حسین ظاہری صاحب آف اوکاڑہ نے لکھا ہے کہ "نماز جمعہ کے فوت ہو جانے پر صرف نماز جمعہ ہی ادا کرنے والی روایت تاریخ اصبہان ابونعیم اصبہانی میں عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے" پھر اس کے بعد روایت درج کر کے لکھا ہے کہ "یہ روایت سندا موقوف ہے لیکن حکما مرفوع ہے جیسا کہ کتب اصطلاحات المحدثین میں صراحت موجود ہے شیخنا شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ثابت ہے" اور انہوں نے آپ کے پیش کردہ دلائل کا رد کیا ہے آپ سے گذارش ہے کہ ہمیں صحیح صورتحال سے آگاہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین (ابوحنظلہ۔لاہور)

ج ہمارے نزدیک صحیح اور درست بات یہی ہے کہ جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ نماز ظہر ادا کرے گا جمعہ فوت ہونے کی صورت میں نماز جمعہ ہی ادا کرنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے اس سلسلہ میں ہم نے چند آثار صحابہ پیش کیے جن میں سے ایک اثر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یوں مروی ہے:

" اذا ادرك الرجل يوم الجمعة ركعة صلى اليها ركعة اخرى فان وجدهم جلوسا صلى اربعا"

(المصنف لعبد الرزاق ۳/۲۳٤(٥٤٧١) المحلى لابن حزم ٥/٧٥ بيهقى ۳/۲۰٤ المدونة الكبرى باب فيمن ادرك ركعة يوم الجمعة ١/١٣٧ الاوسط لابن المنذر ٤/١٠١ ابن ابى شيبه ١/٤٦١ (٥٣٣٤)

"جب آدمی جمعہ والے دن ایک رکعت پالے تو وہ اس کے ساتھ پچھلی رکعت ادا کر لے اگر لوگوں کو جلسہ کی حالت میں پالے تو چار رکعات ادا کر لے۔"

اس روایت کی سند بالکل صحیح اور سنہری ہے امام عبدالرزاق نے اسے بطریق معمر عن ایوب عن نافع ان ابن عمر قال: روایت کیا ہے

معمر بن راشد ثقہ ثبت فاضل ہیں۔

(تقریب مع تحریر ۴۰۳/۳)

اور ایوب سختیانی ثقہ ثبت حجۃ من کبار الفقہاء العباد ہیں (تقریب مع تحریر ۱۵۹/۱)

نافع ابوعبداللہ المدنی مولی ابن عمر ثقہ ثبت فقیہ مشہور (تقریب مع تحریر ۹/۴)

اس صحیح اثر کو ظاہری صاحب نے چھوا تک نہیں امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنۃ ۲۷۳/۴ میں رقمطراز ہیں کہ ''جو شخص امام کو نماز جمعہ میں پالے۔ اگر تو اس کے ساتھ ایک مکمل رکعت پالے تو اس نے جمعہ پالیا پھر جب امام سلام پھیر دے تو اس کے ساتھ پچھلی رکعت ملالے تو جمعہ مکمل ہوگیا۔ اور اگر امام کے ساتھ مکمل ایک رکعت نہ پائے جیسا کہ دوسری رکعت میں امام کو رکوع کے بعد اٹھنے کی صورت میں پائے تو اس کا جمعہ فوت ہوگیا اب اس پر واجب ہے کہ وہ چار رکعات نماز ادا کرے۔

اس لیے کہ ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك الصلاة"

''جس آدمی نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز کو پالیا۔''

(مؤطا فی وقوت الصلاة باب من ادرك ركعة من الصلاة بخاری فی مواقیت الصلاة مسلم كتاب المساجد(٦٠٧)

اور اکثر اھل علم کا یہی قول ہے کہ یہ بات عبداللہ بن مسعود، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے بیان کی گئی ہے اور سعید بن المسیب، علقمہ اسود، عروہ، حسن بصری، زھری، ثوری، مالک، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق بن راھویہ کا یہی قول ہے۔

امام بغوی کی توضیح سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص کا جمعہ فوت ہوجائے اس پر چار رکعات ادا کرنا لازم ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ابونضرۃ کہتے ہیں:

" جاء رجل الی عمران بن حصین فقال رجل قد فاتته الجمعة کم یصلی؟ قال عمران: ولم تفوته الجمعة ؟ فلما ولّی الرجل قال عمران: اما انه لو فاتتنی الجمعة صلیت اربعا"

(عبدالرزاق(٥٤٨٢)٣/٢٣٦)

ایک آدمی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس نے کہا: جس آدمی کا جمعہ فوت ہو جائے وہ کتنی نماز ادا کرے؟ عمران رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا جمعہ کیوں فوت ہوتا ہے؟ جب آدمی پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو عمران رضی اللہ عنہ نے کہا: بہر کیف اگر میرا جمعہ فوت ہو جاتا تو میں چار رکعات ادا کرتا۔

اس روایت کے تمام راوی اعلیٰ درجے کے ثقات ہیں اس میں ایک علت یہ ہے کہ بعض ائمہ نے یحیٰ بن ابی کثیر کو مدلس کہا ہے اور شیخ ظاھری جو مدلسین کے طبقات کے قائل ہیں جیسا کہ ان کے مضمون سے ظاہر ہے کے نزدیک یہ علت قادحہ نہیں ہے کیونکہ حافظ صلاح الدین العلائی نے جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۱۳۰ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے طبقات المدلسین ص ۳۶ میں انہیں طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے اور طبقہ ثانیہ کے بارے ان دونوں بزرگوں نے یہ قاعدہ لکھا ہے کہ:

" من احتمل الائمة تدلیسه وخرجوا له فی الصحیح وان لم یصرح بالسماع وذلك اما لا مامته اولقلة تدلیسه فی جنب ما روی او لانه لا یدلس الا عن ثقه"

طبقہ ثانیہ کے مدلسین کی تدلیس کو ائمہ نے برداشت کیا ہے اور صحیح میں ان کی حدیث کی تخریج کی ہے اگر چہ سماع کی تصریح نہ کی گئی ہو اور یہ ان کی امامت یا روایت میں قلت تدلیس کی وجہ سے ہے یا اس لیے کہ وہ ثقہ کے سوا کسی سے تدلیس نہیں کرتے۔

اور یحیٰ بن ابی کثیر کے بارے امام ابو حاتم فرماتے ہیں:

" لا یحدث الا عن ثقه"

''یہ ثقہ کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے۔''

(تهذیب رقم (۸۸۰٦) الجرح والتعدیل ۱٤۲/۹)

لہٰذا یہ روایت بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی شاھد ہے اور جس کا جمعہ فوت ہوجائے اس کے لیے چار رکعات ادا کرنے پر دلالت کرتی ہے۔اس کے علاوہ ہم نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت درج کی کہ:

" من ادرك من الجمعة ركعة فليضف اليها اخرى ومن فاتته الركعتان فليصل اربعا"

''جس آدمی نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ پچھلی رکعت ملا لے اور جس کی دو رکعت فوت ہوجائیں وہ چار رکعت ادا کرے۔'' اسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد كتاب الصلوة باب فيمن ادرك من الجمعة ركعة (۳۱۷۱)۲/٤۲۰)

اس کی وضاحت کرتے ہوئے ظاہری صاحب نے لکھا اس روایت کا مدار ابو اسحاق السبیعی پر ہے پھر انہوں نے طبرانی کبیر ۹۵۴۵ تا ۹۵۴۹ سے اس کے مختلف طرق ذکر کیے اور میرے ایک مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے ابو اسحاق السبیعی کو مدلس گردانتے ہوئے روایت کو ضعیف قرار دیا۔اور لکھا کہ ''معلوم ہوا کہ شیخ صاحب کی مستدل روایات ضعیف اور ناقابل احتجاج ہیں امام ہیثمی کا قول اس کی سند حسن ہے ان کا وہم ہے اسی طرح سے دوسری روایت کے متعلق ان کا فرمان اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے مردود وغیرہ حسن ہے اور شیخ صاحب کا امام ہیثمی کے قول پر اعتماد محض حسن ظن ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔''

یاد رہے کہ علامہ ہیثمی کی تحسین پر راقم نے جو اعتماد کیا تھا اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ طبرانی کبیر راقم کے پاس موجود نہیں دوسری بات یہ ہے کہ اگر چہ اس میں ابو اسحاق السبیعی ہیں جو کہ مدلس ہیں لیکن اس روایت میں جو بات ذکر کی گئی ہے اس کے کئی ایک شواہد ہیں

جیسا کہ اوپر بسند صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جس پر ظاہری صاحب نے خاموشی اختیار کی ہے اور اس پر کوئی جرح نہیں کر سکے اور نہ ہی کوئی علت قادحہ اس کے ضعف کی پیش کر سکتے ہیں۔ اس اثر کو شواھد کی بنا پر راقم حسن سمجھتا ہے اور یہ بحمد اللہ وہم نہیں ہے اس اثر کو جہاں علامہ ہیثمی نے حسن قرار دیا ہے وہاں سید سابق نے بھی فقہ السنہ ۱/ ۲۷۵ میں حسن قرار دیا ہے۔ اور علامہ ہیثمی پر اعتماد صرف حسن ظن نہیں بلکہ دلیل کی بنیاد پر ہے۔ پھر ظاہری صاحب لکھتے ہیں" حضرت شیخ فرماتے ہیں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ پچھلی رکعت ملا لے اگر لوگوں کو بیٹھا ہوئے پائے تو ظہر کی چار رکعت ادا کرے۔ (دار قطنی)

اس کی سند میں یاسین بن معاذ متروک راوی ہے یاسین بن معاذ کی امام زھری رحمۃ اللہ علیہ سے اس روایت میں کئی ایک ضعفاء متابع ہیں" پھر وضاحت کے عنوان سے رقمطراز ہیں" فضیلۃ الشیخ کا یہ فرمانا کہ یاسین بن معاذ کی امام زھری سے اس روایت میں کئی ایک ضعفاء متابع ہیں اسکے لیے چنداں مفید نہیں کیونکہ اصل روایت کے بیان کرنے میں ہی اختلاف ہے اور جس روایت کی متابعت ثابت کی جارہی ہے اس کے الفاظ ہی غیر محفوظ ہیں۔" پھر اس کے بعد ظاہری ابن حجر کی طویل عبارت التلخیص الحبیر کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

ازالہ:

ظاہری صاحب کا اس روایت پر بحث کرنا اور ابن حجر کی التلخیص کا حوالہ دینا تحصیل حاصل اور ان کی ظاہریت کا شاخسانہ ہے کیونکہ راقم نے مجلۃ الدعوۃ جولائی ۲۰۰۲ ص ۴۲ میں لکھا ہے کہ" البتہ اس مسئلہ کے بارے مرفوع روایت ضعیف ہے جس کی مختصر سی توضیح درج ذیل ہے اس کی سند میں یاسین بن معاذ متروک راوی ہے یاسین بن معاذ کی امام زھری سے اس روایت میں کئی ایک ضعفاء متابع ہیں۔

(جیسا کہ صالح بن ابی الأخضر(دار قطنی ١٥٨٤) سلیمان بن ابی داود

الحرانی(دار قطنی ۱۵۸۷) اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو(التلخیص الحبیر ۵۹۳ کتاب صلوۃ الجمعہ)

راقم کی اس عبارت سے یہ بات عیاں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں مرفوع روایت ضعیف ہے ہم نے اس پر ضعف کا حکم لگا کر ال التلخیص کی طرف راہنمائی کی ہے اس لیے اس روایت کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے ظاہری صاحب کا التلخیص سے مفصل عبارت ذکر کرنا تحصیل حاصل نہیں تو اور کیا ہے محض مضمون کو طوالت دینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے البتہ اس روایت کے الفاظ کو غیر محفوظ قرار دینے کے لیے جو زور صرف کیا گیا ہے اور ائمہ کی توضیحات بحوالہ التلخیص ذکر کی گئی ہیں ان کا مطلوب یہ ہے کہ حدیث ابی ہریرہ کے اصل الفاظ:

”من ادرك من الصلاة ركعة فقد ادركها“ ہیں اور ”من ادرك من الجمعه ركعة“ غیر محفوظ ہیں یعنی اس حدیث میں عام نماز کے بارے ہے کہ جس نے ایک رکعت پالی اس نے اس نماز کو پالیا۔ جمعہ کے بارے نہیں ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی۔ تو یاد رہے کہ اس سلسلہ میں حدیث ابی ہریرۃ تو سنداً ضعیف ہے جیسا کہ ہم نے خود اپنے مضمون میں اسکی مختصر سی وضاحت کی تھی لیکن ”من ادرك ركعة من يوم الجمعة فقد ادركها وليضف اليها اخرىٰ“

”جس نے جمعہ کے دن ایک رکعت پالی تو اس نے جمعہ کو پالیا وہ اسکے ساتھ پچھلی رکعت ملا لے۔“ کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے۔

یہ روایت سنن الدار قطنی(۱۵۹۲) طبرانی اوسط(۴۲۰۰) طبرانی صغیر اور مجمع البحرین فی زوائد المعجمین (۹۹۵) میں موجود ہے طبرانی کی سند یوں ہے۔

”حدثنا علی ثنا الجراح بن مليح ثنا ابراهيم بن سليمان الدباس ثنا

عبد العزیز بن مسلم عن یحی بن سعید عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنه "

۱۔طبرانی کے استاذ علی بن سعید بن بشیر بن مہران الرازی ہیں جن کے متعلق امام ذھبی نے لکھا ہے:

" حافظ رحال جوال "میزان ۳/ ۱۳۱ اور تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۲۲۵ میں لکھتے ہیں" الحافظ البارع ابو الحسن الرازی نزیل مصرو محدثھا" نیز دیکھیں سیر اعلام النبلاء ۱٤/ ۱٤٥،۱٤٦ تاریخ الاسلام ۲۱۰ وفیات ۲۹۱-۳۰۰ھ)

مسلمہ بن قاسم فرماتے ہیں:

" و کان ثقة عالما بالحدیث حدثني عنه غیر واحد"

(لسان المیزان(۵۸۷۱) ۵/ ۳٤ ط جدید)

ابویعلی الخلیلی کہتے ہیں:

" حافظ متقن" (الارشاد۱/ ٤۳۷) ابن یونس کہتے ہیں" کان یفھم ویحفظ" (لسان لمیزان ۵/ ۳٤) البتہ امام دارقطنی نے اسے غیر ثقہ کہا ہے۔ سؤالات حمزہ السھمی(۳٤۸) لہٰذا جمہور ائمہ کے ہاں یہ ثقہ ہے۔

۲۔الجراح بن ملیح البھرانی: امام نسائی نے لیس بہ باس امام ابوحاتم اور امام ابن عدی نے اسے صالح الحدیث قرار دیا ہے اسی طرح ابن معین نے بھی لیس بہ باس کہا ہے۔

(تهذیب۱/ ۳٦۵ الجرح والتعدیل ۲/ ۵۲٤) ابن حجر نے اسے صدوق قرار دیا ہے(تقریب مع تحریر۱/ ۲۱۲)

۳۔ابراہیم بن سلیمان الدباس کو ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل ۲/ ۱۰۳) میں ذکر کر کے سکوت اختیار کیا ہے اور ابن حبان نے کتاب الثقات ۸/ ۶۹ میں ذکر کیا ہے۔

۴۔عبدالعزیز بن مسلم القسملی ثقہ عابد(تقریب مع تحریر۲/ ۳۷۲)ابن معین،ابوحاتم، عجلی،ابن نمیر،ذھبی اور نسائی وغیرھم نے اسے ثقہ قرار دیا ہے(تہذیب ۳/ ۳۷۳)

باقی یحیی بن سعید اور نافع مشہور ثقات راویوں میں سے ہیں اور عبدالعزیز بن مسلم سے روایت کرنے میں ابراہیم بن سلیمان الدباس کی عیسی بن ابراہیم الشعیری نے متابعت کر رکھی ہے اور عبدالعزیز بن مسلم کی یحیی بن سعید سے عبداللہ بن نمیر نے متابعت کی ہے ملاحظہ ہو دارقطنی رقم (۱۵۹۲) عیسی بن ابراہیم الشعیری ثقہ ہیں تحریر تقریب التہذیب ۳/۱۳۵ اور عبداللہ بن نمیر کتب ستہ کے راوی ثقہ صاحب حدیث من اھل السنۃ ہیں (تقریب مع تحریر ۲/۲۷۹)

علامہ البانی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے رقمطراز ہیں ''فالحدیث عندی صحیح مرفوعا' یہ حدیث میرے نزدیک مرفوعا صحیح ہے (ارواء الغلیل ۳/۸۹)

اور یہی حدیث بقیہ بن الولید کی سند سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

"من ادرك ركعة من صلاة الجمعة او غيرها فقد ادرك الصلاة"

''جس نے نماز جمعہ یا دیگر نماز کی ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔''

(سنن ابن ماجه(١١٢٣) سنن النسائی(٥٥٦) السنن الكبرىٰ للنسائی(١٤٥٦) دار قطنی (١٥٩٠)المسند الجامع ١٠/١٤٩ (٧٣٤٩)

بقیہ اگرچہ مدلس ہیں لیکن ان کی تصریح بالسماع مسلسل موجود ہے جیسا کہ المسند الجامع سے ظاہر ہے علامہ البانی نے اسے صحیح ابن ماجہ اور الاجوبۃ النافعہ ص ۴۹ میں صحیح قرار دیا ہے بلکہ لکھتے ہیں:

" وحملة القول ان الحديث بذكر الجمعة صحيح من حديث ابن عمر مرفوعا وموقوفا لامن حديث ابی هريرة والله تعالىٰ ولی التوفيق"(ارواء ٣/٩٠)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمعہ کے ذکر کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح صحیح ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی

توفیق دینے والا ہے اسی طرح شیخ عبدالقدوس حفظہ اللہ محقق مجمع البحرین نے بھی اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے ۲/۲۳۱۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بلوغ المرام باب الجمعہ (۴۱۶) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے یہ روایت مرسلا وموصولا اور مرفوعا وموقوفا دونوں طرح مروی ہے اور صحیح ہے جیسا کہ علامہ البانی نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

باقی رہا کسی روایت کو تعدد طرق کی بنا پر حسن قرار دینا تو یاد رہے اگر اسانید میں راوی متھم بلکذب ہوں یا ضعف شدید ہو تو کثرت اسانید سے بھی ضعف کا تدارک اور انجبار نہیں ہوتا البتہ ضعف خفیف کثرۃ اسانید سے دور ہو جاتا ہے اور روایت حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ضعف شدید نہیں ہے بلکہ اس کے رواۃ صحیح اور بعض حسن درجے کے ہیں۔ ہماری مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو چار رکعات ادا کرے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور کثیر ائمہ محدثین سے یہی بات منقول ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس بات کا کوئی بھی مخالف نہیں۔ من ادعی فعلیہ البیان راقم نے آخر میں امام ابن ھبیرۃ کی کتاب الافصاح ۱/۱۲۵ موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی ۲/۱۰۷ رقم ۲۴۶۳ سے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جب کسی کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو وہ ظہر کی نماز ادا کرے ظاہری صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ دعویٰ اجماع غلط ہے اور اس پر جو دلائل پیش کرتے ہیں ان کا محاکمہ ملاحظہ کریں۔

اشکال:

۱۔ امیر المومنین عمر بن خطاب فرماتے ہیں:

"الخطبة موضع ركعتين من فاتته الخطبة صلى اربعا"

''کہ خطبہ دو رکعتوں کی جگہ پر ہے جس کا خطبہ فوت ہو جائے وہ چار رکعتیں

ادا کرے''

(مصنف عبد الرزاق ۳/۲۳۷'۲۳۸ مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۸)

ازالہ:

اولاً: یہ روایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ایک سند میں عمرو بن شعیب عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہے ہیں عمرو بن شعیب کا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ان کی عمر رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہوتی ہے جیسا کہ مراسیل رازی ص ۱۲۳ میں مرقوم ہے دوسری سند میں یحی بن ابی کثیر کہتے ہیں حدثت عن عمر بن الخطاب'' مجھے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے۔

یحی بن ابی کثیر اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کون سا راوی ہے جس نے یہ بیان کیا ہے اس کا ثبوت ظاہری صاحب کے ذمہ ہے کیونکہ یحی اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے لہٰذا اس روایت کا عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح ثبوت ظاہری صاحب کے ذمہ ہے۔

ثانیاً: ظاہری صاحب نے اس منقطع اثر کو سمجھنے میں ظاہریت سے کام لیا ہے اگر کچھ غور و خوض سے کام لیتے تو اسے قطعاً ہماری مخالفت میں پیش نہ کرتے کیونکہ یہ اثر ہماری تائید کرتا ہے بات دراصل یہ ہے کہ ائمہ میں اختلاف یہ ہے کہ جمعہ کیسے فوت ہوتا ہے خطبہ فوت ہو جانے سے یا ایک رکعت فوت ہونے سے یا دوسری رکعت کا تشہد فوت ہونے سے اس میں اختلاف نہیں کہ جمعہ فوت ہو جائے تو دو رکعت ادا کرنی ہیں یا چار۔

مذکورہ اثر سے جمعہ کے فوت ہو جانے سے اکیلے جمعہ ادا کرنے پر دلیل لینا ظاہری صاحب کے عدم تفقہ کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ منقطع اثر بھی یہی بات بتاتا ہے کہ خطبہ فوت ہونے سے جمعہ فوت ہو جاتا ہے اور جس کا جمعہ فوت ہو جائے وہ چار رکعات ادا کرے لہٰذا یہ ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے اور ظاہری صاحب کے موقف کی تردید جسے وہ بلا سوچے سمجھے ہمارے رد میں پیش کر رہے ہیں اسی طرح عطاء طاؤس و مجاہد کا قول بھی اس موقعہ پر

پیش کرنا درست نہیں۔

۲۔اشکال:

دوسری دلیل یہ ذکر کرتے ہیں کہ "عبداللہ بن مسعود کا یہ قول" من ادرك التشهد فقد ادرك الصلاة" کہ جس نے تشہد پالیا اس نے نماز پالی بھی دعویٰ اجماع کو باطل قرار دیتا ہے۔

ازالہ:

اولاً: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ابن ابی شیبہ (۵۳۵۹) میں جس سند سے مروی ہے وہ قابل حجت نہیں کیونکہ اس کی سند میں شریک بن عبداللہ القاضی مدلس ومختلط ہے اور اس کا استاذ عامر بن شقیق لین الحدیث ہے۔

(نہایة الاغتباط۔ طبقات المدلسین۔تقریب)

ظاہری صاحب کو چاہیے اس کی تصریح بالسماع اور قبل از اختلاط اس روایت کو بیان کرنا ثابت کریں۔

ثانیا: جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ نماز ظہر ادا کرے اس مسئلہ کی تردید بھی اس میں موجود نہیں بلکہ یہ ضعیف قول اس بارے میں ہے کہ جمعہ پانے کیلئے حالت تشہد میں ملنا کافی ہے نہ کہ جمعہ فوت ہو جائے تو چار رکعات ادا نہ کرے اور دو ادا کرے۔ فیاللعجب

۳۔اشکال:

اجماع کی تردید میں امام احمد کا فرمان" من ادعی الاجماع فقد کذب "جس نے اجماع کا دعویٰ کیا اس نے جھوٹ بولا۔

(ارشاد الفحول للشوكاني وكتب فقه)

ازالہ:

امام احمد بن حنبل بالکلیہ اجماع کے منکر نہیں تھے وہ کئی ایک مسائل پر اجماع کا دعوی

کرتے تھے جیسا کہ مسائل ابی داؤد اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں قراۃ فی الصلوۃ کے متعلق ان کا دعویٰ اجماع موجود ہے اور کتب فقہ میں اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں امام احمد کا اجماع کی نفی میں جو قول پیش کیا جاتا ہے یہ اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے جیسا کہ ظاہری صاحب نے سمجھ رکھا ہے بلکہ یہ علی طریق الورع ہے یا ایسے شخص کے حق میں ہے جس کو لوگوں کے احوال کی معرفت نہیں اور مذاہب کے بارے معلومات نہیں رکھتا اور بلا دلیل ہی دعوی اجماع کر دیتا ہے ایسا آدمی جھوٹا ہے جیسا کہ بشر مریسی وغیرہ امام احمد کا موقف تفیصلا معلوم کرنا ہو تو دکتور عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی کی کتاب ''اصول مذھب الامام احمد'' ملاحظہ کریں۔

اشکال:

ظاہری صاحب لکھتے ہیں ''معلوم ہوا کہ صحابہ کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جمعہ فوت ہونے کی صورت میں ظہر ادا کی جائے یا جمعہ نیز عمر بن خطاب اور تابعین جیسا کہ ذکر ہوا صرف خطبہ کے فوت ہونے پر چار رکعت پڑھنے کے قائل ہیں جس سے دعوی اجماع باطل ثابت ہوا''

ازالہ:

راقم کا ظاہری صاحب سے مطالبہ ہے کہ وہ کسی بھی صحابی سے صحیح سند کے ساتھ ایسا اثر ثابت کریں جس میں یہ صراحت ہو کہ جس کا جمعہ فوت ہو جائے وہ صرف دو رکعت نماز جمعہ ادا کرے یعنی اکیلا ہی جمعہ پڑھ لے اور جو دلائل ظاہری صاحب نے عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ذکر کیے ہیں ان کا محاکمہ اوپر کر دیا گیا ہے کہ ان کی اسانید بھی درست نہیں اور مراد و مقصود بھی وہ نہیں ہے جو سمجھا گیا ہے۔

اشکال:

ظاہری صاحب نے نماز جمعہ فوت ہو جانے پر جمعہ ہی ادا کرنے کے بارے جو

روایت درج کی ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ اصبہان ۲/۲۰۰ میں ہے کہ ''موسیٰ بن سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس سے سوال کیا کہ اگر میرا بطحا جگہ میں رہتے ہوئے جمعہ فوت ہوجائے تو میں کتنی رکعت ادا کروں تو انہوں نے فرمایا دو رکعتیں نبی ﷺ کی سنت (یہی) ہے یہ روایت سنداً موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے جیسا کہ کتب اصطلاحات المحدثین میں صراحت موجود ہے شیخنا شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ثابت ہے۔ انتہی

ازالہ:

اولاً: یہ ظاہری صاحب کا بھی شیخ بدیع پر محض حسن ظن ہے جس کی قطعاً کوئی حقیقت نہیں اور یہ ان کے غرائب میں سے ہے۔

ثانیاً: ظاہری صاحب پر لازم ہے کہ وہ اس روایت کی سند میں محمد بن نوح بن محمد کی توثیق ثابت کریں اور احمد بن الحسین کا بادلیل تعین کریں جب تک اس روایت کے راویوں کا تعین اور توثیق ثابت نہیں کر لیتے اتنی دیر تک اس روایت کو بطور دلیل تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جس کا جمعہ فوت ہوجائے وہ اکیلا جمعہ ہی ادا کرے گا اور دو رکعت پڑھے گا ان کے پاس اس موقف پر کوئی پختہ دلیل موجود نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی بات ثابت ہے کہ جس کا جمعہ فوت ہوجائے وہ چار رکعات ادا کرے اور صحابہ میں اس بات کا مخالف کوئی ایک بھی نہیں ہے من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

یہ سطور مختصر سے وقت میں تحریر کر دی ہیں اگر ظاہری صاحب نے اس پر کچھ لکھا تو پھر اللہ کی توفیق سے مفصل جواب تحریر کریں گے۔ ان شاء اللہ

دوران سفر ادائیگی نماز

(س) گاڑی کا ڈرائیور جو ہر وقت سفر میں رہتا ہے نماز کس طرح ادا کرے؟ کسریا پوری

نماز ادا کرے؟ (حوالدار محمد اقبال ٹڈالہ سندھواں گوجرانوالہ)

ج ڈرائیور شخص جب تک گاڑی چلاتا ہے اور سفر میں رہتا ہے تو وہ مسافر ہے اور نماز قصر ادا کرے گا جب وہ اپنے گھر میں آئے گا تو پوری نماز ادا کرے گا کیونکہ یہاں پر وہ مقیم ہے اور گاڑی چلانے کے وقت وہ سفر میں ہے اور سفر کی نماز قصر ہے۔ آپ نے قصر لفظ کو "کسر" لکھا ہے یہ درست نہیں ہے۔ قصر ق ص اور راء کے ساتھ لکھا جاتا ہے جس کا معنی کم کرنا اور کسر کا معنی ہے توڑنا۔

عورت کا عید اور جمعہ کی امامت کرانا

س کیا عورت عید اور جمعہ خطبہ وامامت کے ساتھ پڑھا سکتی ہے؟

(بنت ابراہیم۔نواب شاہ سندھ)

ج عورت تین کاموں میں مردوں کی بالکل شریک نہیں۔

رسالت ونبوت۔امامت۔ولایت

اللہ تعالیٰ کی سنت متواترہ کے بعد نبی اکرم اور صحابہ کرام کی سنت سے بھی یہی چیز ثابت ہوتی ہے۔ اللہ نے کسی عورت کو علی الاطلاق نبوت ورسالت عطا نہیں فرمائیں انبیاء نے کسی عورت کو امامت وسیادت نہیں سونپی۔

عورت عورتوں کی جماعت کرواسکتی ہے۔ نماز پڑھائے گی لیکن مردوں کی طرف صف سے باہر نکل کر نہیں کھڑی ہوگی بلکہ درمیان میں کھڑی ہوگی اور احناف تو اسے بھی مکروہ کہتے ہیں اور مردوں کو پڑھانے کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سیدہ عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ فرائض اور تراویح کی جماعت کرواتی تھیں۔

ابوبکر بن شیبہ اور حاکم نے سیدنا عطا سے بیان کیا ہے کہ عائشہؓ عورتوں کی امامت کراتی تھیں اور ان کے ساتھ ہی صف میں کھڑی ہوتی تھیں۔

جس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ عورت عورتوں کی جماعت کراسکتی ہے' (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء میں ام ورقہ بن نوفل کے بارے میں بھی ایک روایت ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے انہیں عورتوں کی جماعت کروانے کا حکم دیا تھا۔لیکن وہ روایت دووجہ سے ضعیف ہے۔ایک تو اس کی سند میں ایک راویہ عن جدتہ ہے جو ''مجہولہ'' ہے دوسرا عبدالرحمٰن بن خلاد انصاری راوی قابل حجت نہیں۔

ازواج مطہراتؓ وصحابیاتؓ کے آثار سے عورتوں کی جماعت صف کے درمیان کھڑے ہوکر کرانے کی گنجائش تو ملتی ہے مگر میرے ناقص علم کی حد تک آثار سے قطع نظر سلف میں بھی کہیں بھی اس بات کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ کسی خاتون نے جمعہ یا عیدین وغیرہ پڑھائی ہوں۔لہٰذا ان کے بارے میں سوچنا یا ان کی گنجائش نکالنا تو درست نہیں ہے۔

جمعہ تو عورتوں پر ویسے بھی واجب نہیں۔اگر واجب ہوتا تو پھر سوچا جا سکتا تھا کہ واجب کی ادائیگی اگر رہ جائے تو اس کی ممکنہ صورتیں کیا ہوسکتی ہیں؟ عورتوں کا اپنا جمعہ یا کچھ اور مگر اس کی بھی ضرورت نہیں۔

بعینہٖ عیدین بھی واجب نہیں بلکہ اگر کچھ واجب ہے تو فرمایا عورتیں بھی مسلمانوں کی جماعت میں حاضری دیں نہ کہ خود سے عیدین پڑھانا شروع کردیں۔

جمعہ وعیدین کی جماعتیں دراصل مسلمانوں کی اجتماعیت کا مظہر ہیں ہمارے ہر محلّہ گلی میں جمعہ وعیدین کی جو جماعتیں مرد حضرات کی ہوتی ہیں جو کہ کھلے میدانوں میں کم از کم ہونی چاہئیں۔ یہ بھی شریعت کے منشا کے خلاف ہی معلوم ہوتی ہیں' هذا ما عندی. والعلم عندالله وعلمة اتم اكمل.

مذاہب اربعہ میں سے بھی احناف شوافع' حنابلہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت یعنی صرف فرض نماز کی جماعت بالکراہت جائز ہے۔ جب کہ مالکیہ جواز کے قائل ہیں۔تو جس جماعت کا یہ مسئلہ ہے تو جمعہ وعیدین تو اس سے بڑھ کر ہیں۔ وہ تو بالاولیٰ

جائز نہ ہوں گی۔

❁❁❁

www.KitaboSunnat.com

كتاب العيدين

نماز عید کا شرعی طریقہ

س: نماز عید کے لئے پہلی رکعت میں سات تکبیریں جب کہ دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں مشروع ہیں جبکہ دیوبندی دونوں رکعات میں تین تین تکبیریں ادا کرتے ہیں' ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمارا طریقہ صحیح احادیث کے موافق ہے' حدیث سے واضح کیجئے کہ نماز عید کے ادا کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ (ذوالفقار احمد۔ راھوالی)

ج: عید کی نماز کا شرعی طریقہ درج ذیل ہے۔

نماز عیدین باہر عید گاہ میں ادا کرنا سنت ہے' یہ نماز اذان اور تکبیر کے بغیر ادا کی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب العیدین' 888)

عید کی نماز کا وقت نماز اشراق والا ہے۔

(سنن ابی داؤد باب وقت الخروج الی العید 1135)

عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیرات کہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

(ابن ابی شیبہ 489/1)

اس کا طریقہ یہ ہے کہ وضو کرکے قبلہ رخ ہوں اور دو رکعت نماز عید کی نیت کرکے اللہ اکبر کہیں رفع یدین کرتے ہوئے ہاتھ سینے پر باندھ لیں اور جس طرح عام نماز ادا کرتے ہیں اسی طرح ادا کریں فرق صرف اس قدر ہے کہ اس نماز میں زائد تکبیریں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَبَّرَ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى سَبْعًا وَخَمْسًا سِوَى تَكْبِيْرَتَي الرُّكُوْعِ))

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں' رکوع کی دو تکبیروں کے علاوہ۔''

((ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها باب ما جاء في كم يكبر الا مام في صلاة العيدين 1280 ابو داؤد كتاب الصلاة باب التكبير في العيدين 1150 دار قطني كتاب العيدين 2/57'1710'1704 بيهقي 3/276 المسند لابن وهب ق 1/27 كتاب العيدين للفريابي باب ما روى في تكبير الامام بالصلاة في العيد وكم يكبر' 107 شرح معاني الآثار 2/399 ارواء الغليل 3/101'639 التحقيق لابن الجوزي 1/508))

یہ روایت عبد اللہ بن لہیعہ کی وجہ سے حسن ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"صدوق من السابعة خلطه بعد احتراق كتبه ورواية ابن المبارك وابن وهب عنه اعدل من غير هما وله في مسلم بعض شئي مقرون"

((تقريب ص:186))

"یہ ساتویں طبقے کا صدوق راوی ہے اسکی کتابیں جلنے کے بعد اسے اختلاط ہو گیا تھا اور عبد اللہ بن المبارک اور عبد اللہ بن وھب کی اس سے روایت دوسروں کی نسبت زیادہ انصاف پر مبنی ہے اور صحیح مسلم میں اس کی بعض روایتیں متابعت میں مروی ہیں۔"

امام ابن حبان فرماتے ہیں: یہ صالح راوی تھا لیکن ضعفاء سے تدلیس کر جاتا تھا پھر اس کی کتب جل گئیں اور ہمارے اصحاب کہتے تھے۔

"سماع من سمع منه قبل احتراق كتبه مثل العبادلة عبد الله بن وهب 'وابن المبارك 'وعبد الله بن يزيد المقرى 'وعبد الله بن مسلمه القعنبي فسماعهم صحيح"

جس راوی نے اس سے اس کی کتب جلنے سے پہلے سماع کیا اس کا سماع صحیح ہے جیسے عبادلہ یعنی عبد اللہ بن وھب 'عبد اللہ بن المبارک 'عبد اللہ یزید بن المقری اور عبد اللہ بن مسلمہ القعنبی کی روایت:

((نهاية الاغتباط بمن رمي من الرواة بالاختلاط)) (ص : 194)

اور مذکورہ روایت اس سے عبداللہ بن وھب نے ہی بیان کی ہے لہٰذا ان کی روایت اس سے قبل از اختلاط ہے اور سنن دار قطنی ۲۰۷امیں اسحاق بن عیسی کی سند میں عبداللہ بن لھیعہ کی خالد بن یزید سے تصریح بالسماع موجود ہے اور اسحاق بن عیسی کا سماع بھی عبداللہ بن لھیعہ سے قبل از اختلاط ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے:(میزان الاعتدال 477/2)

علامہ البانیؒ نے بھی عبداللہ بن لھیعہ کی خالد بن یزید عن ابن شہاب والی روایت کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے اس لئے کہ یہ اس سے عبداللہ بن وھب نے بیان کی ہے۔(ارواء الغليل 107/3'108)

امام ذھلی نے بھی اس طریق کو محفوظ قرار دیا ہے۔

(معرفة السنن والآثار للبيهقي 2/ق 107 /ب)

نوٹ: دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی سید مہدی حسن شاہ جہانپوری عبد اللہ بن لھیعہ کی توثیق امام احمد اور امام مالک سے نقل کرکے لکھتے ہیں کہ ''یہ بھی نہ ہو تو ان کی حدیث درجہ حسن سے گری ہوئی نہیں ہے چنانچہ ترمذی وغیرہ سے ظاہر ہے۔'' (مجموعہ رسائل 'ص322)

اسی طرح ابن لھیعہ سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''طریق مذکورہ کو ضعیف کہنا ضعیفوں کا کام ہے۔''

(مجموعہ رسائل 'ص323)

ہمارے زیر بحث روایت بھی ابن لھیعہ کے طریق سے ہے اور اس کے قدیم شاگردوں میں سے عبداللہ بن وھب روایت کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت صحیح ہے۔

(۲) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَبَّرَ فِيْ صَلاَةِ الْعِيْدِ سَبْعًاوَ خَمْسًا))

”بے شک نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہی ہیں۔“

((ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة والسنة فيهاباب ما جاء في كم يكبر الامام في صلاة العيدين كتاب العيدين للفريابي 135‘المنتقى لابن الجارود 262‘ابو داؤد كتاب الصلاة باب التكبير في العيدين 1151‘1152شرح معاني الآثار 399/2‘مسند احمد 180/2‘بيهقي 280/3‘دار قطني 1712‘1713‘1714‘عبد الرزاق 292/3‘5677‘ ابن ابي شيبه باب في التكبير في العيدين واختلافهم فيه 493/1‘5694‘التحقيق لابن الجوزي 508/1‘الاوسط لابن المنذر 279/4)

اس حدیث کو امام احمد امام علی ابن عبداللہ مدینی‘ امام بخاری‘ امام نووی‘ حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے۔

(التلخيص الحبير 84/2المجموع للنووي 20/5‘الفتوحات الربانية241/4)

اس کی سند میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

”صدوق يخطي ويهم“(تقريب ص:180)

امام یحی بن معین نے فرمایا: صالح‘ امام ابن عدی فرماتے ہیں:

”يروي عن عمرو بن شعيب احاديثه مستقيمة وهو ممن يكتب حديثه “امام دارقطنی فرماتے ہیں: ”طائفي يقبربه“

امام عجلی فرماتے ہیں: ”ثقة“

ابن شاہین فرماتے ہیں: ”صالح“

(تهذيب التهذيب 194/3‘الكامل لابن عدي 1485/4‘تاريخ اسماء الثقات لابن شاهين رقم 655‘معرفة الثقات للعجلي 45/2‘كتاب الثقات لابن حبان 40/7)

البتہ بعض آئمہ نے اس پر کلام بھی کیا ہے اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے

کہ اس راوی کی روایات متابعات وشواھد میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

نوٹ:

اس قسم کے رواۃ کے متعلق دیکھیں فتاوی رضویہ 179/5' 180' 184'
مطبوعہ جامعہ نظامیہ لاہور۔

(قواعد فی علوم الحدیث ظفر احمد تھانوی ' ص215 مطبوعہ کراچی ص:72تا 75)

(۳)عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَبَّرَ فِی الْعِیْدَیْنِ فِی الْاُوْلٰی سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاْۃِ وَفِی الْآخِرَۃِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاْۃِ))

"بے شک نبی ﷺ نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات اور پچھلی رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔"

(ترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی التکبیر فی العیدین 536ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها 1279صحیح ابن خزیمه 346/2'1439'138)مسند عبد بن حمید 290) الاوسط لابن المنذر 279/4دار قطنی 1715المعجم الکبیر 24/17'15الکامل لابن عدی 2079/6بیهقی 286/3شرح السنة 309/4التحقیق لابن الجوزی 508/1)

اس کی سند میں کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی متروک راوی ہے۔

(المغنی فی الضعفاء 227/2میزان الاعتدال 406/3کتاب المجروحین 221/2تقریب 285الکامل فی ضعفاء الرجال 2078/6'الجرح والتعدیل 758/7)

لیکن یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے دو شواہد کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

(۴)عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((التَّكْبِيرُ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى سَبْعُ تَكْبِيرَاتٍ وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسُ تَكْبِيرَاتٍ))

''عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور پچھلی رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔''

(سنن الدار قطنی 1716'التحقیق لابن الجوزی 59/1'818مسند حارث بن ابی اسامة 1/ق 26' /ب معانی الآثار للطحاوی)

اس کی سند میں فرج بن فضالة ضعیف راوی ہے۔

(المغنی فی الضعفاء 186/2میزان الاعتدال 343/3تقریب 'ص: 274)

(۵)طلحہ بن یحی نے کہا:

مجھے مروان نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھیجا تا کہ میں ان سے استسقاء کی سنت کے بارے پوچھوں تو انہوں نے فرمایا: نماز استسقاء کا طریقہ نماز عیدین کی طرح ہے سوائے اس بات کے رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر پلٹی ہے۔اس کا دایاں بائیں پر اور بایاں دائیں پر کر دیا اور دو رکعت از پڑھی پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور ''سبح اسم ربك الاع لی قرأت کی اور دوسری رکعت میں ''ھل اتاک حدیث الغاشیہ'' کی قرأت کی اور اس میں پانچ تکبیریں کہیں۔

(وسنن الدار قطنی کتاب الاستسقاء 1782مستدرك حاکم 326/1بیھقی 348/3 التحقیق لابن الجوزی 844'518/1'519)

اس کی سند میں محمد بن عبدالعزیز ضعیف ہے۔

(المغنی فی الضعفاء 340/1)اور اس کا باپ مجھول ھے ۔(التعلیق المغنی 66/2'67)

(۶)امام طبرانی نے المعجم الکبیر 357/10'10708)میں سلیمان بن ارقم از زھری از سعید بن المسیب از ابن عباس روایت کیا ہے کہ:

"اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم کَانَ یُکَبِّرُ فِی الْعِیْدَیْنِ اِثْنَتَا عَشَرَةَ، فِی الْاُوْلٰی سَبْعًا وَفِی الثَّانِیَةِ خَمْسًا وَکَانَ یَذْهَبُ مِنْ طَرِیْقِ وَیَرْجِعُ مَنْ اُخْرٰی"

"بے شک رسول اللہ ﷺ عیدین میں بارہ تکبیریں کہتے تھے پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ اور ایک راستے سے جاتے تھے اور دوسرے راستے سے واپس پلٹتے تھے لیکن اس کی سند میں سلیمان بن ارقم ضعیف راوی ہے۔" (مجمع الزوائد 204/2)

(۷) نافع مولی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:

"شَهِدْتُ الْاَضْحٰی وَالْفِطْرَ مَعَ اَبِی هُرَیْرَةَ فَکَبَّرَ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی سَبْعَ تَکْبِیْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاْةِ وَفِی الْاٰخِرَةِ خَمْسَ تَکْبِیْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاْةِ"

(موطا امام مالك كتاب العيدين باب ما جاء فى التكبير والقرأة فى صلاة العيدين ص162 كتاب الأمام باب التكبير فى صلاة العيدين (270/1 بيهقى 288/3 عبد الرزاق 292/3، 568 ابن ابى شيبه 494/1، كتاب العيدين للفريابى ، 112`113`114`115 109`110`111`)

"میں نماز عید الاضحیٰ اور نماز عید الفطر میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر تھا انہوں نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں قرأت سے پہلے اور پچھلی رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہیں۔"

بیہقی میں شعیب بن ابی حمزہ کی نافع سے روایت میں ہے کہ: "وھی السنۃ" یہ سنت طریقہ ہے۔ اس اثر کی سند بالکل صحیح بلکہ اصح الاسانید ہے۔

(۸) "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ "اَلتَّکْبِیْرُ فِی الْفِطْرِ یُکَبِّرُ مَرَّةً وَاحِدَةً تُفْتَحُ بِهَا الصَّلَاةُ ثُمَّ یُکَبِّرُ سِتًّا ثُمَّ یَقْرَاُ ثُمَّ یُکَبِّرُ فَیَرْکَعُ ثُمَّ یَقُوْمُ فَیُکَبِّرُ خَمْسًا ثُمَّ یَقْرَاُ ثُمَّ یُکَبِّرُ فَیَرْکَعُ" (کتاب العیدین للفریابی 128)

''عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عید الفطر کی نماز میں پہلے ایک تکبیر کہے جس کے ساتھ نماز کا افتتاح کیا جائے پھر چھ تکبیریں کہے پھر قرأت اور رکوع کرے پھر (رکعت سے فارغ ہو کر) کھڑا ہو پانچ تکبیریں کہے پھر قرأت کرے پھر تکبیر کہے اور رکوع میں چلا جائے۔''

(۸)''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ كَبَّرَ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ تَكْبِيْرَةً فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ''

''عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے عید کے دن میں 12 تکبیریں کہیں۔''

(احکام العیدین للفریابی 120 الأوسط لابن المنذر 274/4 عبد الرزاق 5676 291/3 بیہقی 289/3

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے 12 تکبیریں کئی اور طرق سے بھی مروی ہیں۔ مندرجہ بالا احادیث وآثار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیدین کی نماز میں قرأۃ سے قبل بارہ تکبیریں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے اور ان کے مطابق اہل الحدیث کا شروع سے لے کر آج تک عمل ہے۔

احناف کا موقف یہ ہے کہ نماز عید میں چھ زائد تکبیریں ہیں پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تین زائد تکبیریں ہیں ہر تکبیر میں کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے تین زائد تکبیریں کہی جائیں چوتھی تکبیر کے بعد رکوع اور باقی نماز مکمل کی جاتی ہے۔ گویا پہلی رکعت میں تکبیر افتتاح اور تین زائد تکبیریں کل چار تکبیریں گنی جاتی ہیں' اسی طرح دوسری رکعت میں تین زائد تکبیریں اور رکوع کی تکبیر شمار کر کے کل چار گنی جاتی ہیں۔ اس کے لئے ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) سعید بن العاص نے حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عیدین کی کتنی تکبیریں کہتے تھے حضرت ابو موسی نے بتایا کہ آپ چار تکبیریں کہتے تھے۔ جنازہ کی چار تکبیروں کی طرح حضرت حذیفہ نے بھی اس بات کی تصدیق کی 'ابو موسیٰ نے بتایا کہ میں خود بھی جب بصرہ کا گورنر تھا تو ایسے ہی کرتا تھا۔

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب التکبیر فی العیدین 1153 'ابن ابی شیبہ 5685'493/1' الأوسط لابن المنذر 4/277` 2166 بیهقی 289/3 شرح معانی الآثار 439/2 کتاب الزیادات باب صلوۃ العیدین کیف التکبیر فیهما)

اس روایت کی سند کمزور ہے اس میں درج ذیل علل ہیں۔ اس میں ابو عائشہ راوی مجہول ہے امام ذھبی فرماتے ہیں :''غیر معروف ''میزان الاعتدال 543/4 امام ابن حزم اور امام ابن القطان نے بھی اسے مجہول قرار دیا ہے۔ تہذیب التہذیب 395/6' امام ابن القیم نے تہذیب السنن 31/2 میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابن الجوزی فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (العلل المتناهیه 475/1) علاوہ ازیں ابو عائشہ کے سوا سے چار ثقہ راویوں نے موقوف روایت کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) علقمہ (۲) اسود (۳) عبداللہ بن قیس (۴) کردوس

علقمہ اور اسود کی روایت مصنف عبد الرزاق 293/3` 5687 عبد اللہ بن قیس کی روایت شرح معانی الآثار للطحاوی 440/2 اور کردوس کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ 5706'494/1 میں موجود ہے۔

(۲) اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن ثوبان متکلم فیہ ہے امام احمد فرماتے ہیں: ''احادیثه مناکیر لم یکن بالقوی فی الحدیث '' امام یحی بن معین ' عجلی اور ابو زرعہ رازی فرماتے ہیں ''لین'' امام نسائی نے ضعیف اور ابن حراش نے کہا'' فی

حدیثہ لین''امام ابن عدی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے جب کہ علی بن مدینی،عمرو بن علی، دحیم اور ابو حاتم نے ثقہ قرار دیا ہے۔

صالح بن محمد فرماتے ہیں:

''شامی صدوق الا ان مذهبه القدر وانكروا عليه احاديث يرويها عن ابيه عن مكحول''

یہ شامی صدوق مگر قدری ہے اور محدثین نے اس کی ان روایتوں کا انکار کیا ہے جو یہ اپنے باپ کے واسطے سے مکحول سے روایت کرتا ہے۔

(تہذیب التهذیب 346/3)

اور زیر بحث روایت اس کی اپنے باپ کے واسطے سے مکحول سے ہے لہٰذا یہ روایت مرفوعاً ضعیف نا قابل حجت ہے جب کہ مکحول خود بارہ تکبیرات کے قائل تھے۔

برد فرماتے ہیں:

''كان مكحول يقول في الصلاة في العيدين يكبر سبع تكبيرات ثم يقرأ ثم يكبر خمس تكبيرات ثم يقرأ''

(احکام العيدين للفريابي 122'ابن ابی شیبہ 5715'495/1)

''مکحول عیدین کی نماز کے بارے کہتے تھے کہ نمازی سات تکبیریں کہے پھر قرأت کرے پھر دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہے پھر قرأت کرے۔''

یہ روایت بیہقی 290/3 میں ایک اور سند سے بھی مروی ہے جس میں مکحول ابو موسیٰ کے قاصد سے روایت کرتے ہیں اور یہ قاصد مجہول ہے۔

اسی طرح مکحول عن سے روایت کرتے ہیں اور احناف کے ہاں بالخصوص ان کی عن والی روایت کمزور ہوتی ہے۔ جیسا کہ احسن الکلام وغیرہ میں موجود ہے۔

علاوہ ازیں اس کی سند میں نعیم بن حماد ہیں جن پر احناف کافی لے دے کرتے ہیں۔

امام طحاوی نے ''شرح معانی الآثار 345/4 طبع مصر اور 438/2 طبع پاکستان میں بطریق عبداللہ بن یوسف از یحیٰ بن حمزہ از الوضین بن عطاء از القاسم ابو عبد الرحمٰن از بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ روایت ذکر کی ہے کہ:

''صَلّٰی بِنَا النَّبِيُّ ﷺ یَوْمَ عِیْدٍ، فَکَبَّرَ اَرْبَعًا ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ حِیْنَ اِنْصَرَفَ فَقَالَ لَا تَنْسَوْا کَتَکْبِیْرِ الْجَنَائِزِ وَاَشَارَ بِاَصَابِعِهٖ وَقَبَضَ اِبْهَامَهٗ''

''ہمیں نبی ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی آپ نے چار چار تکبیرات کہیں پھر نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: نہ بھولنا عید کی تکبیرات جنائز کی تکبیرات کی طرح ہیں آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور اپنا انگوٹھا دبالیا۔''

یہ روایت نقل کر کے امام طحاوی حنفی فرماتے ہیں:

''ھذا حدیث حسن الاسناد و عبد الله بن یوسف و یحی بن حمزه والوضین والقاسم کلهم اهل روایة 'معروفون لصحة الروایة:''

''یہ حدیث حسن الاسناد ہے اور عبداللہ بن یوسف، یحیٰ بن حمزہ، الوضین بن عطاء اور قاسم ابو عبد الرحمٰن سب روایت کے اہل ہیں اور صحت روایت کے ساتھ معروف ہیں۔''

اس کی سند میں اگرچہ الوضین بن عطاء پر کچھ کلام کیا گیا اور ابن ترکمانی حنفی نے اس کے بارے لکھا ہے کہ ''ھو واہ'' یہ کمزور راوی ہے۔

(الجوہر النقی ۱۶۸/۲)

لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ راوی حسن الحدیث ہے جس طرح امام طحاوی

نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے اسی طرح علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ 2997 میں ذکر کیا ہے اور امام طحاوی کی تائید کی ہے۔

علاوہ ازیں آثار صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے عبدالرزاق 'ابن ابی شیبہ 'طحاوی میں موجود ہے' اس کا ذکر احناف کے دلائل کے ضمن میں پہلی دلیل کے تحت گزر چکا ہے۔

(۴) عبداللہ بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ:

"صَلّٰی بِنَا ابْنُ عَبَّاسٍ یَوْمَ عِیْدٍ' فَکَبَّرَ تِسْعَ تَکْبِیْرَاتٍ' خَمْسًا فِی الْاُوْلٰی وَاَرْبَعًا فِی الْآخِرَۃِ وَوَالٰی بَیْنَ الْقِرَاءَ تَیْنِ"

(ابن ابی شیبہ 5708'495/1'شرح معانی الاثار للطحاوی 439/2'ارواء الغلیل 111/3)

''ہمیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عید کی نماز پڑھائی انہوں نے نو تکبیریں کہیں پہلی رکعت میں پانچ اور پچھلی رکعت میں چار تکبیریں کہیں اور دونوں رکعتوں میں قرأت پے درپے کی۔''

اس کی سند بھی صحیح ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے 12 تکبیرات والی روایت پہلے گزر چکی ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کے بارے فرماتے ہیں:

"یمکن ان یقال:ان الروایات کلھا صحیحۃ عن ابن عباس وانہ کان یری التوسعۃ فی الامر وانہ یجیز کل ما صح عنہ مما ذکرنا واللہ اعلم "(ارواء الغلیل 112/3)

''ممکن ہے کہ یوں کہا جائے: بلاشبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تمام روایات صحیح ہوں اور وہ اس مسئلہ میں وسعت کے قائل

ہوں اور جو صحیح روایات ہم نے ان سے ذکر کی ہیں وہ یہ سب جائز قرار دیتے ہوں' واللہ اعلم۔"

علامہ البانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ 1263/6`1264 میں فرماتے ہیں:

"والحق ان الامر واسع فی تکبیرات العیدین فمن شاء کبر اربعا اربعا بناء علی ھذا الحدیث والاثار التی معه ومن شاء کبر سبعا فی الاولی وخمسا فی الثانیة بناء علی الحدیث المسند الذی اشار الیه البیھقی وقد جاء عن جمع من الصحابة یرتقی بمجموعھا الی درجة الصحة کما حققته فی ارواء الغلیل "(رقم' 639)

"حق بات یہ ہے کہ تکبیرات عیدین میں معاملہ وسعت والا ہے جو چاہے چار چار تکبیرات کہے اس حدیث (طحاوی) اور اس کے ساتھ آثار پر بنیاد رکھتے ہوئے اور جو چاہے پہلی رکعت میں سات اور پچھلی رکعت میں پانچ تکبیرات کہے۔ اس مستند حدیث پر بنا کرتے ہوئے جس کی طرف امام بیہقی نے اشارہ کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے اور مجموعی لحاظ سے درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے جیسا کہ میں نے ارواء الغلیل رقم الحدیث (۶۳۹) میں تحقیق کی ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

"والحق ان کل ذلك جائز فبأیھما فعل فقد ادی السنة ولا داعی للتعصب والفرقة وان کان السبع والخمس احب الی لأنه اکثر "(سلسلة الاحادیث الصحیحه 1264/6)

حق بات یہ ہے کہ تکبیرات عیدین ہر دو طرح جائز ہیں جس صورت پر بھی جس نے عمل کیا اس نے سنت کی ادائیگی کر لی' تعصب اور فرقت کا داعیہ نہیں ہونا چاہیے۔ 12 تکبیرات مجھے زیادہ پسند ہیں اس لیے کہ یہ زیادہ ہیں۔

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ تکبیرات عیدین میں اہل الحدیث اور احناف کے پاس ایسے دلائل صحیحہ موجود ہیں جو دونوں کی تائید کرتے ہیں البتہ اہل حدیث کے دلائل زیادہ اور ان کی نسبت قوی ہیں۔

ضد اور تعصب سے ہٹ کر سوچا جائے تو معاملہ وسعت پر مبنی ہے جس نے کسی بھی صورت پر عمل کر لیا اس کی نماز عید صحیح طور پر ادا ہو گی۔ اللہ تبارک وتعالی ضد اور ہٹ دھرمی سے محفوظ فرمائے اور کتاب وسنت کے صحیح دلائل کے تحت رہ کر ہر مسئلہ پر سوچ و بچار کی ہمت عطا فرمائے اور مخالفت در مخالفت سے بچائے۔ آمین

نماز عید کی تکبیرات

(س) نماز عیدین میں دو رکعتوں کے اندر کتنی زائد تکبیرات کہنی چاہئیں۔ صحیح دلائل سے راہنمائی فرمائیں۔ (ابوزید گوجرانوالہ)

(ج) دلائل صحیحہ کی رو سے قوی بات یہ ہے کہ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأۃ سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں قرأۃ سے پہلے پانچ تکبیریں ہیں۔ البتہ 6 زائد تکبیرات بھی ثابت ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم كَبَّرَ فِي الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى سَبْعًا وَخَمْسًا سِوٰى تَكْبِيْرَتَيِ الرُّكُوْعِ))

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں۔ رکوع کی دو تکبیروں کے علاوہ۔"

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوة والسنة فیها (1280) ابو داؤد کتاب الصلوة باب التکبیر فی العیدین (1150) کتاب العیدین للفریابی (107) یہ روایت عبداللہ بن لھیعہ کی وجہ سے

حسن ہے۔ ابن مبارک اور ابن وھب کی اس سے روایت دوسروں کی نسبت زیادہ انصاف پر مبنی ہے جیسا کہ تقریب ص:186 میں مرقوم ہے اور مذکورہ روایت عبداللہ بن وھب نے ہی ابن لھیعہ سے بیان کی ہے۔ امام ذھلی نے بھی اس سند کو محفوظ قرار دیا ہے جیسا کہ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی میں موجود ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "

"اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَبَّرَ فِیْ صَلٰوۃِ الْعِیْدِ سَبْعًا وَخَمْسًا"

"بے شک نبی کریم ﷺ نے عید کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہی ہیں۔"

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیہا (1278) المنتقی لابن الجارود (262) احکام العیدین للفریابی (135) اس حدیث کو امام احمد، امام علی بن مدینی، امام بخاری، امام نووی، حافظ عراقی، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہم نے صحیح قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو: التلخیص الحبیر 84/2 المجموع للنووی 20/5 الفتوحات الربانیہ 241/4 مختصر الخلافیات للبیہقی 219/2)

نافع مولی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، میں نماز عید الاضحیٰ اور نماز عید الفطر میں ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر تھا۔ انہوں نے پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں قراۃ سے پہلے کہیں۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ "وھی السنۃ" یہ سنت طریقہ ہے۔ اس اثر کی سند بالکل صحیح بلکہ اصح الاسانید میں سے ہے دیکھیں۔

(الموطا للمالک کتاب العیدین، کتاب الام للشافعی، بیہقی 288/3 مختصر الخلافیات للبیہقی 220/2)

مذکورہ بالا دلائل صحیحہ سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین میں اکثر دلائل اس بات کے مؤید ہیں کہ پہلی رکعت میں قرات سے پہلے سات اور دوسری رکعت

میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہی جائیں۔

صدقۃ الفطر کا حکم

(س) کیا صدقۃ الفطر نماز عید سے کچھ ایام پہلے نکالا جا سکتا ہے؟

(ج) نبی کریم ﷺ نے صدقۃ فطر عید کی نماز سے پہلے نکالنے کا حکم دیا ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

"فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ"

(بخاری کتاب الزکوۃ (1503) مسلم کتاب الزکاۃ (984) بحوالہ مشکوۃ المصابیح (1815)

"رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مسلمانوں کے غلام آزاد' مرد' عورت چھوٹے اور بڑے پر فرض کیا ہے اور لوگوں کو نماز عید کی طرف نکلنے سے پہلے اس کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر عید کی نماز سے پہلے نکالنا چاہئے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام عید سے ایک یا دو دن پہلے صدقہ فطر نکال دیتے تھے۔ صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب صدقۃ الفطر علی الحر والمملوک میں ہے:

"وَكَانُوْا يُعْطُوْنَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ"

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عید فطر سے ایک یا دو دن پہلے صدقہ فطر دے دیتے تھے۔"

نافع سے روایت ہے کہ:

((اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ اِلَى الَّذِىْ يَجْمَعُ عِنْدَهٗ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةٍ))(الموطا للمالك فتح الباری 376/3)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عید الفطر سے دو یا تین دن پہلے صدقہ فطر اس آدمی طرف بھیج دیتے تھے جو صدقہ جمع کرتا تھا۔''

اسی طرح ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان کی رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر جمع کرنے کی ذمہ داری لگائی اور شیطان تین راتیں مسلسل اس ڈھیر سے چوری کے لئے آتا رہا بالآخر اس نے تیسری بار آیۃ الکرسی بتا کر جان چھڑائی جیسا کہ تفصیل کے ساتھ صحیح البخاری کتاب الوکالۃ (2311) میں موجود ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"ويدل على ذلك ايضا ما أخرجه البخارى فى الوكالة وغيرها عن ابى هريرة قال وكلنى رسول الله صلى الله عليه وسلم بحفظ زكاة رمضان الحديث وفيه انه امسك الشيطان ثلاث ليال وهو ياخذ من التمر فدل على انهم كانوا يعجلونها"(فتح الباری 376/3`377)

''نماز عید سے دو تین دن پہلے صدقہ فطر نکالنے پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری نے کتاب الوکالہ وغیرھا میں ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے صدقۃ فطر کی حفاظت پر مامور فرمایا۔'' الحدیث۔

اس حدیث میں ہے کہ انہوں نے تین راتیں شیطان کو کھجوریں چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا۔ اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ صحابہ کرام صدقہ فطر نکالنے میں جلدی کرتے تھے۔ لہٰذا نماز عید سے دو تین دن پہلے

صدقہ فطرادا کرنا صحیح ودرست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

كتاب الجنائز

شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کی میت کو غسل دینا

(س) کیا شوہر اور بیوی وفات کے بعد ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں؟ یعنی شوہر اگر پہلے فوت ہو جائے بیوی اسے غسل دے سکتی ہے؟ اسی طرح کیا بیوی پہلے فوت ہو جائے تو شوہر اسے غسل دے سکتا ہے؟ کتاب و سنت کی رو سے واضح کریں؟ جزاکم اللہ خیرا (ایک سائل لاہور)

(ج) زوجین میں سے کوئی ایک پہلے وفات پا جائے تو دوسرا اسے غسل دے سکتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

"رَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْبَقِيعِ فَوَجَدَنِيْ وَاَنَا اَجِدُ صُدَاعًا فِيْ رَأْسِيْ وَاَنَا اَقُوْلُ وَارَأْسَاهُ فَقَالَ بَلْ اَنَا يَا عَائِشَةُ وَارَأْسَاهُ ثُمَّ قَالَ: مَا ضَرُّكِ لَوْمِتِّ قَبْلِيْ فَقُمْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ"

(ابن ماجه 'كتاب الجنائز :باب ماجاء في غسل الرجل امرأته و غسل المرأة زوجها: 1465 سنن الدارقطني 'كتاب الجنائز : 1809-1811 السنن الكبرى للبيهقي 'كتاب الجنائز :باب الرجل يغسل امرأته اذا ماتت :396/6۔سنن الدارمی :39/1۔مسند ابی یعلی:56/8)

"رسول اللہ ﷺ (ایک آدمی کے جنازے سے) بقیع سے واپس لوٹے۔آپ نے مجھے اس حالت میں پایا کہ میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور میں ہائے ہائے کر رہی تھی۔آپ نے فرمایا اے عائشہ! بلکہ میرے سر میں بھی درد ہو رہا ہے۔ پھر فرمایا: تجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہو گئی تو میں تجھے غسل دوں گا اور کفن پہناؤں گا اور تیرا جنازہ پڑھوں گا اور تجھے دفن کروں گا۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"لَوْ كُنْتُ اِسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا غَسَّلَ النَّبِيَّ ﷺ غَيْرُ نِسَائِهِ"

(ابن ماجه كتاب الجنائز :باب ماجاء في غسل امرأته و غسل المرأة زوجها : 1464 مسند ابي يعلى: 468/7۔مسند احمد : 267/6۔ابو داؤد ۔كتاب الجنائز :باب في ستر الميت عند غسله : 3141۔السنن الكبرى للبيهقي : 398/3مستدرك حاكم :50/3۔موارد الظمآن :2157۔شرح السنة :308/5۔مسند شافعي :211/1)

"اگر مجھے پہلے یہ بات یاد آ جاتی جو مجھے بعد میں یاد آئی ہے تو رسول اللہ ﷺ کو آپ کی بیویوں کے سوا کوئی غسل نہ دیتا۔"

قاضی شوکانی رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر والی حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

"فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلَى أَنَّ الْمَرْأَةَ يُغَسِّلُهَا زَوْجُهَا إِذَا مَاتَتْ وَهِيَ تُغَسِّلُهُ قِيَاسًا"(نيل الأوطار:31/4)

اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت جب مر جائے تو اس کو اس کا خاوند غسل دے سکتا ہے اور اس دلیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔ کیونکہ شوہر اور بیوی کا ایک پردہ ہے جس طرح مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت بھی مرد کو دیکھ سکتی ہے۔

علامہ محمد بن اسماعیل صاحب سبل السلام رحمۃ اللہ علیہ راقم ہیں:

"فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ لِلرِّجَالِ أَنْ يُغَسِّلَ زَوْجَتَهُ وَ هُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ"

(سبل السلام :742`741`/2)

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور یہی قول جمہور ائمہ محدثین رحمھم اللہ اجمعین کا ہے۔اسی طرح سیدنا ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کرتے ہیں کہ:

”أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ غَسَّلَتْ أَبَا بَكْرِ الصِّدِّيقِ حِيْنَ تُوُفِّيَ“

(الموطا للامام مالك ـ كتاب الجنائز : 133' مع ضوء السالك ـ المصنف لعبد الرزاق :410/3 الاوسط لابن منذر :335/5 ـ شرح السنة :308/5

جس وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے انہیں غسل دیا۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

”أَنَّ فَاطِمَةَ أَوْصَتْ أَنْ يُغَسِّلَهَا زَوْجُهَا عَلِيٌّ وَأَسْمَاءُ فَغَسَّلَاهَا“

(دار قطني :باب الصلاة على القبر : 1833 السنن الكبرى للبيهقي : 396/3 المصف لعبد الرزاق : 410/3 ـ شرح السنة : 309/5 ـ مسند شافعي : 211/1 ـ حلية الأولياء :43/2 في ترجمة فاطمة رضي الله عنها وإسناده حسن)

”بلاشبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ انہیں ان کا خاوند علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا غسل دیں تو ان دونوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔“

علامہ احمد حسن محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

” يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمَرْأَةَ يُغَسِّلُهَا زَوْجُهَا وَهِيَ تُغَسِّلُهُ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ لِأَنَّهُ لَمْ يُنْقَلْ مِنْ سَائِرِ الصَّحَابَةِ إِنْكَارٌ عَلَى أَسْمَاءَ وَعَلِيٍّ فَكَانَ إِجْمَاعًا“(حاشیه بلوغ المرام :105)

”یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو اس کا شوہر غسل دے سکتا ہے اور وہ اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اس لئے کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر کسی بھی صحابی کا انکار منقول نہیں تو یہ مسئلہ

اجماعی ہوا۔''

عورت کا اپنے شوہر کو غسل دینا تو سب اہل علم کے ہاں متفق علیہ ہے۔

(الاوسط لابن المنذر ٥/٣٣٤)

البتہ مرد کا اپنی بیوی کو غسل دینا مختلف فیہ ہے۔ جمہور ائمہ محدثین رحمھم اللہ اجمعین کے ہاں جائز و درست ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ امام ابو بکر محمد بن ابراہیم المعروف بابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے علقمۃ' جابر بن زید' عبد الرحمٰن بن الأسود' سلیمان بن یسار' ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن' قتادہ' حماد بن ابی سلیمان' مالک' اوزاعی' شافعی' احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ جیسے کبار ائمہ و محدثین رحمھم اللہ اجمعین سے یہی بات نقل کی ہے۔ (الاوسط :335/5` 336)

قبر پر تلقین پڑھنا

س: کیا میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر تلقین پڑھنا درست ہے؟

(مسعود احمد۔ لاہور)

ج: جب کوئی مسلمان مؤحد فوت ہو جائے تو اسے قبر میں دفن کرنے کے بعد اس کے حق میں حساب کی آسانی اور ثابت قدمی کیلئے دعا کرنا مسنون ہے۔ رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا' کئی ایک احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

''عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَسَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْئَلُ''

(ابو داؤد کتاب الجنائز باب الاستغفار عند القبر للميت فی وقت الانصراف (3221) مستدرك حاكم 370/1 بيهقی 56/4 زوائد الزهد لعبد الله بن احمد

ص:129)
اس حدیث کو حاکم و ذھبی نے صحیح کہا' امام نووی نے فرمایا اس کی سند
جید ہے۔(مجموع :292/5)
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب میت
کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس پر کھڑے ہو جاتے اور کہتے:
''اپنے بھائی کے لئے بخشش کی دعا کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال
کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جارہا ہے۔''
مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں
رقمطراز ہیں:
"فِی الْحَدِیْثِ مَشْرُوْعِیَّةُ الْإِسْتِغْفَارِ لِلْمَیِّتِ عِنْدَ الْفَرَاغِ مِنْ دَفْنِهٖ
وَسُؤَالُ التَّثْبِیْتِ لَهٗ لِأَنَّهٗ یُسْئَلُ فِی تِلْكَ الْحَالِ۔"
(عون المعبود :209/3)

''اس حدیث سے میت کیلئے اس کے دفن سے فارغ ہوتے وقت
بخشش کی دعا کرنے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور اس کے لئے
ثابت قدمی کا سوال کرنا بھی اس لئے کہ وہ اس حالت میں سوال کیا
جاتا ہے۔''

مندرجہ بالا حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اس
کے لئے اللہ تعالی سے بخشش کی دعا کرنا مسنون ہے۔ اس کے علاوہ میت کو کلمہ
شہادت اور سوال و جواب کی تلقین کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ ابوداؤد
کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں:
"فِی الْحَدِیْثِ دَلِیْلٌ عَلٰی مَشْرُوْعِیَّةِ الْإِسْتِغْفَارِ لِلْمَیِّتِ عِنْدَ الْفَرَاغِ مِنْ

دَفْـنِهٖ، وَسُؤَالُ التَّثْبِيْتِ لَهٗ، وَاَنَّ دُعَاءَ الْاَحْيَاءِ يَنْفَعُ الْاَمْوَاتَ وَلَيْسَ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلَى التَّلْقِيْنِ عِنْدَ الدَّفْنِ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ فِي الشَّافِعِيَّةِ وَلَيْسَ فِيْهِ حَـدِيْثٌ مَرْفُوْعٌ صَحِيْحٌ وَاَمَّا مَارُوِيَ فِي ذَالِكَ مِنْ حَدِيْثِ اَبِي اُمَامَةَ فَهُـوَ ضَـعِيْفٌ لَا يَـقُـوْمُ بِـهٖ حُـجَّةٌ عَـزَاهُ الْهَيْثَمِيُّ لِلطَّبْرَانِيِّ وَقَالَ: فِيْهِ جَمَاعَةٌ لَمْ اَعْرِفْهُمْ "(مرعاة المفاتيح 230/1)

''اس حدیث میں میت کے دفن سے فارغ ہونے کے وقت دعا کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال کرنا اور بلاشبہ زندوں کی دعا مردوں کو نفع دیتی ہے۔اس حدیث میں دفن کے وقت تلقین کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں جیسا کہ شافعیہ کے تلقین کی عادت ہے اور نہ ہی کوئی مرفوع صحیح حدیث تلقین کے بارے موجود ہے اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے جو روایت بیان کی گئی ہے وہ ضعیف ہے قابل حجت نہیں۔''

اس حدیث کو امام ہیثمی نے طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے:

اس میں راویوں کی ایک جماعت ہے جنہیں میں نہیں پہچانتا۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَلَـمْ يَـكُنْ يَجْلِسُ يَقْرَأُ عِنْدَ الْقَبْرِ وَلَا يُلَقِّنُ الْمَيِّتَ كَمَا يَفْعَلُهُ النَّاسَ الْيَوْمَ۔"

''آپ ﷺ قبر کے پاس قرأت کے لیے نہیں بیٹھتے تھے اور نہ ہی میت کو تلقین کرتے تھے جیسا کہ لوگ آج کرتے ہیں۔''

اس سلسلہ میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ سعید بن عبداللہ الاودی نے کہا: میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا وہ حالت نزع میں تھے انہوں نے فرمایا: جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ

ایسا معاملہ اختیار کرنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا۔ آپ نے فرمایا:

"جب تمہارا کوئی بھائی مر جائے تم اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تو تم میں سے کوئی ایک اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو جائے پھر کہے اے فلاں ابن فلانہ۔ وہ سن رہا ہوتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا پھر کہے اے فلاں ابن فلانہ 'تو وہ اٹھ کر برابر بیٹھ جاتا ہے پھر کہے اے فلاں ابن فلانہ تو وہ کہتا ہے ہماری راہنمائی کرو اللہ تیرے اوپر رحم کرے لیکن تم سمجھتے نہیں پھر کہے وہ بات یاد کر جس پر تو دنیا سے گیا تھا یعنی "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت اور اسے کہا جائے بے شک تو اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد ﷺ کے نبی ہونے پر اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا اس لئے کہ منکر و نکیر میں سے ہر ایک اس کا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں آ میرے ساتھ چل ہم اس کے پاس نہیں بیٹھیں گے۔

جسے اس کی دلیل و حجت و تلقین کی گئی تو پھر ان دونوں کے ماوراء اللہ تعالیٰ اس کا حج بن جاتا ہے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! اگر اس کی ماں کو نہ جانتا ہو تو پھر آپ نے فرمایا اس کو حواء کی طرف منسوب کر کے کہے اے فلاں ابن حواء۔

اس روایت کے نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

"روه الطبراني في الكبير وفي اسناده جماعة لم اعرفهم"

"اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں راویوں کی ایک جماعت ہے جنہیں میں نہیں پہچانتا۔"

(مجمع الزوائد باب تلقين الميت بعد دفنه 48/3)

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فهذا حديث لا يصح رفعه"

یہ حدیث مرفوعا صحیح نہیں۔ (زاد المعاد 523/1)

علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَيَتَحَصَّلُ مِنْ كَلَامِ اَئِمَّةِ التَّحْقِيقِ اَنَّهٗ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ وَالْعَمَلُ بِهٖ بِدْعَةٌ وَلَا يُغْتَرَ بِكَثْرَةِ مَنْ يُفْعَلُهٗ "(سبل السلام2/773)

ائمہ محققین کے کلام سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر عمل بدعت ہے اور ان لوگوں کی کثرت سے دھوکا مت کھائیں جو یہ کرتے ہیں۔ امام نووی نے (المجموع شرح المھذب 304/5) میں اسے ضعیف کہا ہے اور امام ابن الصلاح نے فرمایا اس کی سند قائم نہیں۔ اسی طرح حافظ عراقی نے احیاء علوم الدین کی تخریج 420/4 میں اسے ضعیف کہا ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ 64/2(599) میں اسے منکر قرار دیا ہے۔

ابن حجر عسقلانی کا التلخیص الحبیر 135/2' 136 میں اس کی سند کو صالح قرار دینا اور بلوغ المرام (576) میں سکوت محل نظر ہے۔

کیونکہ جب اس کے رواۃ نامعلوم ہیں تو سند کا صالح ہونا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس طرح امام نووی' ابن الصلاح' حافظ عراقی اور علامہ ابن القیم کی تضعیف حافظ ابن حجر پر مقدم ہے' اس روایت کی مزید تفصیل سلسلہ ضعیفہ میں دیکھیں:

زاد المعاد کے حاشیہ میں یہ بات مذکور ہے کہ: "اس روایت کو تخریج کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے "امالی الاذکار" میں فرمایا ہے جیسا کہ ابن علان نے "الفتوحات الربانیہ 196/4" میں ذکر کیا ہے کہ یہ حدث غریب ہے اور حدیث کی سند دو طریقوں سے انتہائی ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

اسی طرح تلقین کے لئے اس روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہ اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے اور مفصل طور پر صحیح ابن حبان میں

موجود ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی کہ اس سے مراد قریب المرگ شخص کو لاالہ الا اللہ کی تلقین کرنا' تاکہ اس کی موت کلمہ توحید پر آئے۔ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عِنْدَ الْمَوْتِ دَخَلَ الْجَنَّةَ يَوْمًا مِّنَ الدَّهْرِ وَإِنْ أَصَابَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ مَا أَصَابَهُ"

(صحیح ابن حبان 'موارد 719)

''اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو جس کا آخری کلام موت کے وقت لا الہ الا اللہ ہوا وہ ایک دن زمانے سے جنت میں داخل ہو گا۔ اگرچہ اس کو اس سے قبل جو مصیبت پہنچتی ہو گی پہنچے گی۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ لقنوا موتا کم والی حدیث کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اس کے مرنے کے بعد اسے دفن کر کے لا الہ الا اللہ کی تلقین کی جائے بلکہ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب انسان قریب المرگ ہو تو اسے لا الہ الا اللہ پڑھنے کو کہا جائے تاکہ اس کے جنت میں داخل ہونے کا سبب و ذریعہ بن جائے۔ اس حدیث کے اور شواہد بھی موجود ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے عمل سے بھی قریب المرگ آدمی کو لا الہ الا اللہ کہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنی النجار کے ایک آدمی کی عیادت کے لئے گئے تو آپ نے اسے کہا لا الہ الا اللہ کہو اس نے کہا کیا لا الہ الا اللہ کہنا میرے لئے بہتر ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

(مسند احمد 152/3 '154 '268' یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے)

مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَأَمَّا قَوْلُهُ ﷺ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَالْمُرَادُ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا عِنْدَ دَفْنِ الْمَيِّتِ "(مرعاۃ المفاتیح :230/1)

"نبی کریم ﷺ کے فرمان اپنے مرنے والوں کو لاالہ الا اللہ کی تلقین کرو کا مطلب موت کے وقت ہے نہ کہ میت کو دفن کرنے کے وقت۔"

اس لئے کہ لا الہ الا اللہ کو جانتے ہوئے دنیا سے گیا تو جنت میں داخل ہو گیا' مرنے کے بعد لا الہ الا اللہ کی تلقین مفید نہ ہو گی۔ مندرجہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد میت کو دفن کر کے قبر پر تلقین کا ثبوت کسی بھی صحیح حدیث سے نہیں ملتا۔ شوافع کے ہاں جو اس کو مستحب کہا گیا ہے اس کی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہمارے ہاں جو لوگ قبر پر تلقین کرتے ہیں یہ حنفی ہیں اور حنفی مذہب میں اس کا کوئی جواز نہیں۔

(۱) فتاوی عالمگیر میں ہے:

"وصورة التلقين ان يقال عنده فى حالة النزع قبل الغرغرة جهرا وهو يسمع اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله ولا يقال له قل......واما التلقين بعد الموت فلا يلقن عندنا فى ظاهر الرواية كذا فى العينى شرح الهدايه ومعراج الدراية ۔"

(عالمگیر 157/1)

"تلقین کی صورت یہ ہے کہ حال نزع کے وقت موت کے غرغرے سے پہلے اونچی آواز میں اس کے پاس کہا جائے جسے وہ سن لے۔" اشهد ان لاالہ الا اللہ واشهد ان محمد ارسول اللہ" اور اسے یہ نہ کہا جائے کہ کلمہ کہہ۔ اور جو تلقین موت کے بعد ہوتی ہے ہمارے نزدیک ظاہر الروایۃ وہ نہ کی جائے جیسا کہ عینی شرح الہدایہ اور معراج الدرایہ میں ہے۔"

(۲)......فقہ حنفی کی معتبر کتاب الہدایہ میں ہے۔

"ولقن الشهادتين لقوله ﷺ "لقنوا موتا كم شهادة ان لا اله الا الله" (الهدايه كتاب الصلاة باب الجنائزص۔88/1 مطبوعه بيروت)

قریب المرگ کو شہادتین کی تلقین کی جائے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو اس حدیث میں موتی سے مراد وہ آدمی ہے جو موت کے قریب ہو۔

(۳) اس کی شرح میں العنایہ شرح الھدایہ میں ہے۔

"والمراد الذی قرب من الموت دفع لوهم من يتوهم ان المراد به قرأة التلقين على القبر كما ذهب اليه بعض"

(العنايه على هاش فتح القدير 68/2)

"اس حدیث کی شرح میں صاحب ھدایہ نے جو قریب المرگ مراد لیا ہے یہ اس شخص کے وھم کو دفع کرنے کے لئے ہے جس نے اس سے مراد قبر پر تلقین لی ہے جیسا کہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں۔"

(۴) شیخ داماد آفندی حنفی راقم ہیں:

"وقال اكثر الأئمة والمشايخ لايحوز"

"اکثر ائمہ و مشائخ نے کہا ہے کہ تلقین جائز نہیں۔"

(مجمع الانهر شرح ملتقى الابهر 264/1)

(۵) علامہ العلاء الحصکفی حنفی لکھتے ہیں:

"ويلقن كلمة الشهادة قبل الغرغرة من غير امر ولا يلقن بعد الموت"

"موت کا غرغرہ آنے سے پہلے حکم دیے بغیر کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے موت کے بعد تلقین نہ کی جائے" (الدرر المنتقى فى شرح الملتقى ۔264/1)

(٦) علامہ علاء الدین الکاسانی الحنفی لکھتے ہیں:

”ویلقن کلمة الشهادة لقول النبی ﷺ لقنوا موتا کم لا اله الاالله والمراد من المیت المحتضر لأنه قرب موته فسمی میتا لقربه من الموت قال الله تعالی ـ“انك میت وانهم میتون“

(الزمر :30۔بدائع الصنائع 443/1)

”قریب المرگ کو کلمہ شہادت کی تلقین نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے کی جائے کہ اپنے مرنے والوں کو لا الہ الااللہ کی تلقین کرو۔ میت سے مراد یہاں وہ شخص ہے جس پر جان کنی کا وقت ہو اس لئے کہ اس کی موت قریب ہے اسے میت قریب الموت ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔“

جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:”بے شک آپ بھی میت ہیں اور یہ بھی میت ہے۔“اس آیت میں بھی آپ ﷺ کی زند گی میں آپ کو میت کہا کیونکہ موت بالکل قریب تھی۔

(۷)علامہ عینی حنفی تلقین موتی کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”لأن المقصود من ذلك أن یکون آخر کلام المیت کلمة الشهادة فالتلقین فی قبره لا یساعده المقصود وقد قال علیه السلام من کان آخر کلامه قول لا اله الاالله دخل الجنة......وأما التلقین بعد الموت فلا یلقن عند نا فی ظاهر الروایة ـ“

(البنایة فی شرح الهدایة 207/3`208)

اس تلقین سے مقصود میت کا آخری کلام کلمہ شہادت ہو قبر کے اوپر تلقین کرنے سے مقصود حاصل نہیں ہوتا'اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو اوہ جنت میں داخل ہو گیا۔ یہ تلقین مرنے کے بعد ہوتی ہے وہ ہمارے نزدیک ظاہر الروایۃ میں جائز نہیں۔

(۸) شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امـاتلقین میت بعد از موت پس دراں اقاویل علماء است در ظاهر روایت آن است که تلقین نه کنند۔"(مسائل اربعین ص:41)

"موت کے بعد میت کو تلقین کرنے میں علماء کے کئی اقوال ہیں ظاہر روایت کے مطابق تلقین نہ کی جائے۔"

(۹) صاحب الفتاوی السراجیہ راقم ہیں:

"تلقین المیت عند اکثر مشائخنا رحمهم الله لیس بشیء۔"(فتاوی سراجیہ ص:24)

"میت کو تلقین کرنا ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک کچھ نہیں۔"

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کتاب وسنت کی رو سے فقہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ کے اعتبار سے تلقین میت کا کوئی ثبوت نہیں جو لوگ اس پر عمل پیرا ہیں وہ اپنے مذہب سے بھی غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین

قبر پر نماز جنازہ

س: محترم ربانی صاحب آپ کی کتاب (آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں) جلد دوم صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۲ پر ایک مسئلہ "قبر پر نماز جنازہ" کے عنوان سے درج ہے۔ ص ۲۴۲ پر آپ نے لکھا ہے "قبر پر نماز جنازہ ادا کرنا بالکل صحیح و درست ہے اور اس کا نسخ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں" محترم میں آپ کے اس دعوے سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ اس کا نسخ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"نَهٰى اَنْ يُّصَلّٰى عَلَى الْجَنَائِزِ بَيْنَ الْقُبُوْرِ"

(رواه ابن الاعرابی فی معجمه والطبرانی فی الاوسط واسناده حسن احکام الجنائز للالبانی ص108)

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھے۔ اس حدیث سے قبر پر نماز جنازہ کی ممانعت کا حکم مل رہا ہے جو کہ فعلی ہے جب کہ درج بالا حدیث قولی ہے۔ قولی حدیث فعلی حدیث کے مقابلے میں قبول کی جائے گی۔ پھر بھی اگر مزید غور کیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور حدیث سے بھی اس کا ثبوت مل رہا ہے۔ فرمایا "یہ قبریں اپنے اہل پر اندھیروں سے بھری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالی میری نماز کی برکت سے ان پر ان کی قبروں کو روشن کر دیتا ہے" (صحیح مسلم رقم 956/2)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی نماز سے قبریں روشن ہوتی تھیں۔ اس لئے آپ نے پڑھی جیسا کہ ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے دو قبروں پر ایک درخت کی ٹہنی لگائی اور کہا کہ جب تک یہ سرسبز رہے گی ان کے عذاب میں کمی ہوتی رہے گی۔ (حوالہ یاد نہیں) اب ہم خود تو کسی قبر پر پھول پتے نہیں لگا سکتے چونکہ یہ نبی اکرم ﷺ کا خاصہ تھا ایسے ہی قبر پر نماز پڑھنا بھی آپ کا خاصہ اور معجزہ تھا۔ جس سے قبریں منور ہو جاتی تھیں۔ اور اپنی امت کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا۔ محترم یہ ہیں وہ دلائل جن کی بناء پر میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔

محترم اگر مؤقف غلط ہے تو آپ سے بصد احترم گذارش کرتا ہوں کہ دلائل کے ساتھ میری اصلاح فرمائیں۔ میں ان شاء اللہ اپنی غلطی تسلیم کرلوں گا۔ (سلیم اختر کراچی)

ج آپ کا خط موصول ہوا جواب میں تاخیر پر معذرت خواہ ہوں۔ انتہائی مصروفیات میں سے وقت نکال کر آپ کے خط کا جواب بعون اللہ تبارک وتعالی وتوفیقہ جواب تحریر کر رہا ہوں۔ آپ نے میری کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں" جلد دوم ص ۲۴۳ تا ۲۴۲ پر مرقوم مسئلہ "قبر پر نماز جنازہ" کے بارے لکھا کہ "قبر پر نماز جنازہ بالکل صحیح و درست ہے اور اس کا نسخ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں پھر آپ نے فرمایا: محترم میں اپ کے اس دعوے سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ اس کا نسخ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"نَهٰی اَنْ يُّصَلّٰی عَلَی الْجَنَائِزِ بَيْنَ الْقُبُوْرِ رَوَاهُ ابن الاعرابی فی معجمه والطبرانی فی الاوسط واسناده حسن"

(احکام الجنائز للالبانی ص108)

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھے آپ کا جواب دعوی کئی لحاظ سے درست نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث چار راویوں نے ذکر کی ہے:

(۱)ثمامہ (مسند بزار (443 کشف الاستار للهیثمی)

(۲)حسن بصری (ابن حبان 'موارد الظمآن 343`344 مسند ابی یعلی 175/5 ابن الاعرابی (2334)

(۳)عاصم (مسند بزار (کشف الاستار (441 للهیثمی)

(٤)محمد بن سیرین (طبرانی اوسط 293/6 'ابن الاعرابی (2330)

اس روایت میں "علی الجنائز" کی زیادت صرف ابن سیرین والی سند میں ہے اور یہ الحسین بن یزید الطحان الکوفی کی وجہ سے ضعیف ہے امام ابو حاتم رازی نے اسے لین الحدیث قرار دیا ہے۔ دیکھیں

(الجرح والتعدیل 67/3'تقریب ص75'الکاشف 337/2)

اور یہ بھی یاد رہے کہ محدثین نے ناسخ کی شرط میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ منسوخ سے اقوی ہو۔ امام ابن الجوزی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"ولو صح ذلك لم تصح دعوى النسخ لان من شرط الناسخ ان يكون اقوى من المنسوخ"

(نصب الرایہ 392/1'التحقیق فی اختلاف الحدیث 278/1)

آپ کی پیش کردہ روایت صحیحین کی روایت سے اقوی تو کجا صحیح بھی نہیں۔

امام ابن الجوزی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں"الضعيف لا ينسخ القوى" (نصب الرایہ 88/1)ضعیف قوی کو منسوخ نہیں کرتی۔

لہٰذا آپ کی پیش کردہ روایت کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر بھی دعوی نسخ باطل ہے۔

نوٹ: کتاب المعجم لابن الاعرابی کا جو نسخہ محمود محمد نصار اور السید یوسف احمد کی تحقیق سے طبع ہوا ہے اس میں ''علی الجنائز'' کی زیادتی نہیں۔

(۲)شرائط نسخ میں سے یہ بات بھی ہے کہ ناسخ مؤخر ہو اور منسوخ مقدم۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ:

(لا يصار الى النسخ إلا اذا علم التاريخ وتعذر الجمع)(فتح الباری 341/1`181/3'

بحوالہ توجیہ القاری ص95)

امام ابو بکر محمد بن موسیٰ الحازمی فرماتے ہیں:

((ومنها ان يكون الخطاب الناسخ متراخيا عن المنسوخ ......))

(کتاب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار ص9)

لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنی پیش کردہ روایت کو صحیح ثابت کرنے کے ساتھ اس کا تاخر بھی ثابت کریں ورنہ آپ کا دعوی نسخ ثابت نہیں ہو گا۔

(۳) ناسخ و منسوخ پر مرتب شدہ کتب میں سے کسی کتاب میں اس کو ذکر نہیں کیا گیا اگر آپ کے علم میں ہو تو ضرور راہنمائی فرمائیں کہ فلاں محدث کی ناسخ و منسوخ پر فلاں کتاب میں اسے منسوخ قرار دیا گیا ہے۔

(۴) انس رضی اللہ عنہ سے ہی قبر پر جنازہ پڑھنے کی صحیح حدیث موجود ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیں: (آپ کے مسائل اور ان کا حل 239/2)

پھر آپ نے تحریر فرمایا "آپ کی پیش کردہ احادیث سے جواز کا ثبوت مل رہا ہے جو کہ فعلی ہے جب کہ درج بالا حدیث قولی ہے قولی حدیث فعلی حدیث کے مقابلے میں قبول کی جائے گی (ص 1)

محترم آپ کی یہ بات بھی محل نظر ہے۔

(۱) پہلے آپ نے دعوی نسخ کیا اور یہاں جو وجہ ذکر کر رہے ہیں یہ وجہ نسخ نہیں بلکہ وجہ ترجیح ہے جس سے آپ کا دعوی نسخ مردود ہوا۔

(۲) جب یہ روایت ضعیف ہے تو صحیح کے مقابلہ میں قبول نہیں ہو گی۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر مزید غور کیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے پھر آپ نے

((ان هذه القبور مملوئة ظلمة على اهلها وان الله ينورها عليهم بصلاتي)) والی حدیث کا ذکر کیا ہے۔

آپ کا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ قبر پر جنازہ ادا کرنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے درست نہیں کیونکہ اگر یہ آپ کی خصوصیت ہوتی تو جن صحابہ کرام نے آپ کے ساتھ قبر پر جنازہ پڑھا تھا آپ انہیں منع فرما دیتے کہ یہ آپ کے لئے جائز نہیں۔ حالانکہ مسجد میں جھاڑو دینے والی یا والا جب فوت ہو گیا تو صحابہ کرام نے اسے عام آدمی سمجھ کر جنازہ پڑھا کر دفنا دیا اور جب آپ کو بتایا گیا تو پھر انہوں نے آپ کی اقتداء میں بھی جنازہ قبر پر ادا کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں جھاڑو دینے والے شخص کے جنازے والی حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں: زاد ابن حبان فی روایة حماد بن سلمة عن ثابت:

"ثم قال ان هذه القبور مملوءة ظلمة على اهلها وان الله ينورها عليهم بصلاتي وأشار الى ان بعض المخالفين احتج بهذه الزيادة على أن تلك من خصائصه ﷺ ثم ساق من طريق خارجة بن زيد بن ثابت نحو هذه القصة وفيها ثم أتى القبر فصففنا خلفه وكبر عليه أربعا قال ابن حبان فی ترك انكاره ﷺ على من صلى معه على القبر بيان جواز ذالك لغيره وأنه ليس من خصائصه "(فتح الباری 305/3)

"ابن حبان نے حماد بن سلمہ از ثابت والی روایت میں یہ اضافہ ذکر کیا ہے کہ "پھر آپ نے فرمایا بلا شبہ یہ قبریں اپنے اہل پر اندھیروں سے بھری ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ میری نماز کی وجہ سے ان پر روشنی کر دیتا ہے۔ ابن حبان نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض مخالفین نے اس زیادت سے اس بات پر حجت پکڑی ہے کہ قبر پر جنازہ ادا کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے پھر ابن حبان نے خارجہ بن زید بن ثابت کے طریق سے اسی طرح کا قصہ بیان کیا ہے اور اس حدیث میں ہے "پھر آپ قبر پر آئے ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی آپ ﷺ کا انکار کو ترک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قبر پر جنازہ آپ کے علاوہ دیگر حضرات کے لئے بھی جائز ہے۔"

امام ابن حبان اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

"قد يتوهم غير المتبحر في صناعة العلم أن الصلاة على القبر غير جائزة للفظة التي في خبر أبي هريرة: فان الله ينورها عليهم رحمة

بصلاتی واللفظة التی فی خبر زید بن ثابت فان صلاتی علیهم رحمة ولیست العلة ما یتوهم المتوهمون فیه ان اباحة هذه السنة للمصطفی صلی الله علیه وسلم خاص دون ائمة اذلو کان ذالك لا مرهم عن أن یصطفوا خلفه ویصلوا معه علی القبر ففی ترك انکاره ﷺ علی من صلی معه علی القبر أبین البیان لمن وفقه الله للرشاد والسداد أنه فعل مباح له ولأمته دون أن یکون ذلك بالفعل لهم دون أمته"(صحیح ابن حبان6/35`36)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح سے معلوم ہوا کہ قبر پر جنازہ ادا کرنا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت نہیں بلکہ امت کے لئے بھی مباح و جائز ہے جس نے مذکورہ حدیث سے آپ کی خصوصیت مراد لی ہے وہ علم حدیث میں ماہر نہیں ہے۔ اگر امت کے لئے جائز نہ ہوتا تو آپ کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم جنازہ ادا کرنے کے لئے کھڑے نہ ہوتے۔ بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی صحابہ کرام سے اس کا ثبوت موجود ہے۔ آثار صحابہ کے لئے دیکھیں:

"ابن ابی شیبہ رقم الباب (162)فی المیت یصلی علیه بعد ما دفن من فعله 41/3`42مطبوعہ دارالتاج بیروت اور الاوسط لابن المنذر باب ذکر الصلاة علی القبر (80)5/411-413وغیرهما)

حدیث کے الفاظ سے آپ کا استدلال بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ زکوۃ و صدقات کی وصولی صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾(التوبة :103)

''آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیں جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک وصاف کر دیں اور ان کے لئے دعا کر دیں بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے سکون کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔''

جب آپ کی صلاۃ زکوۃ وصدقات دینے والوں کے لئے سکون کا موجب ہے کسی اور کے لئے یہ خصوصیت نہیں لھذا صدقہ وصول کرنا آپ کی خصوصیت ٹھہرا جیسا کہ آپ کی صلاۃ سے قبر روشن ہوتی ہے تو قبر پر جنازہ ادا کرنا آپ کی خصوصیت ہوا۔ ''فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا''

اسی طرح قبر پر ٹہنی گاڑنے والی حدیث سے آپ کا استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں عذاب قبر کی خبر دی گئی ہے۔ جو کہ صاحب وحی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا پھر آپ کے ایک صحابی سے اس بات کی وصیت منقول ہے کہ میری قبر پر دو شاخیں لگا دینا امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب الجریدۃ علی القبر میں نقل کیا ہے کہ:

''وَاَوْصٰی بُرَيْدَةُ الْأَسْلَمِيُّ اَنْ يَّجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيْدَتَانِ''

''بریدہ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں لگا دی جائیں۔''

لہٰذا آپ کے پیش کردہ دلائل میں اتنا وزن نہیں کہ صحیح احادیث کا معارضہ کر سکیں۔ صحیح موقف وہی ہے جسے میں نے اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واکمل

میت کو قبر میں اتارنے کا طریقہ

(س) میت کو قبر میں کیسے اتارا جائے؟ نیز میت کو اتارتے وقت بسم اللہ وعلی

ملتہ رسول اللہ کی کیا حیثیت ہے۔(ابو ہاشم۔لاہور)

ج میت کو جس وقت قبر میں اتارنا ہو تو سنت یہ ہے کہ پاؤں کی جانب سے اتارا جائے۔ابو اسحاق سے روایت ہے کہ:

"أَوْصَى الْحَارِثُ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ فَصَلَّى عَلَيْهِ ثُمَّ أَدْخَلَهُ الْقَبْرَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَي الْقَبْرِ وَقَالَ هٰذَا مِنَ السُّنَّةِ"

(سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب فی المیت یدخل من قبل رجلیه (3211)بیهقی 54/4ابن ابی شیبه مطبوعه هند 328/3)

"حارث نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ پڑھائیں۔انہوں نے اس کا جنازہ پڑھا۔پھر ان کو قبر میں پاؤں کی طرف سے داخل کیا اور فرمایا:یہ سنت میں سے ہے۔"

امام بیہقی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

"هذا اسناد صحيح وقد قال هذا من السنة فصار كالمسند"

یہ سند صحیح ہے مزید کہا:یہ سنت میں سے ہے۔اور مسند حدیث کی طرح ہے۔
صحابی رسول کا کسی امر کے بارے میں یوں کہنا کہ یہ سنت میں سے ہے' اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی ہی سنت ہوتی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

"واصحاب النبی ﷺ لایقولون :السنة الا لسنة رسول الله ﷺ انشاء الله"

"نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کا لفظ صرف سنت رسول پر ہی بولتے ہیں۔ان شاء اللہ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد دوم ص:245)

امام محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ:

"كُنْتُ مَعَ اَنَسٍ فِي جَنَازَةٍ فَاَمَرَ بِالْمَيِّتِ فَاُدْخِلَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ"

(ابن ابی شیبہ 327/3 مطبوعہ ھند مسند احمد 429/1)

"میں ایک جنازہ میں انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا انہوں نے میت کے متعلق حکم دیا وہ پاؤں کی جانب سے قبر میں داخل کی گئی۔"

عمرو بن مہاجر سے روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیز کا جب بیٹا فوت ہوا تو انہوں نے بھی پاؤں کی طرف سے قبر میں داخل کرنے کا حکم دیا۔

(ابن ابی شیبہ 328/3)

سنن ابن ماجہ (1552) میں ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قبلہ کی طرف سے قبر مبارک میں رکھا گیا لیکن یہ روایت عطیہ عوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مندرجہ بالا آثار صحیحہ سے معلوم ہوا کہ میت کو قبر میں پاؤں کی جانب سے اتارنا مسنون ہے اور میت کو قبر میں اتارتے وقت: "بسم الله وعلى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم یا بسم الله وعلى ملة رسول الله" پڑھنا بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے مردوں کو قبروں میں اتارو تو کہو۔ بسم اللہ وعلی سنۃ (اور ایک روایت میں ملۃ) رسول اللہ۔

(سنن ابو داؤد کتاب الجنائز باب فی الدعا للمیت اذا وضع فی قبرہ (3213) ابن ماجہ (1550) ترمذی (1046 صحیح ابن حبان (773) المستدرك للحاكم (366/1 بیہقی 55/4 المنتقی لابن الجارود (548) اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور امام حاکم و امام ذہبی نے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ مسند احمد 27/2`40`59`69 مسند عبد بن حمید (816) عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (1088) مسند ابی یعلی (5755)

اس حدیث کا ایک صحیح شاہد البیاضی رضی اللہ عنہ سے المستدرک للحاکم 366/1 میں موجود ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

"اَلْمَيِّتُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهٖ فَلْيَقُلِ الَّذِيْنَ يَضَعُوْنَهٗ حِيْنَ يُوْضَعُ فِي اللَّحَدِ: بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"

"جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو اس کو لحد میں رکھتے وقت رکھنے والے کہیں۔"

"بسم اللہ وباللہ وعلی ملة رسول اللہ ﷺ"

لہٰذا یہ کلمات کہنا صحیح حدیث کی رو سے مسنون ہیں۔

غروب آفتاب کے قریب نماز جنازہ کا حکم

س: جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو تو کیا اس وقت نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے؟ کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں۔ (ایک سائل: پتوکی)

ج: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ أَوْ أَنْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشمسُ وحين تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ))

(صحیح مسلم کتاب صلوة المسافرین باب الاوقات التی نہی عن الصلوة فیہا (۸۳۱/۲۹۳)ابو داؤد(۳۱۹۲)نسائی (۵۵۹،۵٦٤،۲۰۱۲/۲۰۱۲)/ترمذی (۱۰۳۰)ابن ماجہ ۱۵۱۹ مسند ابو عوانہ ۳۸٦/۱ بیہقی ۳۲/٤ مسند طیالسی(۱۰۰۱)مسند احمد ۱۵۲/٤)

"تین اوقات میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھنے اور مردے دفن کرنے سے منع کیا ہے جب سورج واضح طور پر طلوع ہو رہا ہو

یہاں تک کہ بلند ہو جائے جب دوپہر کے وقت عین سر پر ہو حتی کہ غروب جائے اور جس وقت غروب ہونے کے لئے مائل ہو رہا ہو حتی کہ غروب ہو جائے۔"

بیہقی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ علی بن رباح کہتے ہیں میں نے عقبہ رضی اللہ عنہ سے کہا کیا رات کو دفن کیا جا سکتا ہے۔ تو انہوں نے کہا ہاں ابو بکر رضی اللہ عنہ رات کے وقت دفن کئے گئے۔ یہ حدیث اپنے عموم کی بنا پر نماز جنازہ کو بھی شامل ہے اس لئے کہ وہ بھی صلاۃ (نماز) ہے۔ امام مالک' امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمھم اللہ اجمعین کا بھی یہی قول ہے علامہ البانی فرماتے ہیں:

((ولا تجوز الصلوة على الجنازة فى الاوقات الثلاثة التى تحرم الصلوة فيها الا لضرورة لحديث عقبة بن عامر رضى الله عنه))

(احكام الجنائز ص:١٦٥)

"جن تین اوقات میں نماز ادا کرنا حرام ہے ان میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں سوائے ضرورت کے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا فہم بھی اس مسئلہ میں یہی تھا۔"

محمد بن ابی حرملہ کہتے ہیں:

((ان زينب بنت ابى سلمة توفيت وطارق امير المدينة فاتى بجنازتها بعد صلاة الصبح فوضعت بالبقيع قال وكان طارق يغلس بالصبح قال ابن ابى حرملة فسمعت عبد الله بن عمر يقول لاهلها اما ان تصلوا على جنازتكم الان واما ان تتركوها حتى ترتفع الشمس))

(بيهقى كتاب الجنائز باب من كره الصلوة والقبر فى الساعات الثلاث ٣٢/٤ الموطا كتاب الجنائز ص١٨٨ مترجم)

”زینب بنت ابی سلمۃ فوت ہو گئیں اور اس زمانے میں مدینہ کے حاکم طارق تھے۔ نماز صبح کے بعد ان کا جنازہ لایا گیا۔ اور بقیع میں رکھا گیا اور طارق صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھاتے تھے ابن ابی حرملۃ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سنا وہ زینب کے گھروالوں سے کہتے تھے 'یا تو تم نماز جنازہ اب پڑھ لو یا اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے۔“

امام مالک نے اسی باب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

((يُصَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ اِذَا صُلِّيَتَا لِوَقْتِهِمَا))

(الاوسط لابن المنذر)

نماز جنازہ عصر کے بعد اور صبح کے بعد پڑھی جائے جب یہ دونوں نمازیں اپنے وقت میں پڑھی جائیں یعنی صبح اندھیرے میں پڑھی جائے اور عصر آفتاب زرد ہونے سے پہلے پڑھی جائے زیاد کو علی رضی اللہ عنہ نے خبر دی:

((وَاَنَّ جَنَازَةً وُضِعَتْ فِيْ مَقْبَرَةِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ حِيْنَ اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهَا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَمَرَ اَبُوْ بَرْزَةَ الْمُنَادِيْ فَنَادٰى بِالصَّلٰوةِ ثُمَّ اَقَامَهَا فَتَقَدَّمَ اَبُوْ بَرْزَةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الْمَغْرِبَ وَفِي النَّاسِ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَ اَبو برزَةَ من الانصار من اصحاب النبي ﷺ ثم صلوا على الجنازة))(بیهقی: ٤/٣٢)

”اھل بصرہ کے قبرستان میں سورج کے زرد ہونے کے وقت ایک جنازہ رکھا گیا اس پر جنازہ نہیں پڑھا گیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا ابو برزۃ رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو حکم دیا کہ وہ نماز کے لئے اذان کہے پھر اس نے اقامت کہی ابو برزۃ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ

کر انہیں مغرب کی نماز پڑھائی اور لوگوں میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابو برزہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے موجود تھے پھر انہوں نے جنازہ پڑھا۔''

عبدالرحمٰن بن حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں:

((وَأُتِیَ بِجَنَازَةِ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ یَقُوْلُ: صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِكُمُ الْآنَ وَإِلَّا فَاَخِّرُوْا حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ))(الاوسط لابن المنذر:٥/٣٩٦)

''رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا جنازہ نماز فجر کے بعد لایا گیا میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا اپنے ساتھی پر اب جنازہ پڑھ لو ورنہ اسے لیٹ کرو حتی کہ سورج طلوع ہو جائے۔''

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج جب نکل رہا ہو یا عین سر پر ہو یا غروب ہونے کے قریب ہو تو نماز جنازہ وغیرہ ادا نہیں کرنا چاہئے۔ امام احمد' امام اسحاق بن راھویہ' امام مالک' امام اوزاعی' امام ابو حنیفہ وغیرہ ائمہ کا یہی نقطہ نظر ہے جیسا کہ تحفۃ الاحوذی ۴/ ۱۰۲ میں ہے۔

جب کہ امام شافعی فرماتے ہیں جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان میں جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

(ترمذی مع تحفه ٤/١٠٢) کتاب الایام باب القیام بالجنازة ١/٢٧٩)

علامہ زیلعی فرماتے ہیں: ابو داؤد نے اس حدیث کو دفن حقیقی پر محمول کیا ہے انہوں نے اسے کتاب الجنائز میں ذکر کیا ہے اور اس پر باب باندھا ہے'' باب الدفن عند طلوع الشمس و عند غروبھا اور امام ترمذی نے اسے نماز پر محمول کیا ہے اسی لئے انہوں نے اس حدیث پر باب باندھا:

((باب ما جاء فی کراھیة صلوة الجنازة عند طلوع الشمس وعند

غروبھا))

طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز جنازہ کی کراھیۃ کے بارے میں اور امام ترمذی نے عبداللہ بن المبارک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں:

((اَنَقْبُرُ فِيهِنَّ مَوْتَانَا)) کا معنی ہے "نماز جنازہ" اور اس معنی میں حدیث میں تصریح بھی آئی ہے امام ابو حفص عمر بن شاہین نے کتاب الجنائز میں خارجہ بن مصعب عن لیث بن سعد عن موسیٰ بن علی کی سند سے بیان کیا ہے کہ:

((نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَنْ نُّصَلِّىَ عَلٰى مَوْتَانَا عِنْدَ ثَلَاثٍ: عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ اِلٰى آخِرِهٖ))

"کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تین اوقات میں مردوں پر جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے۔"

طلوع شمس کے وقت الخ۔ علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں "اگر کہا جائے کہ نماز جنازہ بھی تو نماز ہے اور ان اوقات میں ہر نماز منع ہے تو امام شافعی نے کیسے کہہ دیا ہے کہ ان اوقات میں نماز جنازہ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا امام شافعی کے نزدیک ان اوقات میں ہر نماز منع نہیں بلکہ صرف وہ نمازیں منع ہیں جن کے لئے کوئی سبب نہیں اور جو اسباب والی نمازیں ہیں وہ ان اوقات میں جائز ہیں اور نماز جنازہ اسباب والی نمازوں میں سے ہے۔(تحفة الاحوذی: ۱۰۳/٤)

جبکہ امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ "معالم السنن: ۳۲۷/۴ میں فرماتے ہیں۔

ان تین اوقات میں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کرنے اور میت کو دفن کرنے کے جواز میں اختلاف کیا ہے اکثر اہل علم اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ان اوقات میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے یہی قول عطا' نخعی اوزاعی' ثوری' اہل

الرائے' احمد اور اسحاق بن راھویہ کا ہے اور شافعی کے نزدیک دن یارات کے کسی وقت بھی نماز اور میت کو دفن کیا جا سکتا ہے۔ اور جماعت کا قول حدیث کی موافقت کی وجہ سے اولیٰ ھے۔ امام ابن المنذر النیساپوری نے بھی اسی بات کو قبول کیا ہے۔(الاوسط لابن المنذر ٥/٣٩٦)

اور راقم کے نزدیک بھی یہی بات اولی وانسب ہے کیونکہ اس کی تائید عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں "بعد نماز عصر اور بعد نماز فجر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے ہاں آفتاب طلوع ہونے کے وقت اور غروب ہونے کے وقت اور ٹھیک دوپہر کو آفتاب کے کھڑے ہونے کے وقت نماز جنازہ پڑھنا نہیں چاہئے" (کتاب الجنائز : ٤٨)

نماز جنازہ میں تکرار

س جب کسی میت کا ایک بار جنازہ پڑھا گیا ہو دوبارہ اس کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ کتاب و سنت کی رو سے واضح کریں؟ (جمشید صاحب: نیویارک)

ج نماز جنازہ میں تکرار درست ہے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَرَّ بِقَبْرٍ قَدْ دُفِنَ لَيْلاً فَقَالَ مَتٰى دُفِنَ هٰذَا قَالُوْا اَلْبَارِحَةَ قَالَ اَفَلَا آذَنْتُمُوْنِيْ قَالُوْا دَفَنَّاهُ فِيْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ فَكَرِهْنَا اَنْ نُوْقِظَكَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ فَصَلّٰى عَلَيْهِ))

(صحيح البخاری: ١٢٤٧ صحيح مسلم ٩٥٤/٦٩ بحواله مشكوٰة المصابيح: ١٦٥٨)

"بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس میں میت کو رات کے وقت دفن کیا گیا تھا آپ نے فرمایا: یہ کب دفن کیا گیا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کل رات: آپ نے فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ انہوں نے کہا ہم نے اسے رات کی تاریکی میں دفن کیا ہے اور آپ کو بیدار کرنا ہم نے ناپسند کیا۔ آپ کھڑے ہوئے ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھی آپ ﷺ نے اس پر نمازہ جنازہ ادا کی۔"

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((اَنَّ امْرَاَۃً سَوْدَاءَ کَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ اَوْ شَابًّا فَفَقَدَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَأَلَ عَنْھَا اَوْ عَنْہُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ اَفَلَا کُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِي قَالَ فَکَاَنَّھُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَھَا اَوْ اَمْرَہٗ فَقَالَ دُلُّوْنِي عَلٰی قَبْرِہٖ فَدَلُّوْہُ فَصَلّٰی عَلَیْھَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ ھٰذِہِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَۃٌ ظُلْمَۃٌ عَلٰی اَھْلِھَا وَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یُنَوِّرُھَا لَھُمْ بِصَلَاتِیْ عَلَیْھِمْ))

(صحیح البخاری ۱۳۳۷ صحیح مسلم ۹۵٦/۷۱ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ۱۱۵۹)

"ایک سیاہ فام عورت یا مرد مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے گم پایا تو اس کے بارے میں پوچھا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا وہ فوت ہو گیا ہے آپ نے کہا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی صحابہ کرام نے گویا اس معاملہ کو چھوٹا سمجھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی قبر پر راہنمائی کرو۔ انہوں نے راہنمائی کی آپ نے اس پر نماز جنازہ ادا کی پھر فرمایا یہ قبور اپنے اہل پر تاریکی سے بھری ہوتی ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ان پر میری نماز کی وجہ سے روشن کر دیتا ہے۔"

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک بار جنازہ ادا کرنے کے بعد نبی ﷺ نے اپنے صحابہ سمیت دوبارہ بھی اسی میت کا جنازہ

پڑھا۔لہٰذا تکرار جنازہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ابن الملک فرماتے ہیں:

((وبهذا الحديث ......ذهب الشافعي الى جواز تكرار الصلوة على الميت))

''اس حدیث کی وجہ سے امام شافعی میت پر نماز جنازہ کے تکرار کے جواز کی طرف گئے ہیں۔''(مرقاة ٤ /١٤٧)

امام ابن المنذر رفرماتے ہین ہم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے قرظہ بن کعب کو ایک جنازہ پڑھانے کا حکم دیا جس پر ایک مرتبہ جنازہ پڑھا جاچکا تھا۔

(الاوسط ٥ /٤١٢ابن ابی شیبه٣ /٢٣٩ط بیروت عبد الرزاق ٦٥٤٣)

حافظ عبد اللہ محدث روپڑی فرماتے ہیں پس جب قبر پر نماز جنازہ ثابت ہو گیا تو جب میت قبر سے باہر ہو اس وقت بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے اور دلیل اس کی یہ پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

میرے نماز پڑھنے سے اللہ ان کی قبروں میں نور کر دیتا ہے۔ مگر ان لوگوں کی ڈبل غلطی ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کے جنازہ میں چالیس آدمی توحید والے شریک ہو جائیں اللہ ان کی سفارش ان کے حق میں قبول کرے گا۔(مشكوة باب المشي بالجنازه)

تو کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ چالیس سے کم جنازہ نہ پڑھیں نیز زکاۃ کے بارہ میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((خذ من اموالهم صدقة))

''ان کے مالوں سے صدقہ لے۔''

((تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم))

"تا کہ اس صدقے کے ذریعے تو ان کا ظاہر و باطن پاک کرے اور
ان کے لئے دعا کر"

((ان صلاتك سكن لهم))

"بے شک تیری دعا ان کے لئے تسلی ہے۔"

تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ زکوۃ لینا آپ ﷺ کا ہی خاصہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کی دعا ان کے لئے تسلی ہے کسی اور کی نہیں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جو لوگ زکوۃ کے منکر ہو گئے تھے انہوں نے بھی یہی آیت پیش کر کے کہا تھا کہ زکوۃ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی حیات تک تھا اب نہیں اس پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی سو اس قسم کے دلائل سے خاصہ ثابت نہیں ہوا کرتا بلکہ کوئی واضح دلیل چاہیئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے بھی نماز جنازہ پڑھی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا خاصہ نہیں بلکہ عام ہے۔" (فتاویٰ اهلحديث ٢/٤٦١،٤٦٢)

لہٰذا اگر نماز جنازہ دوبارہ بھی پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ تکرار درست ہے۔

نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ رفع یدین کرنا

(س) کیا نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ہی رفع یدین کرنی چاہیے یا باقی تکبیرات کے ساتھ بھی۔ اس کے بارے میں صحیح موقف کیا ہے؟

(ج) نماز جنازہ میں تکبیرات کے ساتھ عدم رفع الیدین کے متعلق کوئی صحیح مرفوع روایت موجود نہیں البتہ بعض موقوف صحیح روایات میں جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔ جو لوگ صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کے قائل ہیں وہ درج ذیل دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَبَّرَ عَلٰی جَنَازَةٍ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِیْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ وَوَضَعَ الْيُمْنٰی عَلَی الْيُسْرٰی))

(جامع الترمذی کتاب الجنائز' باب ما جاء فی رفع الیدین علی الجنازة(١٠٧٧) سنن الدار قطنی(١٨١٣) السنن الکبری للبیهقی ٤/٣٨ طبقات الاصبهانیین لابی الشیخ ص:٢٦٢ بحواله احکام الجنائز للالبانی ص:١٤٧)

''ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نے جنازے پر تکبیر کہی پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ یہ روایت ضعیف ہے اس میں تین علتیں ہیں۔''

یحییٰ بن یعلی الاسلمی القطوانی کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں: مضطرب الحدیث۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ لیس بشئی محض ہیچ ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں ضعیف الحدیث ہے قوی نہیں ہے۔ امام ابن عدی فرماتے ہیں شیعہ میں سے کوفی ہے۔ امام بزار فرماتے ہیں اسانید میں غلطیاں کرتا ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں ثقہ راویوں کے نام سے مقلوب روایات بیان کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ قلب اس سے واقع ہوا ہے یا اس سے بیان کرنے والے راوی ابو ضرار بن صروان دونوں نے جو روایتیں بیان کی ہیں۔ ان سے بچنا واجب ہے۔

(تهذیب التهذیب ٦/١٩٢' المغنی فی الضعفاء ٢/٥٣٣' کتاب الضعفاء والمتروکین ٣/٢٠٦' لابن الجوزی میزان الاعتدال ٤/٤١٥' الکامل فی ضعفاء الرجال ٧/٢٦٨٨' الکاشف ٢/٣٧٩' تقریب ص: ٣٨٠) امام ابن القطان الفاسی نے بھی اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ یحیی بن یعلیٰ الاسلمی ابو زکریا القطوانی کو قرار دیا ہے (بیان الوهم والایهام 421/3)

دوسری علت یحیی بن یعلیٰ الاسلمی کا استاذ ابو فروہ یزید بن سنان ہے۔ امام احمد

بن حنبل، امام یحیٰ بن معین، امام علی بن المدینی، امام ابو حاتم، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام دار قطنی، امام جوز جانی، امام ابو زرعہ رازی، ازدی، امام حاکم اور عقیلی نے اسے ضعیف اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

(تهذیب ٦/٢١١، ٢١٢، المغنی فی الضعفاء ٢/٥٣٨، میزان الاعتدال ٤/٤٢٧، تقریب ٢٨٢، کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ٣/٢١٠)

تیسری علت یہ ہے کہ اس کی سند میں امام زہری "عن" سے روایت کرتے ہیں اور یہ مدلس ہیں۔ مدلس کا عنعنہ مردود ہے لهٰذا ان تین علل کی وجہ سے مذکورہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اس روایت کا ایک شاہد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بایں الفاظ پیش کیا جاتا ہے۔

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عَلَى الْجَنَازَةِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ))

(سنن الدار قطنی کتاب الجنائز (١٨١٤) الضعفاء الکبیر للعقیلی ٣/٤٤٩، تحفه الاحوذی ٤/١٩١)

"بے شک رسول اللہ ﷺ جنازے پر پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔"

اس کی سند میں الفضل بن السکن الکوفی ہے جس کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں۔ یہ غیر معروف ہے۔ امام دار قطنی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(المغنی فی الضعفاء ٢/١٩١)

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ عدم رفع یدین والی روایات درست نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

((رَوَى الدَّارَ قُطْنِيُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

كَانَ إِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ وَإِسْنَادُ هُمَا ضَعِيفَانِ وَلَا يَصِحُّ فِيهِ شَيْئٌ))

(التلخيص الحبير ٢/٣٣٣، دار الكتب العلميه ' بيروت)

''دارقطنی نے عبداللہ بن عباس اور ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ جب نماز جنازہ ادا کرتے تو پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے ان دونوں کی سندیں ضعیف ہیں اور اس کے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔''

اب رہیں نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کی روایات۔ اس کے بارے میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع روایت مروی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

((موسى بن عيسىٰ الجزرى ثنا صهيب بن محمد بن عباد بن صحيب ثنا عباد بن صهيب ثنا عبد الله بن محرر عن نافع عن ابن عمر أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ فِي كُلِّ صَلَاةٍ وَعَلَى الْجَنَائِزِ))

(طبرانی اوسط(٨٤١٢)٦/١٩١'مجمع البحرين فى زوائد المعجمين(١٢٨٢) ٢/٢١٧ مجمع الزوائد(٤١٥٤)٣/١٣٧)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز میں اور جنازوں پر تکبیر کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے' لیکن اس روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ اس میں کئی ایک علل ہیں۔

(۱) امام طبرانی کے استاذ موسیٰ بن عیسیٰ الجزری کے حالات نہیں ملے۔

(۲) موسیٰ بن عیسیٰ کا استاذ صہیب بن محمد بن عباد بھی مجہول ہے۔

(۳) عباد بن صہیب البصری متروک ہے۔

(المغنی فی ضعفاء الرجال ۱/۱۴ ۵ تقریب ص:۱۹۷) امام بخاری اسے منکر الحدیث قرار دیتے ہیں۔(تہذیب ۳/ ۲۵۰'۲۵۱) اور امام بخاری جسے منکر الحدیث قرار دیں اس سے روایت لینا جائز نہیں۔(میزان ۱/ ۲)

لہٰذا یہ سند تو انتہائی ضعیف ہے البتہ امام دار قطنی نے بطریق:

((عُمَرَ بْنِ شَبَّةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ يَحْيٰ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ وَاِذَا انْصَرَفَ سَلَّمَ))(علل الدار قطنی بحواله نصب الرایة التعلیق المغنی ۲/ ۲۷۵)

”عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز جنازہ ادا کرتے تو ہر تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے اور جب پھیرتے تو سلام کہتے تھے۔اس کے بعد فرمایا ہے۔“

((هكذا رفعه عمر بن شبه و خالفه جماعة فروه عن يزيد بن هارون موقوفا وهو الصواب))

اسی طرح عمر بن شبہ نے اسے مرفوع بیان کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے انہوں نے یزید بن ھارون سے اسے موقوف روایت کیا ہے اور یہی درست ہے۔(نصب الرایة ۲/ ۲۸۵' التلخیص الحبیر ۱/ ۳۳۳ط جدید)

یزید بن ھارون کی یحیٰ بن سعید سے روایت کرنے میں ثقات کی ایک جماعت نے متابعت کی ہے بعد نے متابعت تامہ اور بعض نے متابعت قاصرہ۔جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔امام بخاری فرماتے ہیں:

((قال احمد بن يونس حدثنا زهير ثنا يحيىٰ بن سعيد ان نافعا اخبره ان عبد الله بن عمر كان اذا صلى على الجنازة رفع يديه))

(جزء رفع الیدین (۱۱۱) ص۱۹۵ مع جلاء العینین)

احمد بن یونس نے کہا ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں یحیٰ بن سعید نے حدیث بیان کی بے شک نافع نے اسے خبر دی بلا شبہ عبد اللہ بن عمر جب نماز جنازہ ادا کرتے تو رفع یدین کرتے تھے۔ یہ اسناد انتہائی صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے اس میں زہیر بن معاویہ بن کدیج ثقہ اور ثبت نے یزید بن ہارون کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔

۲۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں:

((حدثنا ابن فضیل عن یحیٰ عن نافع عن ابن عمر انه کان یرفع یدیه مع کل تکبیرة علی الجنازة))

(المصنف کتاب الجنازة باب یرفع یدیه فی التکبیر علی الجنازة ص ۲/۱۸۱ دار الفکر' بیروت)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنازے پر ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ اس روایت میں محمد بن فضیل ثقہ نے یزید بن ھارون کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔

۳۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

((حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ اِدْرِيْسَ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهُ قَالَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ عَلَى الْجَنَازَةِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ))(جزء رفع الیدین (۱۶۰)ص ۱۹۵ مع جلاء العینین)

عبد اللہ بن عمر جنازے پر ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو پھر بھی رفع یدین کرتے تھے' عبد اللہ بن ادریس کی یہی روایت ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز ۳/۱۸۰ط دار الفکر بیروت بیہقی ۴/۴۴ میں بھی موجود ہے۔

۴۔امام بخاری فرماتے ہیں:

((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ ثَنَا جَرِيْرُ بْنُ هَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا إِذَا كَبَّرَ عَلَى الْجَنَازَةِ رَفَعَ يَدَيْهِ))

(جزء رفع اليدين(١٠٩) ص:١٩٤ مع جلاء العينين)

عبداللہ بن عمر جب جنازہ پر تکبیر کہتے تو رفع یدین کرتے تھے۔

۵۔امام عبدالرزاق اھل جزیرہ کے ایک آدمی سے نقل کرتے ہیں اس نے کہا:

((سَمِعْتُ نَافِعًا يُحَدِّثُ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرْفَعُ فِي التَّكْبِيْرَاتِ الْاَرْبَعِ عَلَى الْجَنَازَةِ))(عبد الرزاق ٢/٢٧٠(٦٣٦٠)

نافع بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازہ پر چار تکبیروں میں رفع یدین کرتے تھے۔

۶۔اسی طرح امام شافعی نے کتاب الام ۱/۲۴۰ میں اور امام بیھقی نے معرفۃ السنن والآثار ۲/۲۶ میں شافعی کے طریق سے محمد بن عمر عن عبداللہ بن عمر بن حفص عن نافع عن ابن عمر اس روایت کو بیان کیا ہے۔

لیکن اس کے سند میں امام شافعی کا استاذ محمد بن عمر الواقدی کذاب اور اس کا استاذ عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے۔لیکن اوپر ذکر کردہ پہلے چاروں طرق کے تمام روات ثقہ وصدوق ہیں۔

اس لئے یہاں ان کا ضعف مضر نہیں۔مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن ہارون کی متابعت کئی ثقہ راویوں نے اس روایت کو موقوف بیان کرنے میں کی ہے اور یزید بن ھارون سے ایک جماعت نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے اور عمر بن شبہ نے یزید بن ہارون سے اسے مرفوع بیان کیا۔

علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ امام دارقطنی کی بیان کردہ علت کے

بارے میں فرماتے ہیں:

((والا ظهر عدم الالتفات الى هذه العلة لان عمر المذكور ثقة فيقبل رفعه لان ذلك زيادة من الثقة وهى مقبولة على الراجح عند ائمه الحديث ويكون ذلك دليلا على شرعية رفع اليدين فى تكبيرات الجنازة' والله اعلم))

(تعليق على فتح البارى ٣/١٩٠' ط دار المعرفة' بيروت)

''اس علت کی طرف توجہ نہ کرنا' ظاہر ترین ہے۔ اس لئے کہ عمر ثقہ راوی ہے اس کا مرفوع بیان کرنا قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ ثقہ راوی کی زیادت ہے اور آئمہ حدیث کے نزدیک راجح مسلک کے مطابق زیادت ثقہ قبول کی جاتی ہے اور تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کی مشروعیت کی یہ دلیل ہو گی' واللہ اعلم۔''

عمر بن شبہ جس نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔ امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: ((هو صدوق صاحب عربية وادب)) یہ صدوق عربیت وادب والا ہے۔

امام دار قطنی فرماتے ہیں یہ ثقہ ہے۔ امام ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں درج کر کے مستقیم الحدیث قرار دیا ہے۔ خطیب بغدادی نے اسے ثقہ اور سیر اور لوگوں کے حالات کا عالم کہا ہے۔ مرزبانی نے معجم الشعراء میں اسے ادیب' فقیہ واسع الروایۃ اور صدوق و ثقہ لکھا ہے۔ مسلمہ نے بھی اسے ثقہ کہا ہے۔

محمد بن سھل نے اسے صدوق وذ کی قرار دیا ہے۔

(تهذيب ٢٩٠/٤' ٢٨٩ تاريخ بغداد ٢٠٨/١١ الجرح والتعديل ١١٦/٦' تهذيب الاسماء واللغات للنووى ١٧/٢ كتاب الثقات ٤٤٦/٨)

امام ابوذھبی فرماتے ہیں ثقہ ہے۔ (الکاشت ٢ / ٢٣ تذکرہ الحفاظ ٢ / ٧٧)

امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: ((صدوق))

(الجرح والتعدیل ٦/١١٦)

علامہ ابن العماد الحنبلی فرماتے ہیں:

((الحافظ العلامة الاخباری الثقة))(شذرات الذهب ٢/١٤٦)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عمر بن شبہ النمیری باتفاق ائمہ محدثین صدوق و ثقہ راوی ہے اور زیادت ثقہ قابل قبول ہوتی ہے۔ جب کسی حدیث کو بعض ائمہ مرفوع اور بعض موقوف روایت کریں تو اصول حدیث کی رو سے مرفوع کا حکم لگایا جاتا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

"الصحیح بل الصواب الذی علیه الفقهاء والاصولیین ومحققو المحدثین انه اذاروی الحدیث مرفوعا و موقوفا او موصولا و مرسلا حکم بالرفع والوصل لانها زیادة ثقة وسواء کان الرافع والواصل اکثر او اقل فی الحفظ والعدد"

(شرح صحیح مسلم ١/٢٥٦)

"صحیح بلکہ خالص حق بات یہ ہے جس پر فقہاء اصولیین اور محقق محدثین متفق ہیں کہ جب کوئی حدیث مرفوع اور موقوف روایت کی گئی ہو یا موصول اور مرسل بیان ہوئی ہو تو مرفوع اور موصول کا حکم لگایا جائے گا اس لئے کہ وہ ثقہ راوی کی زیادت ہے خواہ مرفوع اور موصول بیان کرنے والے حفظ اور تعداد میں زیادہ ہوں یا کم۔"

اسی طرح ایک مقام پر امام دارقطنی کے مسلم پر استدراک کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

((وهذا الذی استدرکه بناء علی القاعده المعروفة له و اکثر

المحدثين انه اذا تعارض فی رواية الحديث وقف ورفع او ارسال واتصال حكموا بالوقف والارسال وهی قاعدة ضعيفه ممنوعة والصحيح طريقة الاصوليين والفقهاء والبخاری و مسلم و محققی المحدثين انه يحكم بالرفع والاتصال لانها زيادة ثقه))

شرح صحیح مسلم ۱/۲۸۲) صحیح مسلم ۱/۲۸۱ میں مخرمہ بن بکیر عن ابیہ عن ابی بردۃ عن ابیہ عن النبی ﷺ پر استدراک کرتے ہوئے امام دارقطنی نے کہا ہے کہ مخرمہ بن بکیر کے علاوہ اسے کسی نے مسند ابیان نہیں کیا محدثین کی ایک جماعت نے ابو بردہ کا قول روایت کیا ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں۔ یہ استدراک امام قطنی نے اپنے معروف قاعدہ اور اکثر محدثین کے مطابق کیا ہے کہ جب حدیث کی روایت میں موقوف و مرفوع یا مرسل و موصول ہونے میں تعارض واقع ہو تو اس پر موقوف و مرسل ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ یہ قاعدہ ضعیف و ممنوع ہے حالانکہ صحیح طریقہ اصولیین فقہاء امام بخاری' امام مسلم اور محقق محدثین کا یہ ہے کہ روایت کے مرفوع اور موصول ہونے کا حکم لگایا جائے گا اس لئے کہ یہ زیادت ثقہ ہے۔

اسی طرح امام نووی امام دارقطنی کے صحیح مسلم پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ۱/۲۷۴ اور ۲/۴۰ میں یہی قاعدہ ذکر کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دارقطنی ایسی علل ذکر کر دیتے ہیں جو حقیقت میں حدیث میں جرح و قدح کا باعث نہیں ہوتیں اور جنازے میں تکبیرات کے ساتھ رفع یدین والی علت بھی اسی قبیل سے ہے۔ مرفوع و موقوف میں تعارض کی صورت میں مرفوع کا حکم لگانے کا یہی قاعدہ خطیب البغدادی نے

((الكفايه فی علم الرواية باب القول فيما روی من الاخبار مرسلا و متصلا هل يثبت ويحجب العمل به ام لا))

اص ۴۱۱میں' حافظ عراقی نے الفية الحديث اور اس کی شرح فتح المغيث ص۷۷میں اسی طرح' فتح المغيث للسخاوی ۱/۱۸۹ المقنع في علوم الحدیث لابن الملتفی ص۱۵۱ بیهقی ۷/۱۰۸ التبصرة والتذكرة للحافظ زکریا انصاری ۱/۱۷۴'۱۷۵ فتح الباقی ص۱۶۰ 'الاعتبار للحازمی ص۱۱ ط آخری ص۱۷ الوجه الحادی والعشرون' كتاب القراة للبيهقی ط قديم ص۵۵ ط جديد ص ۶۹' ظفر الامانی لعبد الحئی لکھنوی ص۳۶۷بتحقيق دكتور تقی الدين ص۳۳۲' بتحقيق ابو نحده ۳۳۳مولانا عبد الحئی لکھنوی نے تو یہاں پر موقوف کو حکما مرفوع قرار دیا ھے۔ قواعد فی علوم الحديث از ظفر احمد تهانوی ص۱۱۸ تا۱۲۳ احسن الكلام از سرفراز صفدر دیوبندی' ۱/۲۸۲'۲۸۵'۳۲۲' ۳۲۴'۳۵۰'۳۵۸'۳۵۹'۳۶۰ ملا علی قاری مرقاة ۴/۱۶۶ نصب الراية ۲/۸۴ الجوهر النقی ۲/۱۷۳ بحواله فقه الفقيه ص۲۵۴ ص۲۵۵' از ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی بریلوی)

مذکورہ بالا توضیح سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مرفوعاو موقوفا صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے جس سے جو نماز جنازہ میں تکبیرات کے ساتھ رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نماز جنازہ میں تکبیرات کے ساتھ رفع یدین کرنا ثابت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

((وَقَدْ صَحَّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيْرَاتِ الْجَنَازَةِ رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ))

(التلخيص الحبير كتاب الجنائز ۱/۲۳۳ ط جديد)

''عبد اللہ بن عباس سے صحیح ثابت ہے کہ وہ تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کیا کرتے تھے اسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے۔''

حنفی حضرات کو یہاں بالخصوص اپنا یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب راوی

حدیث کا عمل یا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو راوی حدیث کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جاتا اس کے عمل یا فتوی کو لیا جاتا ہے۔

جیسا کہ نور الانوار ص ۲۷۵ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی' الحسامی ص ۷۶ قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۰۲ کتاب التحقیق ص ۲۵۴ النامی ص ۱۵۱' ۱۵۲ وغیرہ کتب اصول فقہ حنفیہ میں تصریح موجود ہے لہٰذا احناف کو اپنے اصول و قواعد کے لحاظ سے یہاں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ترک کر کے ان کے عمل کو اپنانا چاہیے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ احناف کا کوئی اصول نہیں یہ کسی فقہی جزئی کے دفاع کے لئے ایک قاعدہ وضع کرتے ہیں تو دوسرے مقام پر اسے اپنے خلاف پا کر چشم پوشی کر لیتے ہیں۔ ھداھم اللہ

امام ترمذی نے نماز جنازہ میں رفع یدین کے متعلق لکھا ہے کہ:

((فَرَای اَکْثَرُ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ وَ غَیْرِھِمْ اَنْ یَرْفَعَ الرَّجُلُ یَدَیْهِ فِیْ کُلِّ تَکْبِیْرَةٍ عَلَی الْجَنَازَةِ وَھُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِیِ وَ اَحْمَدَ وَ اِسْحَاقَ))(ترمذی مع تحفه ۲/ ۱۹۰)

اکثر اہل علم صحابہ کرام اور ان کے علاوہ کے نزدیک نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہیے اور یہی قول عبداللہ بن مبارک' امام شافعی' امام احمد اور امام اسحاق بن راھویہ کا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا ہے صرف پہلی مرتبہ ہی رفع یدین کرے یہ قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔

علاوہ ازیں قیس بن ابی حازم (جزء رفع یدین (۱۱۲) عبد الرزاق ۳/ ٤٦٩' ٤٧٠ ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۸۰ نافع بن جبیر جزء رفع یدین (١١٤) عمر بن عبدالعزیز جزء رفع یدین (١١٥) ابن ابی شیبہ ۳/ ۱۸۰ بیھقی ٤/ ٤٤ ابو رجاء العطاردی الکنی للدولابی ۲/ ١٤٣) مکحول جزء رفع یدین (١١٦) زھری جزء رفع یدین (١١٨) عبد الرزاق ۳/ ٤٦٩' امام عبدالرزاق کا بھی

یہی موقف ہے (ایضا) حسن بصری (جزرفع یدین (۱۲۲) بیهقی ٤/٤٤، انس، عروہ بن زبیر، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین (بیهقی ٤/٤٤ التلخیص الحبیر ۱/۲۳۳ کتاب الام ۱/۲۷۱)

جیسے سلف صالحین رحمھم اللہ اجمعین سے نماز جنازہ کی تمام تکبیرات کے ساتھ رفع یدین کرنا ثابت ہے اسی طرح کئی حنفی علماء کرام بھی تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کے قائل ہیں۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

((وَكَثِيْرٌ مِّنْ اَئِمَّةِ بَلَخٍ اِخْتَارُوْا رَفْعَ الْيَدِ عِنْدَ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ فِيْهَا))

(المبسوط ۲/٦٤)

کثیر ائمہ بلخ نے نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کو اختیار کیا ہے۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی سے جب اس مسئلہ کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔ ''بخاری نے کتاب رفع الیدین میں نافع سے روایت کی ہے کہ ابن عمر جب نماز جنازہ پڑھتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے نیز انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جنازہ کی تکبیروں میں رفع الیدین کیا جائے اور موسیٰ سے روایت ہے کہ میں نے ابان بن عثمان کو نماز جنازہ پڑھتے دیکھا وہ پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے اور اسی طرح قیس بن ابی حازم، عمر بن عبدالعزیز، مکحول، وھب بن منبہ، زھری، ابراہیم نخعی اور حسن سے روایت ہے۔''

(مجموعہ فتاویٰ ۳/۲۷۲) اسی طرح ان کی کتاب عمدۃ الرعایۃ ۱/۲۵۳ ملاحظہ ہو۔ بحوالہ مسلک احناف اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی از محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ۔

س: کیا نماز جنازہ پڑھاتے وقت متعدد دعائیں مانگی جاسکتی ہیں یا کہ صرف ایک ہی دعا مانگنی چاہیے؟ صحیح جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں (ایک سائل۔ لاہور)

ج: جب کوئی مسلم مؤحد فوت ہوجائے تو اس کا نماز جنازہ ادا کرنا دوسرے

مسلمانوں پر حق ہے اور نماز جنازہ میں اخلاص سے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(اذا صليتم على الميت فأ خلصوا له الدعاء)

جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھنے لگو تو اس کے لیے اخلاص سے دعا کرو (سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب الدعاء للمیت (۳۱۹۹) سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الدعاء فی الصلاۃ علی الجنازۃ (۱۴۹۷) بیہقی کتاب الجنائز باب الدعاء فی صلاۃ الجنازۃ ۴/۴۰ صحیح ابن حبان (۷۵۴، ۷۵۵ موارد) اسی طرح ابو اُمامۃ بن سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((السنة في الصلاة على الجنازة أن تكبر ثم تقرا بام القران ثم تصلي على النبي ﷺ ثم تخلص الدعاء للميت ولا تقرأء الافي التكبيرة الاولى ثم تسلم في نفسه عن يمينه))

(المنتقى لابن الجارود (٥٤٠) عبدالرزاق (٦٤٢٨) فضل الصلاة على النبي ﷺ لا سماعيل القاضي (٩٤) المستدرك للحاكم ٣٦٠/١ بيهقي ٣٩/٤-٤٠)

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تم تکبیر کہو پھر سورۃ فاتحہ پڑھو (پھر دوسری تکبیر کہو) پھر نبی ﷺ پر درود پڑھو (پھر تیسری تکبیر کہو) پھر میت کے لیے اخلاص سے دعا کرو اور پہلے تکبیر کے علاوہ کسی میں قرأت نہ کرو (پھر چوتھی تکبیر کہو) پھر اپنی دائیں جانب آہستہ سلام پھیر دو۔ ان ہر دو صحیح احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں میت کے لیے اخلاص سے دعا کرنے کا حکم ہے اور ''الدعاء'' دعا یدعو سے مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق قلیل و کثیر پر ہوتا ہے لہٰذا ایک سے زائد دعائیں بھی جنازہ میں کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی یاد رہے کہ ہمارے عام بھائی نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے ہیں

((اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییته منا فاحیه علی الاسلام ومن توفیته منا فتوفه علی الایمان اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تضلنا بعدہ))

(سنن ابن ماجه (١٤٩٨)مسند احمد ٤٠٦/١٤ (٨٨٠٩) صحيح ابن حبان (٧٥٧ ٨موارد)

اے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ' حاضر اور غائب' چھوٹے اور بڑے' مرد اور عورت کو بخش دے اے اللہ ہم میں سے جسے بھی تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جسے بھی فوت کرے اسے ایمان پر فوت کر۔ اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کر۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ

((کان رسول ﷺ اذا صلی علی الجنازہ قال))

رسول اللہ ﷺ جب بھی جنازہ پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ لہٰذا ہر جنازے میں یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہ دعا عام ہے میت کے لیے خاص نہیں ہے اس میں زندہ مردہ' مرد عورت' چھوٹے بڑے' حاضر غائب سب کے لیے دعا ہے اور ہمیں خاص میت کے لیے بھی دعا کا حکم ہے تو لا محالہ اس دعا کے ساتھ خاص میت کی بخشش والی دعا بھی مانگنی پڑے گی جیسا کہ اللھم اغفرلہ وارحمہ وغیرہ ہے تو ثابت ہوا کہ ایک سے زائد دعائیں جنازے میں مانگی جا سکتی ہیں۔

اسی طرح عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((صلی رسول اللہ ﷺ علی جنازۃ فحفظت من دعائہ وھو یقول ((اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ.... الحدیث))

صحیح مسلم ۹۶۳/۸۵' المنتقی لابن الجارود (۵۳۸)جامع الترمذی (۱۰۲۵)سنن ابن ماجہ (۱۵۰۰) مسند احمد ۳۹۷/۳۹' ۴۲۷' ۴۲۸ سنن النسائی (۱۹۸۲' ۱۹۸۳' ۶۲)

رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی۔ میں نے آپ کی دعا میں سے یاد کرلیا۔آپ کہہ رہے تھے۔اے اللہ اسے بخش دے اور اس پر رحم فرمااور اسے عافیت دے اور اسے معاف کردے۔میں نے تمنا کی کاش میں وہ میت ہوتا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنازہ پر متعدد دعائیں مانگتے تھے کیونکہ صحابی فرماتے ہیں ((فحفظت من دعاۂ)) میں نے آپ کی دعا میں سے یاد کیا۔یہاں پر ''من'' لفظ ہے جو بعض اور کچھ پر دلالت کرتا ہے یعنی آپ نے دعا تو بہت کی لیکن اس میں سے کچھ حصہ میں نے کرلیا۔اور جو دعا یاد کی پھر اسے آگے بیان کردیا۔

شداد بن الھادر ضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا۔آپ پر ایمان لایااور آپ کے تابع ہو گیا پھر کہنے لگا میں آپ کے ساتھ ہجرت کرتا ہوں۔ نبی ﷺ نے اس کے متعلق اپنے بعض صحابہ کو تاکید فرمائی۔ جب ایک جنگ ہوئی تو نبی ﷺ کو کچھ غنیمت حاصل ہوئی۔آپ نے اسے تقسیم کیااور اس کا بھی حصہ نکالا اور اس کا حصہ اس کے ساتھیوں کو دے دیا۔وہ ساتھیوں کی سواریاں چرایا کرتا تھا۔جب آیا تو انہوں نے اس کا حصہ اسے دیا۔وہ پوچھنے لگا یہ کیا ہے؟اس کے ساتھی نے کہا تمہارا حصہ ہے جو نبی ﷺ نے تمہارے لیے نکالا ہے۔

اس اعرابی نے اپنا حصہ لیا اور نبی ﷺ کے پاس آیا۔ کہنے لگا یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے (مال غنیمت سے) تمہارا حصہ نکالا ہے۔ کہنے لگا میں اس کے لیے آپ کے پیچھے نہیں چلا بلکہ میں تو اس مقصد کے لیے آپ کے پیچھے لگا ہوں کہ مجھے (پھر اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) یہاں تیر لگے تو میں فوت ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا اگر تم اللہ سے سچ کہو گے تو اللہ بھی تم سے سچ کا سلوک کرے گا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر گزری پھر وہ دشمن سے لڑنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو اسے اٹھا کر نبی ﷺ کے پاس لایا گیا۔ اس کو وہیں تیر لگا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا یہ وہی ہے؟ صحابہ نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس نے اللہ تعالیٰ سے سچ کہا تو اللہ نے اس سے سچ کا سلوک کیا پھر نبی ﷺ نے اسے خود اپنے جبے میں کفن دیا اور اسے اپنے سامنے رکھ کر اس پر جنازہ پڑھا

((فكان مما ظهر من صلاته اللهم هذا عبدك خرج مهاجراًفي سبيلك فقتل شهيدا انا شهيد على ذلك))

تو آپ کی دعا سے جو الفاظ ظاہر ہوئے ان میں سے چند الفاظ یہ تھے اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے' تیری راہ میں ہجرت کر کے نکلا' پس شہید ہو کر قتل ہوا' میں اس بات پر گواہ ہوں۔

سنن النسائی کتاب الجنائز باب الصلاة على الشهداء (١٩٥٢) المستدرك للحاكم ٥٩٥/٣' ٥٩٦ بيهقى ١٥/٤' ١٦' السنن الكبرى للنسائى ٦٣٤/١ (٢٠٨٠) شرح معانى الآثار للطحاوى (٢٨١٨) ٣٥/٢ كتاب الجنائز باب الصلاة على الشهداء

اس حدیث میں بھی ((فکان مما ظھر من صلاتہ)) قابل توجہ الفاظ ہیں۔ آپ کی دعا میں سے جو الفاظ ظاہر ہوئے وہ صحابی نے بیان کر دیے۔ معلوم ہوا اس کے علاوہ بھی آپ نے دعا کی جو ظاہر نہیں ہوئی۔ لہٰذا نماز جنازہ میں متعدد دعائیں پڑھی

جا سکتی ہیں۔ یزید بن رکانہ بن المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((كان رسول الله ﷺ اذا قام للجنازة ليصلي عليها قال: اللهم عبدك وابن امتك احتاج الى رحمتك وانت غنى عن عذابه إن كان محسنا فزد في حسناته وان كان مسيئا فتجاوز عنه))ثم يدعو ماشاء الله ان يدعو۔

(المعجم الكبير للطبراني ٢٤٩/٢٢ (٦٤٧) الإصابه ٥١٥/٦ مجمع الزوائد ١٤٠/٣ (٤١٦٧)

نبی کریم ﷺ جب نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرماتے۔ اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے اور تیری بندی کا بیٹا ہے۔ تیری رحمت کا محتاج ہو گیا ہے اور تو اس کو عذاب دینے سے بے پرواہ ہے۔ اگر یہ احسان کرنے والا تھا تو اس کی حسنات میں اضافہ فرما اور اگر گناہ گار تھا تو اس سے در گز فرما۔ پھر اس کے بعد جو اللہ چاہتا دعا کرتے۔

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جنازہ میں کئی دعائیں مانگتے تھے۔ اس حدیث کے آخری الفاظ ((پھر اس کے بعد جو اللہ چاہتا دعا کرتے)) اس مسئلہ میں صریح نص ہیں۔ مذکورہ بالا دلائل صحیحہ سے بات بالکل عیاں ہو گئی کہ مسلمان مؤحد کا جنازہ پڑھتے وقت ایک سے زیادہ دعائیں مانگی جا سکتی ہیں رسول کریم ﷺ کے مبارک عمل سے اس کا ثبوت موجود ہے۔ اور شرعاً بالکل صحیح اور درست ہے۔

نماز میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت پڑھنا

(س) کیا نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ بھی پڑھنا کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے؟

﴿ج﴾ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ پڑھنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ طلحہ بن عبداللہ فرماتے ہیں

((صليت خلف ابن عباس رضي الله عنهما على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة فجهر حتى سمعنا فلما انصرف أخذت بيده فسألته عن ذلك فقال سنة وحق))

(المنتقى لا بن الجارود(٥٣٧) واللفظ له سنن النسائي كتاب الجنائز باب الدعاء (١٩٨٦) بيهقي ٣٨/٤ مسند ابي يعلى ٦٧/٥ (٢٦٦١))

میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو انہوں نے سورۃ الفاتحہ اور ایک سورۃ پڑھی اور بلند آواز سے قرات کی یہاں تک کہ ہم نے سن لیا۔ جب وہ نماز سے پھرے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑلیا اور اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ سنت اور حق ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ پڑھنا بالکل صحیح ہے اور سنت رسول ہے کیونکہ جب کوئی صحابی کسی مسئلہ کے بارے میں کہے یہ سنت ہے تو اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت ہی ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ محدثین رحمھم اللہ اجمعین کا یہی قول ہے۔ بلکہ امام حاکم رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں

((وقد اجمعوا على أن قول الصحابي سنة حديث مسند))

(المستدرك ٣٥٨/١)

فقہاء محدثین رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابی کا کہنا کہ یہ

سنت ہے مسند حدیث کے حکم میں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں راقم کی کتاب (آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں ۲/۲۴۵)

لہٰذا ثابت ہوا کہ جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ پڑھنا بھی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے' اس سے انحراف درست نہیں۔

کفن کیسا ہو!

س: کفن کے بارے میں صحیح حدیث کیا فرماتی ہے کپڑا کتنا' نیا یا پرانا یا وہ لباس جو آدمی نے پہن رکھا ہے۔ کفن کا کام دے سکتا ہے۔

(حوالدار محمد اقبال ٹڈالہ سندھواں تحصیل ضلع گوجرانوالہ)

ج: میت کے لیے کفن کا کپڑا اتنا ہونا چاہیے جو اس کے تمام بدن کو ڈھانپ لے جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

" ان النبی ﷺ خطب یوماً فذکر رجلا من اصحابه قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلا فزجر النبی ﷺ أن یقبر الرجل باللیل حتی یصلی علیه الا ان یضطر انسان الی ذلك وقال النبی ﷺ اذا کفن احدکم اخاه فلیحسن کفنه"

بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا اور اپنے ایک صحابی کا ذکر کیا جو فوت ہو گیا تھا۔ اسے ایسے کپڑے میں کفن دیا گیا جو لمبا نہ تھا اور رات کے وقت قبر میں اتارا گیا تو نبی ﷺ نے رات کے وقت آدمی کو قبر میں اتارنے سے ڈانٹا یہاں تک کہ اس پر جنازہ پڑھا جائے بجز اس کے کہ انسان اس بات کی طرف مجبور ہو جائے اور نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو اسے اچھا کفن دے۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز باب فی تحسین کفن المیت ۹۴۳/۴۹، المنتقی لابن الجارود(۵٤٦)ابوداؤد (۳۱٤۸) نسائی ٤/۳۳ مسند احمد ۳/۲۹۵، ۳۲۹ المستدرك للحاکم ۱/۳٦۸-۳٦۹ بیهقی ۳/٤۰۳، ٤/۳۲ شرح السنة ۵/۳۱۵)

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا ولی احدکم اخاه فلیحسن کفنه"

جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کا ولی بنے تو اسے اچھا کفن دے۔(ترمذی(۹۹۵)ابن ماجه(۱٤۷٤)۔

اچھا کفن دینے کا مفہوم یہ ہے کہ کفن میں نظافت، ستھرائی، موٹائی، ستر کو ڈھانپنے والا اور متوسط ہو۔ جیسا کہ تحفۃ الاحوذی ۴/۵۱ وغیرہ میں موجود ہے۔

میت کو ایک کپڑے میں بھی کفن دیا جا سکتا ہے جیسا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا جب وہ جنگ احد میں شہید کر دیئے گئے۔

(صحیح البخاری، صحیح مسلم ٤٤/٩٤٠، ابوداؤد ٣١٥٥، نسائی ٤/٣٨، ترمذی ٣٨٥٣، عبدالرزاق ٣/٤٢٧- ٤٢٨، مسند احمد ٥/١٠٩، ١١١، ١١٢، ٦/٣٩٥، مسند الحمیدی ١٥٥، المنتقیٰ لابن الجارود ٥٢٢۔ اسی طرح سید الشهداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی ایک کپڑے میں کپفن دیا گیا مسند احمد ٦/٣٩٥-٣٩٦، ٥/١١١ حلیة الاولیاء ١/١٣٥، طبرانی(٣٦٧٤-٣٦٨٢)

اسی طرح شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک صحابی کے شہید ہونے پر نبی ﷺ نے اسے اپنے جبہ مبارک میں کفن دیا اور اس کا جنازہ پڑھا اور اللہ سے اس کے لیے دعا کی اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے تیری راہ میں مہاجر ہو کر نکلا اور شہید کر دیا گیا میں اس پر گواہی دیتا ہوں۔

(عبدالرزاق(۹۵۹۷) نسائی ۱/۲۷۷شرح معانی الآثار۱/۲۹۱ المستدرك للحاكم۳/۵۹۵-۵۹۶' بیهقی ٤/۱۵-۱٦' دلائل النبوة ٤/۲۲)

سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی ہے کہ جب انہیں شہید کیا گیا تو ان کی بہن صفیہ رضی اللہ عنہا انہیں کفن دینے کے لیے دو کپڑے لے کر آئیں لیکن ان کے پہلو میں ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ والا سلوک کیا گیا اور اس انصاری کے لئے کفن کے لیے کپڑا نہ تھا۔ تو ایک کپڑا اسے دیا گیا۔(مسند احمد بیهقی ۳/٤٠١)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی کپڑا میسر ہو تو اس میں بھی کفن دیا جا سکتا ہے البتہ کفن کے لئے تین کپڑے ہونے مستحب ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

"كفن النبي ﷺ في ثلاثة اثواب يمانيه ليس فيها قميص ولا عمامة"

نبی ﷺ کو تین یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔

(المنتقى لابن الجارود(٥٢١) واللفظ له الموطا' صحيح البخارى' مسلم٤٥/٩٤١ ابوداؤد ٣١٥١' مسند عائشه لابن ابى دائود٩٦' نسائى٤/٣٥' ترمذى(٩٩٦) ابن ماجه١٤٦٩' مسند احمد٦/١١٨'٢١٤' مسند الطيالسى١٤٥٣' عبدالرزاق٣/٤٢١' بيهقى٣/٣٩٩)

کفن تین کپڑوں سے زائد نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو جو کفن دیا گیا تھا اس کے خلاف ہے اور پھر اس میں مال کا ضیاع بھی ہے۔ عورت کا کفن بھی مرد کی طرح ہے ان دونوں کے کفن میں تفریق پر کوئی

صحیح دلیل موجود نہیں۔ عورت کے کفن کے پانچ کپڑوں کے بارے جو روایات مروی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو احکام الجنائز للشیخ الالبانی رحمہ اللہ ص ۸۵۔

کفن پر قرآنی آیات لکھنا

﴿س﴾ کفن پر قرآنی آیات یا کلمہ وغیرہ کا لکھنا درست ہے؟ کیا حدیث سے ثابت ہے؟

﴿ج﴾ میت کے کفن پر قرآنی آیات' کلمہ شہادت' اہل بیت کے اسماء اور دیگر دعائیہ کلمات لکھنا کسی بھی حدیث مصطفیٰ ﷺ سے ثابت نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوت ہوئے۔ آپ کی بیٹیاں بیٹے' زوجہ محترمہ وغیرہم اس دار فانی سے رخصت ہو گئے آپ ﷺ یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے بارے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ انہوں نے کفن پر دعائیہ کلمات وغیرہ لکھے ہوں اور ظاہر ہے جو کام رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں نہیں ہوا اور نہ ہی خیر القرون میں اس کا کوئی وجود ہے تو وہ بدعت ہی تصور ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهورد"

(صحيح البخاری وغيره)

جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔

امام ابن الصلاح سے سوال کیا گیا:

"في الكفن هل يجوز ان يكتب عليه سورمن القرآن يس والكهف واى سورة اراد اولا يحل هذا خوفاً من صديد الميت

وسیلان مافیه علی الآیات واسماء الله تعالیٰ المبارکه المحترمه الشریفة"

کیا کفن پر قرآنی سورتیں یس ' الکہف یا جو بھی سورت چاہے لکھنا جائز ہے یا یہ حلال نہیں میت کے بدن سے پیپ نکلنے اور آیات مقدسہ اور اسماء مبارکہ پر بہہ جانے کے خوف سے۔ تو انہوں نے جواب دیا: "**لا یجوز ذلک**" یہ جائز نہیں۔

(فتاویٰ ومسائل ابن الصلاح ۱/۲٦۲)

اس فتویٰ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان آیات مقدسات اور اسماء حسنیٰ کی توہین کا پہلو بھی اس میں موجود ہے میت کا وجود پھٹ سکتا ہے یا گل سڑ سکتا ہے اور میت کے بدن سے پیپ نکلنے کی وجہ سے ان اسماء کی توہین ہو سکتی ہے اس لحاظ سے بھی یہ درست نہیں ہے۔ بہر کیف انسان کی نجات عقائد حسنہ اور اعمال صالحہ پر ہے اور جو اس دنیا کی زندگی میں بوئے گا وہی اخروی زندگی میں کاٹے گا قبر اخروی زندگی کا پہلا مرحلہ ہے۔ وہاں پر اعمال ہی کام آئیں گے اور عقائد کی بنا پر نجات ہو گی جو آدمی دنیا کی زندگی میں بہترین عمل کر کے گیا وہ تو سوالوں کے جواب دے گا اور جو یہاں پر اللہ کا باغی تھا' اس کے لیے مشکل ہو گی اور کفن پر لکھی ہوئی تحریریں اس کے کام نہیں آئیں گی۔ جو لوگ عہد نامے' قرآن حکیم' یا دیگر دعاؤں پر مشتمل مجموعے میت کے ساتھ قبر میں رکھ دیتے ہیں یہ بالکل عبث اور کسی کام نہیں آئیں گے ہمیں ایسے اعمال سر انجام دینے چاہئیں جو رسول اللہ ﷺ کی سنت و حدیث سے ثابت ہوں یا قرآن حکیم سے ماخوذ ہوں۔

شیخ البانیؒ جنازے کی بدعات کے تحت لکھتے ہیں:

"کتابه اسم المیت وانه یشهد الشهادتین واسماء اهل البیت علیهم السلام بتربة الحسین علیه السلام إن وجدت والقاء ذلک فی الکـ: کتابة دعاء علی الکفن"

میت کا نام لکھنا اور یہ کہ وہ شہادتین کی گواہی دیتا تھا اور حسین رضی اللہ عنہ کی مٹی اگر پائی جائے تو اس کے ساتھ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے نام لکھ کر کفن میں رکھنا اور کفن پر دعاء لکھنی' یہ سب بدعات و خرافات میں سے ہیں۔(احکام الجنائز وبدعها ص ۳۱۲)

ایصال ثواب میں شبینہ کرانا

س کیا شبینہ کرانا یعنی کسی فوت شدہ آدمی کے ایصال ثواب میں ایک ہر رات میں قرآن پاک کا ختم کرنا جائز ہے۔

(حوالدار محمد اقبال نڈالہ سندھواں گوجرانوالہ)

ج میت کو ثواب پہنچانے کی غرض سے قرآن حکیم پڑھنا اور پڑھوانا رسول مکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں۔ اگر یہ کام مشروع ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور کرتے خصوصاً جب عائشہ رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کو انتہائی محبوب تھیں انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ جب وہ قبروں کی زیارت کو آئیں تو کیا کہیں۔ آپ نے انہیں سلام و دعا سکھلائی اور یہ نہیں سکھلایا کہ تم قرآن حکیم پڑھو یا فلاں فلاں سورۃ پڑھ کر میت کو بخش دو اور یہ موقعہ بیان و وضاحت کا تھا اور اصول فقہ کا بھی مشہور قاعدہ ہے **تاخیر البیان عن وقت الحاجة لایجوز**' ضرورت کے وقت بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں۔ یعنی جب ایک موقعہ و محل کسی چیز کی تعلیم دینے کا ہے اور ضرورت بھی اس بات کی متقاضی ہے تو ایسے وقت پر بیان و توضیح نہ کرنا درست نہیں۔ اور اس حدیث کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ آپؐ نے فرمایا:

"لا تجعلوا بیوتکم مقابر فان الشیطان یضر من البیت الذی یقرأ فیه سورة البقره"

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ یقیناً جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔

(صحیح مسلم' ترمذی' نسائی فضائل قرآن' شعب الایمان' مسند احمد از ابوھریرہ رضی اللہ عنہ)

اس حدیث میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ قبریں قرآۃ قرآن کا محل نہیں۔ اس لیے قرآن گھر میں پڑھنے کے لیے بتایا گیا۔ اگر میت کے لیے قرآن پڑھنا مشروع ہوتا تو اس کا زیادہ مناسب محل قبرستان تھا لیکن اس کی اجازت شرع میں وارد نہیں ہوئی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ قبر کے نزدیک قرآن پڑھنا کیسا ہے تو انہوں نے فرمایا جائز نہیں۔(مسائل ابی داؤد ص ۱۸۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”ولا یحفظ عن الشافعی نفسه فی هذه المسئله کلام وذلك لأن ذلك کان عنده بدعة وقال مالك ماعلمت احدا یفعل ذلك فعلم ان الصحابه والتابعین ماکانوا یفعلونه“۔

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۲)

امام شافعیؒ سے اس مسئلہ کے جواز پر کوئی کلام محفوظ نہیں اور یہ اس لیے کہ یہ کام ان کے ہاں بدعت تھا اور امام مالکؒ نے فرمایا: میں کسی ایک شخص کے بارے میں بھی نہیں جانتا کہ وہ کام کرتا ہو پس معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین یہ کام نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح امام ابن تیمیہؒ نے ”الاختیارات العلمیہ“ میں میت پر مرنے کے بعد قرآن پڑھنا بدعت لکھا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ میت کی خاطر قرآن پڑھنا خواہ کسی گھر میں ہو یا قبرستان میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام اور سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین سے ثابت نہیں

ہے۔البتہ میت کی طرف سے صدقہ، نفلی حج اور اس کے فوت شدہ روزے رکھے جا سکتے ہیں۔اس کے لیے دعا بھی کی جا سکتی ہے۔اس کا نفع مؤحد میت کو ہوتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ "الاختیارات العلمیہ" ص ۵۴ پر رقمطراز ہیں:

"ولم يكن من عادة السلف اذا صلوا تطوعا اوصاموا تطوعا اور حجوا تطوعا اوقرؤا القرآن يهدون ذلك الى اموات المسلمين فلا ينبغي العدول عن طريق السلف فانه افضل و اكمل"

سلف صالحین کی یہ عادت نہیں تھی کہ جب وہ نفلی نماز، روزہ یا حج کرتے ہوں یا قرآن پڑھتے ہوں تو اس کا ثواب مسلمان مردوں کو ہدیہ کرتے ہوں اور سلف کے راستے سے نکلنا اور عدول کرنا درست نہیں اس لیے کہ وہ طریقہ سب سے زیادہ فضیلت والا اور کامل ترین ہے۔

لہٰذا اسلاف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کار کو مدنظر رکھا جائے اور مصنوعی امور سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔ایسی راہ نہ اپنائی جائے جو سلف صالحین کے طریق سے ہٹی ہوئی ہو۔اللہ تعالیٰ خود ساختہ اور جعلی طریقوں سے ہر مسلم کو محفوظ فرمائے آمین۔

قبر پر قرآن پڑھنا

س ہمارے ہاں کسی مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے سورۃ البقرہ کا پہلا رکوع اور قبر کی پائنی کی جانب سورۃ البقرہ کا آخری رکوع پڑھنا رائج ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں راہنمائی فرمائیں۔

(محمد امتیاز خان لغاری۔محمد طارق سہیل لغاری۔محلہ بلوچ نگر مظفر گڑھ)

ج میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات

اور پاؤں کی جانب آخری آیات جو تلاوت کی جاتی ہیں' اس کی بنیاد ایک ضعیف روایت پر ہے جو صاحب مشکوٰۃ نے کتاب الجنائز باب دفن المیت رقم الحدیث (۱۷۱۷) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"اذا مات احدكم فلا تحبسوا و أسرعوا به إلى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحه البقرة وعند رجليه بخاتمة البقره"

(رواه البيهقي في شعب الايمان وقال: والصحيح انه موقوف عليه)

جب تم میں سے کوئی آدمی وفات پا جائے تو اس کو روک کر نہ رکھو اسے اس کی قبر کی طرف جلدی لے چلو اور اس کے سر کی جانب سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات اور پاؤں کی جانب سورۃ البقرہ کی آخری آیات پڑھی جائیں۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے امام بیہقی کی شعب الایمان سے روایت نقل کر کے بعد میں امام بیہقی کا اس پر جو حکم نقل کیا ہے' یہ ہمیں شعب الایمان میں نہیں ملا۔ کیونکہ یہ روایت شعب الایمان میں باب في الصلاة على من مات من اهل القبلة فصل في زيارة القبور رقم (۹۲۹۴) ۷/۱۶ میں موجود ہے۔ اس پر امام بیہقی نے لکھا ہے کہ "لم يكتب الا بهذا الاسناد فيما أعلم وقد روينا القراة المذكورة فيه عن ابن عمر موقوفاً عليه" میرے علم کے مطابق یہ روایت اسی سند کے ساتھ لکھی گئی ہے اور ہمیں اس میں مذکورۃ قراۃ عبداللہ بن عمر سے موقوف روایت کی گئی ہے۔ اور نہ ہی السنن الکبری بیہقی باب ماورد فی قراۃ

القرآن عند القبر ۴/۵۶ میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ یہ مرفوع روایت شعب الایمان کے علاوہ طبرانی کبیر ۲/۲۰۸/۲ اور امام خلال کی ''کتاب القراۃ عند القبور''(ق ۲/۲۵) میں بھی مروی ہے۔

جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ کی تحقیق ثانی ۲/۲۲۳ میں ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں یحییٰ بن عبداللہ بن الضحاک البابلتی ہے۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:''واہ'' کمزور راوی ہے۔ ازدی کہتے ہیں:''الضعف علی حدیثه بین'' اس کی روایت میں کمزوری واضح ہے ابو حاتم فرماتے ہیں''لا یعتدبه'' اسے شمار نہ کیا جائے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں یہ ثقہ راویوں سے معضل روایات بیان کرتا ہے اور ان میں وہم کا شکار ہو جاتا ہے اور جس روایت میں یہ متفرد ہو' اس میں ساقط الاحتجاج ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی روایت میں ضعف نمایاں ہے۔(تہذیب التہذیب ۶/۱۱۵۳ المغنی فی الضعفاء ۲/۵۲۱ میزان الاعتدال ۴/۳۹۰) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں ضعیف ہے۔(تقریب مع تحریر ۴/۹۱) اسی طرح اس کا استاذ ایوب بن نعیک الحلبی مولی آل سعد بن ابی وقاص بھی انتہائی ضعیف ہے۔ اسے ابو حاتم وغیرہ نے ضعیف اور ازدی نے متروک قرار دیا ہے۔(میزان الاعتدال ۱/۲۹۴) امام ذہبیؒ المغنی فی الضعفاء ۱/۱۵۱ میں لکھتے ہیں ''ترکوه'' محدثین نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

ابن ابی حاتم رازی فرماتے ہیں۔

''سمعت ابازرعة يقول: لا احدث لمن ايوب بن نهيك ولم يقرأ علينا حديثه وقال: هو منكر الحديث۔''(الجرح والتعديل ۲/۲۵۹)

میں نے ابو زرعہ رازیؒ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میں ایوب بن نہیک سے روایت بیان نہیں کرتا اور انہوں نے اس کی روایت ہم پر نہیں پڑھی اور فرمایا: وہ منکر الحدیث ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔
اب رہا اس کا موقوف ہونا تو یہ موقوفاً بھی صحیح ثابت نہیں۔ امام بیہقی سے صاحب مشکوٰۃ نے جو اس کا موقوفاً صحیح ہونا نقل کیا ہے اولاً اس کا ثبوت درکار ہے۔ اور ثانیاً یہ روایت السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۵۶ میں عبدالرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن ابیہ کے طریق سے مروی ہے کہ العلاء بن اللجلاج نے اپنے بیٹوں سے کہا جب تم مجھے میری قبر میں داخل کرنے لگو تو مجھے لحد میں رکھو اور کہو: "باسم الله وعلى سنة رسول الله ﷺ" اور میرے اوپر مٹی ڈالو۔ اور میرے سر کے نزدیک سورۃ البقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھو میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ اسے مستحب سمجھتے تھے۔ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ ۲/۳۰۲ میں اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ۳/۴۴ط قدیم رقم (۴۲۴۳) میں طبرانی کبیر ۱۹/۲۲۰ کے حوالے سے یہ روایت درج کی ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

" فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك"

میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنی۔ اس پر علامہ زیلعی نے سکوت اختیار کیا ہے اور علامہ ہیثمی نے کہا ہے۔ "رجالہ موثقون" اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔
لیکن یہ روایت بھی سند کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں عبدالرحمٰن بالعلاء بن اللجلاج شامی مجہول ہے اس سے مبشر بن اسماعیل الحلبی کے سوا کسی نے روایت نہیں کی (میزان الاعتدال ۲/۵۷۹) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب (۳۹۷۵) میں اسے مقبول لکھا ہے اور دکتور بشار عواد اور شیخ شعیب ارناؤط نے تعریر تقریب التھذیب ۲/۳۴۲ میں کہا ہے کہ یہ مجہول ہے۔ اس سے روایت کرنے میں مبشر بن اسماعیل الحلبی متفرد ہے۔ شیخ البانیؒ مشکوٰۃ ۲/۲۲۳ تحقیق ثانی

میں رقمطراز ہیں۔

"والموقوف لا يصح اسناده فيه عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج وهو مجهول"

موقوف کی سند صحیح نہیں اس میں عبدالرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج مجہول ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس روایت کی بنیاد پر یہ رواج ہے وہ نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کی کوئی صحیح سند موجود ہے اور صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ

آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا تجعلوا بيوتكم مقابر ان الشيطان ينفر من البيت الذى تقرأفيه سورة البقره".

(صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا ۷۸۰/۲۱۲)

اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ یقیناً شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ البقرہ پڑھی جاتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھروں میں سورۃ البقرہ پڑھی جائے نہ کہ قبرستان میں یہ حدیث بالکل اسی طرح ہے

جیسے دوسری حدیث میں ہے کہ

"صلوا في بيوتكم ولا تتخذوها قبوراً"

(صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین)

اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور انہیں قبریں نہ بناؤ۔ معلوم ہوا جیسے قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی اسی طرح قرآن بھی نہیں پڑھا جائے

گا۔ لہٰذا مذکورہ رواج پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

تدفین کے بعد میت کے گھر بیٹھنا

س یہ جو ہمارے ہاں رائج ہے کہ مردہ کی تدفین کے بعد وارثین مردہ کے گھر کے باہر چٹائیاں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور تعزیت کے لیے آنے والے فاتحہ خوانی کے لیے کہتے ہیں اور تمام حاضرین ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں اور اسی طرح تین دن ایسے ہی چٹائیاں بچھا کر بیٹھے رہتے ہیں اور لوگ تعزیت کے لیے آتے رہتے ہیں اور وارثین مردہ تمام کاروبار چھوڑ کر بیٹھے رہتے ہیں۔ اس کا کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے کر راہنمائی فرمائیں۔ نیز کتاب وسنت کی روشنی میں تعزیت اور لوگوں کا صحیح طریقہ بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(محمد امتیاز خان لغاری۔ محمد طارق سہیل لغاری)

ج کسی آدمی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد تعزیت کے لیے کسی خاص جگہ' گھر' مسجد اور مقبرہ وغیرھا کا تعین کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

((کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنیعة الطعام بعددفنه من النیاحة))

ہم میت کے دفن کے بعد اہل میت کی طرف اکٹھا ہونا اور کھانا پکانا نوحہ میں سے شمار کرتے تھے۔

علامہ البانیؒ اہل میت کے ہاں بعض امور سے اجتناب کے بارے لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"الاجتماع للتعزیة فی مکان خاص کالدار او المقبره او المسجد"

کسی خاص مکان جیسے گھر یا مقبرہ یا مسجد میں تعزیت کے لیے اجتماع کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔(احکام الجنائز ص: ۲۱۰)

پھر اس کے بعد جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ والی مذکورہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

اور اس حدیث کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واكره الماتم وهى الجماعة وان لم يكن لهم بكاء فان ذلك يجدد الحزن ويكلف المؤنة مع ما مضى فيه من الاثر))۔

(كتاب الام باب القيام للجنازة ۱/۳۱۸)

میں ماتمی اجتماع کو مکروہ سمجھتا ہوں اگرچہ ان کے لیے آہ و بکاء نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ چیز غم کو تازہ کرتی ہے اور تکلیف کو بڑھاتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔

امام اسحاق بن ابراہیم بن ھانیؒ جو امام احمد بن حنبلؒ کے اجل تلامذہ میں سے تھے کہتے ہیں:

((سئل الامام احمد رحمه الله عن البيتوتة عند اهل الميت قال: أكرهه))۔(مسائل ابن هانی: ۹٦۱)

امام احمدؒ سے اہل میت کے ہاں رات بسر کرنے کے بارے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں۔

امام رافعیؒ ''شرح الوجیز'' میں تعزیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"هى سنة ويكره الجلوس لها"

تعزیت کرنا سنت ہے اور اس کے لیے بیٹھنا مکروہ ہے۔

(روضة الطالبين ۲/۱٤٤)

امام نوویؒ رقمطراز ہیں:

((اما الجلوس للتعزية فنص الشافعي و المصنف و سائر الاصحاب علی کراهته و نقله الشيخ ابو حامد فی التعليق و آخرون عن نص الشافعي قولوا يعني بالجلوس لها ان يجتمع اهل الميت فيقصدهم من ارادا التعزية قولوا: بل ينبغي ان ينصرفوا فی حوائجهم فمن صادفهم عزاهم ولا فرق بين الرجل و النساء فی كراهة الجلوس لها۔))(المجموع ٥/٣٠٦)

خلاصہ کلام اس عبارت کا یہ ہے کہ امام شافعی اور صاحب کتاب اور دیگر اصحاب شوافع تعزیت کے لیے بیٹھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اہل میت اپنی ضروریات اور کاموں میں لگے رہیں اور جو آدمی انہیں ملے ان سے تعزیت کرے۔ مردوں اور عورتوں کے لیے تعزیت کے لیے بیٹھنے کی کراہت میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی تعزیت کی خاطر عورتیں اکٹھی ہو کر بیٹھیں یا مرد دونوں کے لیے مکروہ ہے۔

امام ابوالمظفر ابن ھبیرۃ لکھتے ہیں:

((فاما الجلوس للتعزية فقال مالك و الشافعي و احمد هو مكروه ولم نجد عن ابی حنيفه نصاً فی هذا))

(الافصاح عن معانی الصحاح ١/١٥١)

تعزیت کے لیے بیٹھنے کو امام مالک' امام شافعی اور امام احمد نے مکروہ قرار دیا ہے اور امام ابو حنیفہ سے اس کے متعلق ہمیں کوئی نص نہیں ملی۔ مذکورہ توضیح سے معلوم ہوا کہ تعزیت کے لیے جو رواجی طریقہ موجود ہے' اس کے بارے میں کوئی صحیح حدیث' اثر صحابی اور ائمہ اربعہ وغیرھم سے کس طرح کا جواز کہیں بھی مروی نہیں بلکہ ائمہ محدثین کے ہاں یہ مکروہ ہے اور جب مطلق طور پر مکروہ کا لفظ بولا جائے تو حرام ہی مراد ہوتا ہے جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے۔ نیز تعزیت

کے لیے تین دنوں کا تعین بھی نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ عوام میں جو یہ روایت متداول ہے کہ "لا عزاء فوق ثلاث" تین دنوں سے اوپر تعزیت نہیں۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے کیونکہ صحیح حدیث میں تین دنوں کے بعد تعزیت ثابت ہے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((ان النبی ﷺ امهل آل جعفر ثلاثا ان یاتیهم ثم آتاهم........... الحدیث))

بے شک نبی ﷺ آل جعفر کے ہاں آنے سے تین دن تک رکے رہے پھر اس کے بعد ان کے ہاں آئے۔

(ابوداؤد کتاب الترجل باب فی حلق الراس(٤١٩٢) مسند احمد ٢٧٩/٣(١٧٥٠) طبقات ابن سعد٤/٣٦-٣٧ نسائی کبریٰ(٨٦٠٤) الآحادو المثانی(٤٣٤) سنن النسائی(٥٢٤٢)

معلوم ہوا کہ تعزیت کے لیے تین دن خاص نہیں ہیں بلکہ تین دنوں کے بعد بھی جب مناسب خیال کرے' تعزیت کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے گھر والوں کے ہاں آنے سے تین دن تک رکے رہے پھر تشریف لائے۔ تعزیت ایسے الفاظ سے کرے جو اہل میت کے لیے تسلی کا باعث ہوں اور ان کے غم و دکھ کو ہلکا کریں اور انہیں صبر و تحمل کی نصیحت کرتے۔ نبی کریم ﷺ جب کسی کے لیے تعزیت کرتے تو اسے صبر و تحمل اور نیکی کے کاموں کی تلقین کرتے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی طرف ان کی بیٹی نے پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا وفات کے قریب ہے آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔

آپ نے سلام بھیجا اور کہا:

﴿ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل عندہ بأجل مسمی﴾

یقیناً اللہ کے لیے ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا کیا اور ہر چیز کا اس کے ہاں وقت مقرر ہے۔ اسی لیے تم صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز(١٢٨٤) مسند طیالسی (٦٣٦) مسلم(٩٢٣) ابوداؤد(٣١٢٥) ابن ماجه(١٥٨٨) نسائی(١٨٦٧) ابن حبان(٤٦١) شرح السنة(١٥٢٧)٥/٤٢٦)

یہ تعزیت کے الفاظ اگرچہ قریب المرگ کے بارے وارد ہوئے ہیں لیکن مرنے والے کے حق میں زیادہ اولیٰ ہیں۔

اسی لیے امام نوویؒ نے کہا ہے:((احسن ما یعزی به)) یہ حدیث زیادہ بہتر ہے' ان کلمات کے بارے میں جن سے تعزیت کی جاتی ہے۔ (کتاب الاذکار رقم (۴۶۷) اس لیے بہتر تو یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ تعزیت کرے اور اگر یہ الفاظ یاد نہ ہوں تو جو الفاظ تسلی و صبر کے لیے مناسب سمجھے کہہ دے۔ سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین سے مختلف حسب حال الفاظ منقول ہیں جن کی تفصیل کے لیے امام نوویؒ کی کتاب الاذکار ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۱ طبع اولیٰ بیروت ملاحظہ ہو۔

اور لکھتے ہیں

((واما لفظة التعزية فلا حجر فيه فبأى لفظ عزاه حصل))

تعزیت کے لیے الفاظ میں کوئی تنگی نہیں جس بھی لفظ سے تعزیت کرے مقصود حاصل ہو جائے گا۔

نیز دیکھیں احکام الجنائز للشیخ البانیؒ رقم المسئلہ ١٠٩ ص ٢٠٦۔

لہٰذا اہل میت تین دن تک چٹائیاں بچھا کر اس غرض سے نہ بیٹھے رہیں کہ تعزیت کے لیے لوگ آئیں گے بلکہ وہ اپنے کام کاج کریں۔ جو شخص بھی تعزیت کے لیے ملے' اس سے ہم کلام ہوں اور تعزیت کرنے والے مناسب حال الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے صبر ورضا کی تلقین کریں۔

كتاب الزكوٰة

زکوۃ مجاہدین کے لیے

(س) کیا مجاہدین کو زکوۃ دی جا سکتی ہے یا کہ نہیں، دلائل سے واضح کریں؟۔

(ایم۔وائی گلیاتی پاکستان نیوی کراچی)

(ج) مجاہدین فی سبیل اللہ کو زکوۃ دینا شرعی طور پر درست اور جائز ہے اللہ تبارک وتعالی نے مصارف زکوۃ بیان کرتے ہوئے پوری ایک مد مجاہدین کے لئے رکھی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾(التوبہ :60)

"صدقات صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کے دل پر چائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں کیلئے) اور مسافروں کے لئے فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالی علم والا حکمت والا ہے۔"

اس آیت مجیدہ میں آٹھ مصارف زکوۃ کا ذکر کیا گیا ہے جن میں ایک فی سبیل اللہ ہے۔فی سبیل اللہ کا مصرف جو باقی سات کے مقابلہ میں ذکر ہوا ہے اس سے بالاتفاق جہاد مراد ہے۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" وَاَمَّا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْهُمُ الْغُزَاةُ الَّذِيْنَ لَا حَقَّ لَهُمْ فِي الدِّيْوَانِ "

(تفسیر ابن کثیر ص616مطبوعہ دارالسلام ریاض)

"فی سبیل اللہ میں وہ مجاہدین غازی داخل ہیں جن کا (سرکاری) دفتر میں کوئی حق نہیں ہوتا۔"

ابن عبدالحکم فرماتے ہیں:

" ویجعل من الصدقة فی الکراع والسلاح وما یحتاج الیه من آلات الحرب وکف العدو عن الحوزة لأنه کله من سبیل الغزو ومنفعته"(البحر المحیط 60/5)

''صدقہ وزکوۃ میں سے گھوڑے' خچر' گدھے' اسلحہ اور آلات حرب میں سے جس کی ضرورت ہو بنائے جائیں گے اور دشمن کو سرحدوں سے روکنے کے لیے۔ اس لیے کہ یہ تمام آشیاء لڑائی کی راہ میں اور اس کی منفعت میں سے ہیں۔''

امام ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں۔ امام مالک نے کہا:

" سبل الله کثیرة ولکنی لاأعلم خلافا فی ان المراد بسبیل الله هاهنا الغزو من جملة سبیل الله "(احکام القرآن 969/2)

''اللہ کے راستے بہت سارے ہیں لیکن میں اس کے بارے نہیں جانتا کہ کس نے اس بات میں اختلاف کیا ہو کہ یہاں سبیل اللہ سے مراد لڑائی یا غزوہ ہے۔''

یعنی اس آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد بالاتفاق غزاوات سبیل اللہ ہیں ان پر زکاۃ صرف کرنا بالکل صحیح ہے۔

عصر حاضر میں کتنے ہی ایسے بھائی ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنا سب کچھ وقف کر چکے ہیں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کفار سے برسر پیکار ہیں۔

ان کی خدمت کرنا اور آلات حرب خرید کر دشمنان دین کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔

اس لئے مجاہدین کی زکاۃ فنڈ سے امداد کرنا بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ جتنا کفر مجاہدین سے خائف ہے اتنا دیگر مسلمانوں سے نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں مجاہدین کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے اور ان کا ساتھ نصیب

فرمائے۔ آمین

گداگروں کو صدقہ و خیرات دینا کیسا ہے؟

﴿س﴾ گداگروں یعنی فقیروں کے بارے میں جو بھیک مانگتے ہیں بتائیں کہ کن کو صدقہ دینا جائز ہے اور کن کو دینا ناجائز ہے مکمل وضاحت کریں؟

(عرفان افضل۔ بھلوال ضلع سرگودھا)

﴿ج﴾ اللہ وحدہ لاشریک لہ نے صدقات و خیرات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (البقرة: 273`272)

''اور جو بھی تم بھلی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے۔ تمہیں صرف اللہ کی رضامندی طلب کرنے کے لیے خیرات کرنی چاہئے اور جو بھی تم بھلی چیز خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ صدقات کے مستحق صرف وہ فقراء ہیں جو اللہ کی راہ (جہاد) میں روک دیے گئے۔ جو زمین میں (کاروبار وغیرہ) کے لیے چل پھر نہیں سکتے' نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں' آپ ان کی علامت سے انہیں پہچان لیں گے۔ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم جو کچھ مال خرچ کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ اسے جاننے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہمارے صدقات و خیرات اور اموال کے مستحق وہ

لوگ ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں روکے گئے ہیں اور اتنے فقراء محتاج ہیں کہ ضرورت کے ہوتے ہوئے بھی لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر دست سوال دراز نہیں کرتے کیونکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا ان کی خود داری اور عزت نفس کے خلاف ہے اس آیت کریمہ میں فقیر وغریب کے وصف جو ذکر کیے گئے ہیں وہ انتہائی قابل توجہ ہیں۔

(۱) التعفف (۲) الحاف

تعفف کا مطلب سوال سے بچنا یعنی فقر وغربت کے باوجود لوگوں سے سوال کرنے سے گریز کریں گے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ میں بھیک مانگنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"لَاَنْ يَأْخُذَ اَحَدُكُم حَبْلَهُ فَيَاتِي الْجَبَلَ فَيَجِيئُ بِحَزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَسْتَغْنِيَ بِثَمَنِهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ"

(سنن ابن ماجه كتاب الزكاة باب كراهية المسئلة (1836) واللفظ له ـ صحيح البخاری كتاب الزكاة باب الاستعفاف عن المسئلة (1471) مسند احمد 164/1' 167)

''تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی پکڑ کر پہاڑ پر جائے اور اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا لاد کر لائے اور اسے فروخت کر کے اس کی قیمت پر قناعت کرے تو اس کے حق میں لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے لوگ اسے دیں یا نہ دیں۔''

یہی حدیث ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے:

(صحيح البخاری كتاب الزكاة باب الاستعفاف عن المسئلة (1470 وغيره) مسلم الموطا للمالك' نسائی كتاب الزكاة باب المسئله (2583) مسند احمد 2/257'300' 395'418'496 وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وَمَنْ يَتَقَبَّلُ لِي بِوَاحِدَةٍ وَاتَقَبَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ؟ قُلْتُ اَنَا قَالَ: لَا تَسْأَلِ
النَّاسَ شَيْئًا “ قَالَ فَكَانَ ثَوْبَانُ يَقَعُ سَوْطُهُ وَهُوَ رَاكِبٌ ، فَلَا يَقُوْلُ لِاَ
حَدٍ :نَاوِلْنِيهِ حَتّٰى يَنْزِلَ فَيَاخُذَهُ “

(سنن ابن ماجه كتاب الزكاة باب كراهية المسئلة (1837)واللفظ له ابو داؤد كتاب الزكاة باب كراهية المسئلة (1643)نسائی كتاب الزكاة باب فضل من لا يسال الناس شيئا(2589)مستدرك حاكم 412/1'الترغيب والترهيب 581/1)

”جو شخص میری ایک بات قبول کر لے میں اس کے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ میں نے کہا' میں قبول کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں سے کسی چیز کا بھی سوال نہ کر' ثوبان رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ وہ سوار ہوتے اور ان کو کوڑا گر جاتا تو وہ کسی سے یہ نہ کہتے کہ میرا کوڑا مجھے پکڑا دو بلکہ خود اتر کر اٹھاتے۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ سَالَ 'وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ 'جَاءَ تْ مَسْئَلَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُدُوْشًا اَوْ
خُمُوْشًا اَوْ كُدُوْحًا فِي وَجْهِهِ “ قِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَا يُغْنِيهِ ؟
قَالَ ”خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهُ مِنَ الذَّهَبِ “

(صحيح ابن ماجه كتاب الزكاة باب من سال عن ظهر غنى (1502)سلسلة الاحاديث الصحيحة (499)نسائی كتاب الزكاة باب حد الغنى (2591)ابو داؤد كتاب الزكاة باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى (1626)ترمذى كتاب الزكاة باب ما جاء من تحل له الزكاة (650'651)

”جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے کفایت کرتا ہے تو قیامت کے دن وہ سوال اس کے چہرے پر چھلا ہوا نشان بن کر آئے گا۔ سوال کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ آدمی کو کتنا مال کفایت کرتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: پچاس درھم یا اتنی قیمت کا سونا۔''

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنا معیوب ہے کوئی خوددار انسان اسے پسند نہیں کرتا جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اسے کفایت کرتا ہو پھر بھی وہ بھیک مانگے تو اس کا بھیک مانگنا قیامت کے دن اس کے منہ پر زخم کا نشان ہوگا اور جو آدمی مسلسل بھیک مانگتا رہتا ہے قیامت والے دن اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا زَالَ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَاتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ "

(صحیح البخاری کتب الزکاۃ باب من سال الناس تکثرا (1484)صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب کراھۃ المسئلہ للناس 103`104/1040)نسائی کتاب الزکاۃ باب المسئلۃ (2584)

''آدمی لوگوں سے ہمیشہ سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت والے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔''

لہٰذا لوگوں سے بھیک مانگنے سے بچنا چاہئے جو آدمی لوگوں سے بھیک مانگنے سے بچنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے توفیق عطا کر دیتا ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض انصاری صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا آپ ﷺ نے انہیں دے دیا انہوں نے پھر سوال کیا آپ ﷺ نے انہیں دے دیا۔ انہوں نے پھر سوال کیا آپ ﷺ نے انہیں دے دیا' یہاں تک کہ جو کچھ آپ ﷺ کے پاس تھا ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ ' وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً

خَيْرًا اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ "

''جو کچھ میرے پاس مال ہوتا ہے میں اسے یتیم سے روک کر نہیں رکھتا جو شخص سوال سے بچاؤ طلب کرتا اللہ تعالی اسے بچالیتا ہے اور جو غنا طلب کرتا ہے اللہ اسے غنا دے دیتا ہے اور جو صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے۔کسی شخص کو صبر سے بڑھ کر وسیع اور خیر والی چیز نہیں دی گئی۔''

(صحیح البخاری کتاب الزکاۃ باب الاستعفاف عن المسئلۃ 1469صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب فضل التعفف والصبر (1053/124)ترمذی کتاب البر والصلۃ باب ما جاء فی الصبر (2024)نسائی کتاب الزکاۃ باب الاستعفاف عن المسئلہ (2587)ابو داؤد کتاب الزکاۃ باب فی الاستعفاف (1644)

لہٰذا ہر مسلم کو اللہ تعالی سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے اور بھیک مانگنے سے بچا کر رکھے اور وہ مسلم کامیاب ہے جو اپنے رزق پر قناعت کرے اور کسی سے سوال نہ کرے۔جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كِفَافًا وَقَنَعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ "

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب فی الکفاف والقناعۃ (154/125سنن ابن ماجہ (4138)ترمذی (2348)شرح السنۃ 240/14مسند احمد 168/2`173بیہقی 196/4حلیۃ الاولیاء 129/6)

''کامیاب ہو گیا وہ شخص جو اسلام لایا اور حسب ضرورت روزی دیا گیا اور جو اللہ تعالی نے اسے عطا کیا اس پر اسے قناعت کی توفیق بخشی۔''

لہٰذا بہترین مسلمان وہ بھی ہے جو حسب ضرورت روزی دیا گیا تو اس نے اس پر ہی قناعت کی اور لوگوں سے بھیک نہیں مانگی'اللہ تعالیٰ ہمیں بھیک مانگنے سے محفوظ فرمائے اور

جتنی روزی وہ عطا کرے اس پر قناعت کی توفیق بھی عطا کرے۔

اور اگر ماتحت الاسباب سوال کرنے سے کوئی چارہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے سوال کرلیا جائے کیونکہ نیک لوگ جو صدقہ وخیرات سے کام لیتے ہیں وہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے فقراء ومساکین کا تعاون کرتے ہیں اور سائل کو محروم نہیں کرتے۔ عام دنیا دار لوگ اگر ایک آدھ بار تعاون کر بھی دیں تو وہ لوگ انسان کی عزت نفس اور خودداری کو مجروح بھی کر دیتے ہیں جب کہ خوف خدا رکھنے والے لوگ انسان کی محتاجی اور فقر سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتے حتی کہ کسی موقع پر کیے ہوئے اپنے تعاون کو جتلانے تک نہیں۔ اس سے انسان کی حرمت وعزت بھی محفوظ رہتی ہے جس طرح انصار صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا۔ (واللہ اعلم)

الحاف:

سورۃ البقرہ کی اس آیت کریمہ میں مسکین کی دوسری صفت ''الحاف'' بیان ہوئی ہے یعنی وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے الحاف کے معنی کیے ہیں، بالکل سوال نہ کرنا کیونکہ ان کی پہلی صفت ''عفت'' بیان کی گئی ہے۔ (فتح القدیر) اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح وزاری نہیں کرتے اور جس چیز کی انہیں ضرورت نہیں ہے اسے لوگوں سے طلب نہیں کرتے اس لیے کہ الحاف یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے کے باوجود (بطور پیشہ) لوگوں سے مانگے (تفسیر احسن البیان ص 154)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ بِهٰذَا الطَّوَّافِ الَّذِیْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ، فَتَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ'' قَالُوْا: فَمَا الْمِسْكِيْنُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الَّذِیْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَسْئَلُ النَّاسَ شَيْئًا''

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب المسکین الذی لا یجد غنی ولا یفطن له فیتصدق علیه (1039/11)والـلفظ له صحیح البخاری کتاب الزکاۃ باب قول الله عزو جل (لا یسألون الناس الحافا)(1476)

''مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دو دو لقمے یا ایک ایک دو دو کھجور کے لئے لوگوں کے در پر جا کر سوال کرتا ہے۔صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے کہا یا رسول اللہ ﷺ پھر مسکین کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''مسکین وہ ہے جو حسب ضرورت مال نہیں پاتا اور اس کا ادراک نہیں کیا جاتا کہ اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ ہی وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے۔''

صحیح مسلم میں مذکورہ باب کے تحت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے اس طرح بھی روایت مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''لَیۡسَ الۡمِسۡکِیۡنُ الَّذِیۡ تَرُدُّہُ التَّمۡرَۃُ وَالتَّمۡرَتَانِ وَلَا اللُّقۡمَۃُ و اللُّقۡمَتَانِ اِنَّمَا الۡمِسۡکِیۡنُ الۡمُتَعَفِّفُ اِقۡرَئُوۡا اِنۡ شِئۡتُمۡ (لا یسالون الناس الحافا)''

''مسکین وہ نہیں جو ایک ایک دو دو کھجور یا ایک ایک دو دو لقمے کے لیے دردر پھرتا ہے مسکین تو وہ ہے جو سوال کرنے سے بچتا ہے اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھو (کہ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے)''۔

نیز دیکھیں صحیح البخاری کتاب التفسیر باب (لا یسالون الناس الحافا (4539)

الحاف کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی چند ایک احادیث صحیحہ ملاحظہ ہوں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لَا تُلۡحِفُوۡا فِی الۡمَسۡئَلَةِ فَوَاللّٰهِ لَا یَسۡاَلُنِیۡ اَحَدٌ مِنۡکُمۡ شَیۡئًا فَتُخۡرِجُ لَهُ مَسۡئَلَتُهُ مِنِّیۡ شَیۡئًا وَاَنَا کَارِهٌ فَیُبَارِکُ لَهُ فِیۡمَا اَعۡطَیۡتُهُ''

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب النهی عن المسئلة (1038/99)نسائی کتاب الزکاۃ باب الالحاف فی المسئلة (2592)مسند حمید 98/4، بیهقی 196/4، مستدرک حاکم

62/2'طبرانی کبیر 348/19'حلیۃ الاولیاء 81/4)

"گڑگڑا کر اور چمٹ کر سوال نہ کرو' اللہ کی قسم! تم میں سے جو کوئی مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے اور اس کا سوال مجھ سے کوئی چیز نکلوا لیتا ہے اور میں اسے ناپسند کر رہا ہوتا ہوں تو جو میں اس کو دیتا ہوں اللہ اس میں برکت نہ دے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ الحاف یعنی کسی کے سامنے الحاح وزاری کر کے اور چمٹ کر سوال کرنا منع ہے۔ جس شخص کے پاس چالیس درھم ہوں پھر وہ لوگوں سے گریہ وزاری کر کے سوال کرے تو وہ ملحف ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"سَرَّحَتْنِیْ اُمِّیْ اِلٰی رَسُوْلِاللّٰہِ ﷺ فَاَتَیْتُهُ وَقَعَدْتُ فَاسْتَقْبَلَنِیْ وَقَالَ: مَنِ اسْتَغْنٰی اَغْنَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَمَنِ اسْتَعَفَّ اَعَفَّهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَمَنِ اسْتَكْفٰی كَفَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ 'وَمَنْ سَاَلَ وَلَهُ قِيْمَتُهُ اُوْقِيَةٌ فَقَدْ اَلْحَفَ فَقُلْتُ: نَاقَتِي الْيَاقُوْتَةُ خَيْرٌ مِّنْ اُوْقِيَةٍ' فَرَجَعْتُ وَلَمْ اَسْاَلْهُ"

(نسائی کتاب الزکاۃ باب من الملحف" (2594)ابو داؤد کتاب الزکاۃ باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی (1628)صحیح ابن خزیمہ (2447)صحیح ابن حبان (846موارد)مسند احمد 7/3'بیہقی 24/7)

"میری ماں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کیا میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور بیٹھ گیا آپ ﷺ میری طرف منہ کر کے بیٹھ گئے اور فرمایا "جو شخص لوگوں سے بے پرواہی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بے پرواہ کر دے گا اور جو شخص سوال سے بچے گا اللہ تعالیٰ اسے بچائے گا اور جو تھوڑے پر کفایت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کفایت دے گا اور جو شخص سوال کرے گا اور اس کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درھم) کے برابر مال ہو گا تو اس نے الحاف کیا۔ میں نے دل میں کہا میری یاقوتہ اونٹنی ایک اوقیہ سے بہتر ہے میں واپس پلٹ آیا اور آپ ﷺ

سے سوال نہ کیا۔"

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ سَأَلَ وَلَهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا فَهُوَ الْمُلْحِفُ"

(نسائی کتاب الزکاۃ باب من الملحف (2093)بیہقی 24/7)

"جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس چالیس درھم ہوں تو وہ ملحف ہے یعنی لوگوں سے چمٹ کر سوال کرنے والا ہے۔"

بنو اسد میں سے ایک آدمی نے کہا میں اور میرے گھر والے بقیع الغرقد (مدینہ کے قبرستان کا نام) میں اترے تو میری اہلیہ نے مجھے کہا رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر کھانے کے لیے کسی چیز کا سوال کر۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا تو آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی کو میں نے پایا جو آپ ﷺ سے سوال کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اسے کہہ رہے تھے میرے پاس کچھ نہیں ہے جو تجھے دوں۔ وہ ناراض ہو کر پیٹھ پھیر کر چلا اور کہنے لگا قسم ہے مجھے عمر دینے والے کی! تم اسی کو دیتے ہو جس کو چاہتے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا" یہ شخص مجھ پر غصے ہوتا ہے اس بات پر کہ میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

"من سال منکم وله اوقية او عدلها فقد سال الحافا "جس آدمی نے تم میں سے سوال کیا اور اس کے پاس ایک اوقیہ (40 درھم) یا اس کے برابر مال ہوا تو اس نے چمٹ کر (ناحق) سوال کیا۔ اسدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دل میں کہا: میرے پاس تو ایک اونٹنی چالیس درھم سے بہتر ہے میں واپس پلٹ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے سوال نہ کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس جو اور خشک انگور آئے آپ ﷺ نے ہمیں بھی اس میں سے ایک حصہ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنی کر دیا۔

"نسائی کتاب الزکاۃ باب اذا لم یکن عندہ دراھم و کان له عدلها (2595)ابو داؤد کتاب الزکاۃ باب من یعطی الصدقة وحد الغنی (1627)مسند احمد 4/36`430/5بیہقی 24/7`الموطا للمالك کتاب الصدقة باب ما جاء فی التعفف من المسئلة)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ مسکین اور فقیر وہ ہے جس کے پاس حسب ضرورت اخراجات نہیں ہیں اور وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال بھی نہیں کرتا اور ناواقف و نادان اس کے چہرے کی چمک دیکھ کر اسے مالدار تصور کر لیتا ہے اور عام طور پر معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ آدمی صدقہ وخیرات کے لائق ہے اور جس شخص کے پاس 40 درھم یا اس کی مقدار مالیت ہو تو وہ اس کی ضرورت کو کفایت کر جاتا ہے اور وہ ملحف یعنی (چمٹ کر سوال کرنیوالا) نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال پر قناعت کر لیتا ہے۔

عصر حاضر میں لاری اڈوں' بازاروں اور گلی کوچوں میں گھومنے والے بھکاری اور گداگر پیشہ ور لوگ ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو محنت مزدوری کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے بدن میں اتنی سکت اور ہمت رکھی ہے کہ اگر وہ اسے کام میں لائیں تو سوال کرنے سے بچ سکتے ہیں لیکن یہ لوگ حصول مال کے لیے محنت و مزدوری سے جی چرا کے آسان راستہ اختیار کرتے ہیں اور حرام و حلال کی تمیز کے بغیر ہر طریقے سے مال اکٹھا کرنے میں مصروف ہیں اور بہت سارے ایسے لوگ ہیں جن کا پورا کنبہ ہی در در کا بھکاری اور سوالی بنا ہوا ہے۔

نوجوان عورتیں اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے لاری اڈوں کی خاک چھان رہی ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی رو سے یہ لوگ صدقات وعطیات کے مستحق معلوم نہیں ہوتے۔ مال وزر والے افراد اور احسان و نیکی کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ صاحب حاجات اور صدقات و خیرات کے مستحق افراد کو پہچان کر ان پر اپنے اموال صرف کریں اور یقیناً حاجت مند مسلم افراد اللہ کے دین کے حامل ہوں گے اور نماز' روزہ وغیرہ جیسی عبادات سرانجام دیتے ہوں گے کیونکہ وہ تو ذلت وخواری سے بچنے کے لیے کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے اور نہ ہی ان کی خودداری اور عزت نفس انہیں اس بات کی اجازت دیتی ہے جب کہ پیشہ ور بھکاریوں میں تو بہت سارے ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو کہ مسکر اور نشہ آور اشیاء خرید کر استعمال کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے تعاون تو گناہ پر تعاون ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم 113/7 میں فرمایا ہے کہ:

"واختلف اصحابنا فی مسئلة القادر علی الکسب علی وجھین اصحھما :انھا حرام لظاھر الاحادیث والثانی :حلال مع الکراھة بثلاثة شروط :الا یذل نفسه 'ولا یلح فی السوال ولا یوذی المسئول فان فقد احد ھذہ الشروط فھی حرام بالاتفاق "

"جو شخص کمائی پر قادر ہے اس کے سوال کرنے کے متعلق دو وجھوں سے ہمارے اصحاب نے اختلاف کیا ہے ان سے صحیح ترین بات یہ ہے کہ اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے ظاہر احادیث کی وجہ سے 'دوسری بات یہ ہے کہ کراہت کے باوجود تین شرطوں کے ساتھ حلال ہے :(۱) وہ اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ (۲) اور نہ ہی سوال کرنے میں گریہ وزاری سے کام لے (۳) اور نہ ہی جس سے سوال کرتا ہے اسے تنگ کرے۔ اگر تین شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگئی تو سوال کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

عصر حاضر کے بھکاری تو دردر کی ذلت ورسوائی بھی اٹھاتے ہیں اور مانگتے وقت انتہاء درجے کی گریہ وزاری کرتے ہیں اور لوگوں کو تنگ بھی کرتے ہیں' انہیں اگر کہا جائے بھائی معاف کرو تو پھر بھی جان نہیں چھوڑتے لہٰذا ان کا سوال کرنا تو کسی صورت بھی صحیح نہیں۔ اس لیے ہمیں چاہئے کہ جو صحیح شرعی لحاظ سے مسکین ہو اس کی معاونت کریں تا کہ اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو اور پیشہ ور گداگروں کی حوصلہ شکنی ہو۔

آل رسول کے لیے صدقہ وزکوۃ

﴿س﴾ کیا سید اور آل رسول کو صدقہ وزکوۃ دی جاسکتی ہے؟

(عبید اللہ طاہر۔ فاروقہ سرگودھا)

ج زکوٰۃ وصدقات کے اصل حق دار آٹھ ہیں جن کا ذکر سورۃ توبہ کی آیت نمبر 60 میں موجود ہے اور ان میں سید اور آل رسول نہیں ہیں کیونکہ ان کے لیے زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

"وان هالاتحل لمحمد ولا لآل محمد صلى الله عليه وسلم"

صدقہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں۔ (صحیح مسلم)

لہٰذا جو بھی رسول اللہ ﷺ کے خاندان کا ہے خواہ مرد ہو یا عورت' اس کے لیے صدقہ و زکوٰۃ حلال نہیں

كتاب الصيام

کیا زبان سے روزہ رکھنے کی نیت کرنا درست ہے؟

س: رمضان المبارک سے پہلے چھپنے والے تاجرانہ کیلنڈروں پر روزہ کھولنے کی نیت کے الفاظ کے ساتھ روزہ رکھنے کے الفاظ عموماً دیکھے ہیں ان کی شرعی حیثیت کے متعلق قرآن وسنت کے دلائل سے واضح فرمائیں۔ (محمد الفت۔قصور)

ج: ہر سال رمضان المبارک کے آنے سے قبل ہی افطاری وسحری کے اوقات کے تجارتی کیلنڈر شائع ہو کر تقسیم ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ جن پر اوقات نامہ روزہ رکھنے کی نیت: "وبصوم غد نویت من شهر رمضان" کے الفاظ بھی عموماً دیکھے گئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے کل کے رمضان کے روزے کی نیت کی۔

جہاں تک نیت کا تعلق ہے تو تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً اگر نماز کی نیت کی طرح روزہ کی نیت نہ کی گئی اور روزہ جیسی پابندیاں اپنے اوپر عائد کر لیں اور اس کے لوازمات کو بھی ادا کرنے میں سارا دن کوئی کوتاہی نہ کی، تو پھر بھی روزہ نہ ہوگا بلکہ فاقہ ہوگا جس کا اس کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

حدیث نبوی ہے:

((عَنْ حَفْصَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ وَلَا صِيَامَ لَهُ))

(ابو داؤد کتاب الصوم باب النية في الصيام (2454) ترمذی کتاب الصوم باب ما جاء لا صيام لمن لم يعزم من الليل (730) نسائی کتاب الصیام 2332 دارمی (1705)

"ام المومنین حفصہ زوجۃ النبی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا کوئی روزہ نہیں ہے۔ تمام عبادات میں نیت ضروری ہے چاہے نماز ہو، زکوۃ ہو یا روزہ۔"

حدیث نبوی ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ))"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اعمال کی دو اقسام ہیں۔

(۱) وہ اعمال جو اصل مقصد کے لئے ہوں جیسے نماز، روزہ وغیرہ کی نیت ضروری ہے اگر نیت نہ کی جائے گی تو باطل ہونگے۔

(۲) وہ اعمال جو اصل مقصد کے لئے تو نہیں لیکن اصل مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہوں جیسے وضو اور غسل ہے ان کی نیت اگر نہ بھی کی جائے تو درست ہوگی۔

آخر الذکر مسئلہ میں حکم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی رائے اور قیاس تک محدود ہے ادلہ الشریعہ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور نہ ہی کوئی دلیل اس مسئلہ کی مؤید ہے کیونکہ "انما الاعمال بالنیات" کے الفاظ مطلق اعمال پر دلالت کررہے ہیں اس سے کوئی عبادت بھی (چاہے وہ واسطہ ہو یا بذات خود عبادت) مستثنیٰ نہیں ہے۔

روزے میں نیت احناف کے نزدیک بھی ضروری ہے مگر مروجہ نیت من گھڑت اختراعی اور ایجاد کردہ ہے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ سے جو ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نیت زبان سے ادا نہیں ہوتی بلکہ اس کا محل دل ہے دل سے نیت ضروری ہے اس بات کی شہادت فقہ کی کتب معتبرہ میں بھی موجود ہے کہ محلها القلب یعنی نیت کا محل دل ہے نہ کہ زبان۔ لیکن بالفرض اگر یہ الفاظ زبان سے ادا بھی کئے جائیں تو نیت تو نہ رہی بلکہ کلام بن گئی۔ جس کا جواب کہیں موجود نہیں ہے۔

جملہ عبادات مثلاً طہارت، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ میں بالاتفاق محل نیت دل ہے زبان نہیں ہے۔

نیت کا معنی ومفہوم:

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نیت معنوی اعتبار سے کچھ جواز کی حامل ہے یا کہ نہیں۔

لغوی معنی: لغات کی کتب منجد اور قاموس وغیرہ میں نیت کے معانی دل کے قصد اور

عزم کے ہیں ۔دوسری بات یہ ہے کہ جب نیت کرنے والا ''وبصوم غد نویت من شہر رمضان'' کے الفاظ جن کا مطلب ہے کہ میں نے کل کے روزے کی نیت کی' تو وہ روزہ آج کے دن کا رکھ رہا ہے اور نیت کل کے دن کی کر رہا ہے۔علامہ ابن منظور رقمطراز ہیں:

"اصل الغد وهو اليوم الذی یاتی بعد یومك" (لسان العرب 26/10)

''غد'' کا اصل یہ ہے کہ وہ دن جو تیرے آج کے دن کے بعد ہوگا۔مصباح اللغات 593 میں ہے کہ ''آئندہ کل (Tommorow) دور کا دن'' جس کا انتظار ہو۔نیز دیکھیں مجمع بحار الانوار 17/4 وغیرہ۔لہٰذا یہ الفاظ لغوی معنی کے اعتبار سے بھی درست نہ ہوئے۔

شرعی معانی: حافظ ابن حجر فتح الباری جلد اول میں رقمطراز ہیں:

"والشرع خصصه بالا رادة المتوجهة نحو الفعل لابتغاء رضاء الله وامتثال حکمه"

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ شریعت نے نیت کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے کسی کام کے ارادہ کے لئے خاص کر دیا ہے تو اعمال میں اعتبار نیت قلبی کا ہوگا اگر اس کے خلاف زبان سے کچھ کہے تو اعتبار محض لفظوں کا نہیں ہوگا' اگر محض زبان سے نیت کرے مگر دل میں نہ ہو تو بالاتفاق یہ ناجائز ہے کیونکہ نیت تو قصد وعزم کا نام ہے لہٰذا روزے دار اور نمازی کو روزہ رکھنے اور نماز شروع کرنے سے پہلے الفاظ کے ساتھ نیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ نہ روزہ رکھنے والا: ''وبصوم غد نویت من شهر رمضان''

کے الفاظ کہے اور نہ ہی نماز پڑھنے والا اس طرح کے کوئی الفاظ ادا کرے کہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں یا عصر کی' فرض ہیں یا نفل' چار رکعت نماز فرض واسطے اللہ تعالیٰ دے' وقت فلاں نماز' منہ طرف قبلہ کے پیچھے اس امام کے اللہ اکبر مذکورہ بالا تمام الفاظ میں سے کسی لفظ کی بھی شرع میں دلیل موجود نہیں ہے بلکہ یہ نیتیں بدعت اور من گھڑت ہیں جس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے۔

"كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ"

(ابن خزیمہ' نسائی)

"ہر گھڑی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

"مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ" (بخاری وغیرہ)

کہ جس نے کسی دین کے کام میں (نماز ہو یا روزہ) اپنی طرف سے کوئی بات شامل کی پس وہ کام مردود ہے (چاہے وہ کام کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو)

معزز قارئین! نماز اور روزہ دونوں ہی اہم ترین عبادتیں ہیں۔ لیکن اگر ان کو بھی بدعت سے نہ بچایا گیا اور اہل بدعت کے حربے کو ناکام نہ بنایا گیا تو پھر ہماری کوئی عبادت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہ ہوگی۔

لہٰذا روزے سے پہلے نیت بول کر کرنے کی کوئی وقعت نہیں۔ صرف دل ہی میں پختہ ارادہ کے ساتھ روزے کی نیت کر لینا ہی قابل قبول ہے۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واکمل

رمضان اور جہاد کی برکتیں

س: رمضان المبارک کا جہاد سے کیا تعلق ہے؟ کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں؟۔ (محمد آصف۔ لاہور)

ج: دین اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ا۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا اور حج

کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ یہ پانچ چیزیں اسلام کی بنیاد اور ارکان شمار ہوتی ہیں اور اسلام کی چوٹی اور کوہان جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ''دین کی بنیاد اسلام ہے اور اس کا ستون نماز اور اس کی کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔''

(بخاری ومسلم بحوالہ مشکوۃ)

معلوم ہوا کہ اسلام کے ارکان کی صحیح حفاظت جہاد فی سبیل اللہ سے ہی ممکن ہے کیونکہ جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کا سب سے اونچا سبب و ذریعہ ہے۔ جبر و ستم، قہر و ظلمت اور فساد فی الارض کے انسداد کا مؤثر ترین وسیلہ ہے۔ مظلوموں اور مقہوروں کو عدل و انصاف فراہم کرنے کا سب سے عمدہ راستہ ہے۔ توحید، نماز، روزہ، زکاۃ، اور حج کے قیام کا واحد حل ہے۔ رمضان المبارک کے ساتھ جہاد کا بڑا گہرا رشتہ ہے رمضان المبارک جس طرح ہمیں دوسری بہت ساری برکات وثمرات سے نوازتا ہے اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کی طرف بھی توجہ مبذول کرواتا ہے۔ نبی ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کئی ایک غزوات وسرایا رمضان المبارک میں سرانجام دیئے۔ رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو چونکہ آپ اہل مکہ کے ظلم وستم اور ان کی خونخوار وحشیانہ اور غارت گرانہ عادات سے بخوبی واقف تھے اور احتیاط کا تقاضا بھی تھا کہ دشمنان اسلام کی حرکات پر بھرپور نظر رکھی جائے اس لئے آپ نے صحابہ کرامؓ کی مختلف ٹولیاں مقرر فرمائیں جو دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھتی تھیں۔

بعض مہمات ایسی ہیں جن میں آپ نے بذات خود شرکت فرمائی اور بعض مہمات پر اپنے کسی صحابیؓ کی قیادت میں کچھ مجاہدین روانہ کیے۔ اس مختصر سے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہونے والے وہ غزوات وسرایا ذکر کئے جا رہے ہیں جو رمضان المبارک میں رونما ہوئے۔

1۔ سریہ سیف البحر

رمضان المبارک 1ھ میں سریہ سیف البحر ہوا رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے حالات کا

جائزہ لینے کے لئے اپنے چچا حمزہؓ کی امارت میں 30 مجاہدین کا دستہ روانہ کیا اور کفار سیف البحر میں ابوجہل کی قیادت میں 300 کے قریب تھے۔دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع پا کر فرار اختیار کیا۔اور مجاہدین گشت لگا کر واپس آ گئے۔اس سریہ میں فریقین کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔

2۔غزوہ بدرالکبریٰ

رمضان المبارک 2ھ میں رسول اللہ ﷺ اپنی قیادت میں 313 کے قریب جانثاران اسلام کا لشکر لے کر مقام بدر کی طرف روانہ ہوئے جو کہ مکہ سے سات منزل اور مدینہ سے تین منزل پر واقع ہے۔

دشمن دو تہائی سفر طے کر چکا تھا تب رسول اللہ ﷺ اپنی مدافعت کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔

دشمنان اسلام ابوجہل کی قیادت میں ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی اس معرکے میں 22 مسلمان شہید ہوئے جب کہ 70 کافر زخمی اور 70 واصل جہنم ہوئے۔

3۔غزوہ بنی سلیم

24-25 رمضان المبارک 2ھ میں یہ غزوہ بنی سلیم مقام ماء الکدر میں منعقد ہوا مسلمان وہاں تین دن تک رہے۔

4۔سریہ ام قرفہ

رمضان المبارک 6ھ میں قبیلہ فزارہ نے ام قرفہ کی تحریک سے زید بن حارثہؓ کے

تاجرانہ قافلہ کو لوٹا۔اس کا بدلہ لینے کے لیے ابو بکر صدیقؓ کی قیادت میں لشکر روانہ کیا گیا۔ اس سریہ میں ام قرفہ اور اس کی دختر گرفتار ہوئی' باقی افراد بھاگ گئے ۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

5۔سریہ منقصہ

7ھ رمضان المبارک میں اہل خیبر کے اتحادی قبیلہ اہل منقصہ سے خفیف سی لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کے قائد عبداللہ لیثیؓ تھے۔دشمنوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

6۔سریہ خربہ

رمضان المبارک 7ھ میں جھنیہ قبیلے کے ساتھ لڑائی ہوئی' مسلمانوں کے سردار اسامہ بن زیدؓ تھے۔انہوں نے ایک کافر نہیک بن مرداس کا پیچھا کیا۔جب تلوار اٹھائی تو اس نے کلمہ شہادت پڑھا۔لیکن اسامہ نے کلمہ شہادت پڑھنے کے باوجود تلوار سے وار کر کے قتل کر دیا۔جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے پوچھا۔اسامہ نے کہا: اس نے تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کے دیکھا تھا۔

7۔فتح مکہ

رمضان المبارک 8ھ میں رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں 10 ہزار مسلمان فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اس موقع پر 2 مسلمان شہید ہوئے جب کہ 12 کافر مارے گئے۔آپ ﷺ نے فتح مکہ والے دن عام معافی کا اعلان فرمادیا تھا۔

8۔سریہ خالد رضی اللہ عنہ

رمضان المبارک ۸ھ میں سریہ خالد بن ولیدؓ ہوا۔ جس میں قبیلہ بنو کنانہ کا بت عزیٰ گرایا گیا اور بکھرے ہوے بالوں والی عزیٰ نامی عورت کو قتل کیا گیا جس کے نام کا بت بنا کر پوجا کی جا رہی تھی۔

9۔سریہ عمرو بن العاصؓ

رمضان 8ھ میں عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں قبیلہ بنو ھذیل کا بت سواع توڑا گیا۔

10۔سریہ سعد اشہلیؓ

رمضان 8ھ میں ہی سعد بن زید اشہلیؓ کی قیادت میں 20 مجاہدین کا دستہ روانہ کیا گیا جنہوں نے قبیلہ اوس وخزرج کا بت منات توڑا۔ جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو وہاں مجاور نے ایک برہنہ عورت کو کہا کہ یہ تیرے نافرمان بندے ہیں جو تجھے گرانے آئے ہیں۔ سعدؓ نے اس عورت پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ (ماخوذ از رحمۃ اللعالمین وغیرہ)

تلک عشرۃ کاملہ

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک جیسے بابرکت مہینے میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے بعض آپ کی قیادت میں اور بعض دیگر صحابہؓ کی قیادت میں دس غزوات وسرایا لڑے اور دشمنان اسلام کے بت کدوں اور شرک کے اڈوں کو منہدم کیا اور کلمہ توحید بلند کیا۔ یہ صرف وہ غزوات وسرایا ہیں جو آپ کی مبارک زندگی میں

رمضان المبارک کے اندر لڑے گئے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک جہاد فی سبیل اللہ کا درس بھی دیتا ہے' روزے کی حالت میں بھوک پیاس برداشت کر کے مالک حقیقی کے لئے اپنی جان اور مال صرف کرنا بہت بڑے اجر کا باعث ہے ہمیں بھی اس رمضان سے درس جہاد لینا چاہئے اور وقت نکال کر معسکرات اور مختلف محاذوں پر جا کر اپنی خدمات دین اسلام کے لئے پیش کرنی چاہیں۔ تا کہ ہمارا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ پڑ جائے اور رسول مکرم ﷺ کی یہ عظیم سنت ادا ہو جائے رمضان المبارک اور جہاد فی سبیل کا آپس میں بڑا گہرا ربط ہے اللہ ہمیں توفیق عطا کرے کہ ہم اس کی راہ میں لڑتے ہوئے حالت روزہ میں مقام شہادت پر فائز ہو جائیں۔ آمین

فرضیت روزہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾(البقرة:١٨٣)

"اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ روزہ ان احکامات شرعیہ میں سے ہے جن کا ذکر سابقہ آسمانی ادیان میں موجود ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ))

(مشكوة المصابيح(٤)بخاری کتاب الایمان (٨)مسلم کتاب الایمان(٢١-٤٥)

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (۱) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوۃ ادا کرنا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان المبارک کا روزہ رکھنا۔“

روزہ کی فضیلت:

اس حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ روزہ اسلام کی ایسی اہم عبادت ہے جسے اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ روزہ اپنے اندر ایک عجیب خصوصیت رکھتا ہے کہ یہ ریا کاری اور دکھلاوے سے کوسوں دور اور چشم اغیار سے پوشیدہ سراپا اخلاص اور عابد و معبودٗ ساجد و مسجود کے درمیان ایک راز ہے۔ اس کا علم روزہ دار اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں ہوتا۔ جیسے دیگر عبادات نماز، حج، جہاد وغیرہ کی ایک ظاہری ہیئت وصورت ہوتی ہے روزے کی اس طرح کوئی ظاہری شکل وصورت موجود نہیں جس کی وجہ سے کوئی دیکھنے والا اس کا ادراک کر سکے۔

جیسے روزہ رازق ومرزوق اور مالک ومملوک کے درمیان ایک سر و راز ہے اسی طرح اس کے ثواب و بدلہ کا بھی عجیب معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ روزے کا بدلہ اور ثواب جب عطا کرے گا تو فرشتوں کو ایک طرف کر دے گا اور اس کا اجر و ثواب خود عطا کرے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی نقل فرماتے ہیں:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ إِلَّا الصَّوْمُ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَ طَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي))

(مشكوة (١٩٥٩) بخاری كتاب الصوم (١٩٠٤) مسلم كتاب الصيام (١١٥١)

”آدم کے بیٹے کے تمام اعمال بڑھا دیئے جائیں گے۔ ایک نیکی دس گنا سے

سات سو تک اللہ تعالیٰ فرمائے گا مگر روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا عطا کروں گا۔ اس نے اپنی خواہش اور کھانا میری خاطر ترک کیا تھا۔"

((اجزی)) لفظ کو اگر بصیغہ مجہول یعنی اُجــــزی پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ روزے کا بدلہ میں خود ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کے لیے جنت میں ایک خاص دروازہ بنا دیا ہے جس کا نام ((باب الریان)) ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

((فِيْ الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمّٰى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهُ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ))

(مشکوٰۃ (۱۹۵۷) عن سهل بن سعد رضی الله عنه' بخاری کتاب بدء الخلق (۳۲۵۷)'

مسلم کتاب الصیام (۱۱۵۲)

"جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازے کا نام "الریان" ہے جس سے روزہ داروں کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہوگا۔"

ایک اور ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَ سُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ))

(مشکوۃ عن ابی ہریرۃ (۱۹۵۶)' بخاری کتاب الصوم (۱۹۵۶)' مسلم کتاب الصیام (۱۰۷۹)

"جب رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔"

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کے لیے جنت کے دروازے

اللہ تبارک وتعالیٰ کھول دیتا ہے اور ان کے لیے جنت میں ایک خصوصی دروازہ بھی ہے جسے ''باب الریان'' کہتے ہیں۔

اللہ کی جنت کا حصول عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ سے ہوتا ہے لیکن بعض لوگ ایسے بھی اس کائنات میں موجود ہیں جو صحیح عقیدے سے محروم اور اعمال سیئہ کے دلدادہ ہیں۔ افیون و چرس اور ہیروئن کے رسیا بدکاری اور شراب نوشی سے مخمور' حلال وحرام کی پابندیوں سے آزاد' عفت وعصمت کی چادر کو تار تار کرنے والے' حیاء وغیرت کا جنازہ نکال دینے والے اور پلید وگندی زبانوں سے دما دم مست قلندر علی دا پہلا نمبر' نہ نیتی نہ قضا کیتی جیسے نعرے لگانے والوں نے اپنی نجات کے لیے پاک پتن میں ایک مصنوعی بہشتی دروازہ بنا رکھا ہے اور یہ ایسا دروازہ ہے جہاں سے گزرنے والوں کو پولیس سے ڈنڈے بھی کھانے پڑ جاتے ہیں لیکن اللہ کی جنت ایسی ہے جو ان خرافات سے مبرا ہے اور وہ اہل توحید' مومنین ومجاہدین اور اللہ کے نیک وصالح بندوں کے لیے بنائی گئی ہے جو عقائد واعمال کے اعتبار سے نفیس ترین لوگ ہیں اور فرائض کی پابندی کرنے والے اور نوافل وتطوع کو خوش دلی اور رغبت واشتہاء اور ذوق وشوق سے سرانجام دینے والے ہیں۔

روزے کا مقصد

اللہ وحدہ لاشریک لہ' نے فرضیت روزہ والی آیت کریمہ میں اس کا مقصد تقویٰ پرہیز گاری' خوف باری تعالیٰ اور للّٰہیت بتایا ہے۔ روزہ انسان کو ایسی قوت برداشت سکھاتا ہے جس کی بنا پر انسان اپنے نفس پر کنٹرول کر سکتا ہے اور روزہ رکھنے سے انسان کے اندر ایسا ملکہ پیدا ہوتا ہے جس کے باعث آدمی اپنے آپ کو تمام اعمال سیئہ' اخلاق رذیلہ اور عادات

شنیعہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اس کا لیل ونہار رسومات قبیحہ سے مبرا اور صاف وشفاف ہو جاتا ہے۔ شب وروز ذکر باری تعالیٰ' تقویٰ و پرہیز گاری' حلاوت ایمانی' انابت الی اللہ' زہد وتقویٰ' رکوع وسجود' تسبیح وتہلیل' خشوع وخضوع' صبر وتحمل' بردباری' سنجیدگی ومتانت جیسی صفات عالیہ میں مصروف عمل دکھائی دیتا ہے اور روزہ انسان کو ایسی عظیم خوبی سے ہمکنار کرتا ہے جس کی وجہ سے یہ محرمات سے اجتناب کر سکتا ہے اور دوران روزہ جو اشیاء اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دی ہیں ان سے بچ کر یہ سبق سیکھ لیتا ہے کہ اگر میرے لیے وقتی طور پر حلال اشیاء سے پرہیز کرنا آسان ہے تو مستقل اور ابدی حرام چیزوں سے بچنا کوئی مشکل نہیں۔

آداب روزہ

ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ))

(مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃ (۱۹۹۹)' بخاری کتاب الصوم(۱۹۰۳)

''جس آدمی نے روزہ کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں''

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ وَ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ امْرُؤٌ صَائِمٌ))

(مشکوٰۃ (۱۹۵۹)' بخاری کتاب الصوم (۱۹۰۴)' مسلم کتاب الصیام (۱۱۵۱)

''جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ شہوت انگیز گفتگو نہ کرے اور نہ شور وغوغا سے کام لے اگر اسے کوئی گالی گلوچ دے یا اس سے لڑائی کرے تو کہہ دے: میں روزہ دار ہوں۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَهُ مِنْ صِیَامِهِ اِلَّا الظَّمَاءُ وَکَمْ مِنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَهُ مِنْ قِیَامِهِ اِلَّا السَّهَرُ))(سنن دارمی کتاب الرقاق(۲۷۳۳)

"کتنے روزہ دار ایسے ہیں جنھیں اپنے روزہ سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی قیام کرنے والے ایسے ہیں جنھیں اپنے قیام سے بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔"

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مسند احمد ۲/۳۷۳'۳۴۱'۴۴۱' مستدرک حاکم ۱/۴۳۱' بیہقی ۴/۲۷۰'شرح السنہ ۶/۲۴۷ (۱۷۴۷)' ابن ماجہ (۱۶۹۰) وغیرہ میں موجود ہے۔ اس کی سند قوی ہے اور طبرانی کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(مجمع الزوائد۳/۲۰۲ بحوالہ مرعاۃ المفاتیح ۶/۵۳۰)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کو حالت روزہ میں گالی گلوچ' بدکلامی' فحش گوئی' تہمت طرازی' عیب جوئی' دروغ گوئی' جھوٹ کی اشاعت' جھوٹ پر عمل کرنا' کذب بیانی' غیبت' ہوا وحرص' طمع ولالچ' خواہشات نفسانیہ' چوری' ڈکیتی' آنکھ مچولی' برائی' زنا' فحاشی' عریانی' گانا بجانا' رقص وسرود کی محافل قائم کرنا' گندا لٹریچر شائع کرنا اور اسے فروغ دینا' وی سی آر' ٹی وی اور ڈش پر حیا سوز پروگرام دیکھنا' بدچلنی' اوباشی' ناانصافی' ظلم وستم' جبر واستبداد' نوسر بازی' بدعنوانی' رشوت' سود خوری' سگریٹ نوشی' حقہ پینا' شراب خوری' جوا وقمار بازی' خیانت وخباثت' چغل خوری' غنڈہ گردی' عیاری' دغابازی اور دیگر شیطانی امور سے اجتناب ازحد ضروری ہے وگرنہ روزے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جو آدمی بھوکا پیاسا رہ کر امور بالا کا مرتکب ہوگا اس کا روزہ نہیں بلکہ فاقہ ہوگا۔

اسی طرح شب زندہ دار ہو کر اخلاق رذیلہ کا پیکر بنے اور اعمال سیئہ کا مرتکب ہو تو

اسے رات کی بیداری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہمارے ملکی اخبارات وجرائد کے ایڈیٹر حضرات کو بھی سوچنا چاہیے جو جھوٹ کی اشاعت اور جرائم کو ہوا دینے سے رمضان المبارک میں بھی باز نہیں آتے اور تقریباً تمام اخبارات فاحشہ اور بدکار عورتوں کی تصاویر نمایاں کر کے شائع کرتے ہیں۔ اگر حالت روزہ میں ایسے امور سے اجتناب نہ کیا گیا تو روزے کا کیا فائدہ؟

رؤیت ہلال:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْهُ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهُ))

(مشکوٰۃ (۱۹۶۹) بخاری کتاب الصوم (۱۹۰۶، ۱۹۰۷) مسلم کتاب الصیام (۱۰۸۰)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور نہ افطار کرو حتیٰ کہ تم اسے دیکھ لو۔ اگر تمہارے اوپر مطلع ابر آلود ہو تو اس کے لیے گنتی کرو۔''

((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ))

(مشکوٰۃ (۱۹۷۰) بخاری کتاب الصوم (۱۹۰۹) مسلم کتاب الصیام (۱۰۸۱)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاند کے دیکھنے پر روزہ رکھو اور اس کے دیکھنے پر ہی افطار کرو۔ اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کی گنتی کے تیس (۳۰) دن پورے کرلو۔''

یعنی شعبان المعظم کی ۲۹/ تاریخ کو چاند دیکھو اگر نظر آ جائے تو دوسرے دن روزہ رکھو اور اگر نظر نہ آئے یا مطلع ابر آلود ہو تو پھر شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے رمضان کا روزہ رکھو۔ شک کا روزہ کسی بھی طرح نہیں رکھنا چاہیے۔

((عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي يَشُكُّ فِيهِ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صلى الله عليه وسلم))

(مشكوة (١٩٧٧) ابو داود كتاب الصوم (٢٣٣٤) ترمذى كتاب الصوم (٦٨٦) نسائى كتاب الصيام (٢١٨٧) ابن ماجه (١٦٤٥) دارمى (١٦٨٢)

”عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے شک والے دن روزہ رکھا اس نے ابو القاسم (محمد ﷺ) کی نافرمانی کی۔“

یہ اثر بخاری کتاب الصوم باب نمبر ۱۱ میں تعلیقا مروی ہے۔ رؤیت ہلال کے لیے ایک عادل و قابل اعتماد شخص کی گواہی کافی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: تَرَاءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِنِّىْ رَاَيْتُهُ فَصَامَهُ وَاَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ))

(ابو داود كتاب الصوم باب فى شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان (٢٣٤٢) دارمى كتاب الصيام باب الشهادة على رؤية هلال رمضان (١٦٩٨) دار قطنى ١٥٦/٢، بيهقى ٢١٢/٤ مسند امام دارمى عبد الله بن محمد السمر قندى ٤/٢ ابن حبان (٨٧١) حاكم ٤٢٣/١ التلخيص الحبير ١٨٧/٢)

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے اسے دیکھ لیا ہے' آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے چاند کی رؤیت کے بارے میں ایک عادل مسلمان کی گواہی کفایت کر جاتی ہے۔ اس کی تائید میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے

ایک حدیث یوں مروی ہے:

((جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم فَقَالَ: اِنِّیْ رَاَیْتُ الْهِلَالَ یَعْنِیْ رَمَضَانَ فَقَالَ: اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ یَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ فَلْیَصُوْمُوْا غَدًا))

(ابو داؤد (۲۳٤۰) بیهقی ٤/۲۱۲) المنتقیٰ لابن جارود(۳۷۹)

''ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا: میں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اے بلال: لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔''

یہ روایت نسائی' ترمذی' ابن ماجہ' ابن خزیمہ' ابن حبان' دارقطنی' حاکم اور طحاوی میں بھی موجود ہے لیکن اس کی سند سماک بن حرب از عکرمہ از ابن عباس کے طریق سے مروی ہے اور اس سند میں اضطراب ہوتا ہے۔ بہر کیف میں نے بطور تائید اس کو ذکر کیا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اوپر ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث صحیح سے ثابت ہے اس لیے اس کا ضعف مضر نہیں۔

چاند دیکھنے کی دعا:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ جب چاند دیکھتے تو کہتے:

((اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ' وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ رَبُّنَا وَتَرْضٰی رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ))

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ تو اسے ہم پر امن' ایمان' سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع کرا اور اس چیز کی توفیق کے ساتھ جس سے تو محبت کرتا ہے۔ اے ہمارے رب اور جسے تو پسند کرتا ہے (اے چاند) ہمارا اور تیرا رب اللہ ہے۔''

(سنن دارمی کتاب الصوم باب مایقام عند رؤیۃ الھلال (١٦٩٤) یہ روایت کثرت شواھد کی بنا پر صحیح ھے۔ ملاحظہ ھو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ اور موارد الظمآن محقق جلد٧(٢٣٧٤)

سحری

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾(البقرۃ :١٨٧)

''اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے واضح ہو جائے۔''

اس آیت کریمہ میں ﴿الخیط الابیض﴾ سے مراد صبح صادق اور ﴿الخیط الاسود﴾ سے مراد رات ہے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ فرماتے ہیں جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو میں نے اونٹ باندھنے والی ایک سیاہ رسی اور ایک سفید رسی اپنے تکیے کے نیچے رکھ لی۔ میں رات کے وقت انہیں دیکھنے لگا تو مجھے صاف نظر نہ آئیں۔ میں نے صبح رسول اللہ ﷺ کو آ کر سارا ماجرا سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((انما ذلك سواد الليل وبياض النهار)) اس آیت کریمہ میں سیاہ اور سفید دھاگے سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم (۱۹۱٦) وکتاب التفسیر (٤٥٠٩، ٤٥١٠)

اس آیت میں اللہ وحدہ لاشریک لہٗ نے سحری کا وقت بتا دیا ہے کہ صبح صادق تک تم کھا پی سکتے ہو۔ وقت کی حدود متعین کرنے میں کچھ وسعت معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس طرح آج گھڑیاں موجود ہیں ظاہر بات ہے زمانہ رسالت ﷺ وخلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وغیرھم میں یہ ایجادات موجود نہ تھیں۔ لوگ ستاروں اور چاند کے ساتھ رات کے اوقات معلوم کرتے تھے۔ اس لیے اگر سحری میں ایک دو منٹ کی تاخیر ہو جائے تو کوئی قیامت بپا نہیں ہو جاتی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءُ فِي يَدِهِ فَلَا يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ))

(ابو داود کتاب الصوم باب فی الرجل یسمع النداء والاناء فی یده (۲۳۵۰) مستدرك حاكم ۱/٤۲٦، ۲۰۵، ۲۰۳، بیهقی ٤/۲۱۸، دار قطنی (۲۱٦۲) باب فی وقت السحر)

"جب تم میں سے کوئی آدمی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اس برتن کو حاجت پوری کرنے سے پہلے نہ رکھے۔"

علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَفِيهِ إِبَاحَةُ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ مِنَ الْإِنَاءِ الَّذِي فِي يَدِهِ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَذَانِ لِلْفَجْرِ وَأَنْ لَا يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ.))

(مرعاة المفاتيح ٦/٤٦٩)

اس حدیث میں فجر کی اذان سنتے وقت اس برتن سے کھانے اور پینے کی اباحت معلوم ہوتی ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ وہ اسے اپنی حاجت پورا کرنے سے پہلے نہ رکھے۔ مسند احمد ۳/۳۴۸ میں جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جسے علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن قرار دیا ہے۔ (مرعاة المفاتيح ٦/٤٧٠)

سحری کی برکت

((عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم : تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَۃً))

(مشکوٰۃ (۱۹۸۲) بخاری کتاب الصوم (۱۹۲۳) مسلم کتاب الصیام (۱۰۹۵)

''انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سحری کھاؤ اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔''

((عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَۃَ قَالَ: دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَی السُّحُوْرِ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَ ھَلُمَّ اِلَی الْغَدَاءِ الْمُبَارَکِ))

(ابو داؤد (۲۳۴۴) نسائی (۲۱۶۲) نیل المقصود (۲۳۴۴) از شیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ موارد الظمآن (۸۸۲) اسنادہ حسن)

''عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں سحری کھانے کی طرف دعوت دی تو آپ نے فرمایا: ''صبح کے بابرکت کھانے کی طرف آؤ۔''

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا ایک شاہد بسند حسن صحیح ابن حبان میں موجود ہے۔ (موارد الظمآن (۸۸۱) ۳/۱۸۴)

بہترین سحری

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:

نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ))

(ابو داود (۲۳۴۵)' موارد الظمآن(۸۸۳)۳/۱۸۶)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کی بہترین سحری کھجور ہے۔"

سحری کی اہمیت

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم تَسَحَّرُوْا وَلَوْ بِجُرْعَةٍ مِّنْ مَّاءٍ))(موارد الظمآن(۸۸۴)

"عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سحری کھاؤ اگرچہ پانی کے ایک گھونٹ سے ہو۔"

اہل کتاب اور سحری:

((عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی الله عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ))(مشکوة (۱۹۸۳) مسلم کتاب الصوم (۱۰۹۶)

"عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" ہمارے اور اہل کتاب کے روزے میں فرق سحری کا کھانا ہے۔"

سحری دیر سے کھانا

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: اَنَا مَعْشَرُ الْاَنْبِيَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُؤَخِّرَ سُحُوْرَنَا وَنُعَجِّلَ فِطْرَنَا

وَاَنْ نُّمَسِّكَ يَمِيْنَنَا عَلٰى شَمَائِلِنَا فِيْ صَلاَتِنَا))

(موارد الظمآن (۸۸۵) طبرانی کبیر ۱۱/۱۹۹(۱۱۴۸۵))

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً ہم نبیوں علیھم السلام کا گروہ ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی سحری میں تاخیر کریں اور افطاری جلدی کریں اور اپنی نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھیں۔''

اس کی سند صحیح ہے اور اس کے کئی ایک شواہد بھی ہیں۔

سحری کی اذان

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم ((اِنَّ بِلاَلًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ: وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلاً اَعْمٰى لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهٗ: اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ))

(مشکوٰۃ (۶۸۰)بخاری کتاب الاذان(۶۱۷)(۶۲۱)مسلم کتاب الصیام۱۰۹۲)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتا ہے۔ سو تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دے۔'' فرمایا: عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے وہ اتنی دیر تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک انہیں کہا نہ جائے' تو نے صبح کر دی' تو نے صبح کر دی۔''

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم قَالَ: لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سُحُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمُكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ))(بخاری ۶۲۱)

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کو بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے اس لیے کہ وہ رات کو اذان دیتے ہیں تا کہ قیام کرنے والا لوٹ آئے اور سونے والا بیدار ہو جائے۔''

سنن نسائی (۶۳۸) ۲/۱۰ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا اِلَّا اَنْ يَنْزِلَ هٰذَا وَيَصْعَدَ هٰذَا))

''دونوں کی اذان میں اتنا وقفہ ہوتا کہ یہ اذان کہہ کر اترتا اور یہ چڑھ جاتا۔''

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (حاشیہ سندھی علی نسائی)

اس حدیث سے مراد دونوں کے درمیان وقفے کی قلت ہے نہ کہ حد کا تعین امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قَالَ الْعُلَمَاءُ مَعْنَاهُ اَنَّ بِلَالًا كَانَ يُؤَذِّنُ قَبْلَ الْفَجْرِ وَيَتَرَبَّصُ بَعْدَ اَذَانِهِ لِلدُّعَاءِ وَنَحْوِهِ ثُمَّ يَرْقُبُ الفجرَ فَاِذَا قَارَبَ طلوعهٗ نزل فاخبر ابْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَيَتَاهَّبُ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ بِالطَّهَارَةِ وَغَيْرِهَا ثُمَّ يَرْقىٰ وَيَشْرَعُ فِي الْاَذَانِ مَعَ اَوَّلِ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ))

(شرح مسلم للنووی ۷/۱۷۷ طبع بیروت)

''علماء نے کہا ہے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ فجر سے پہلے اذان دیتے تھے اور اذان کے بعد دعا وغیرہ کے لیے بیٹھے رہتے جب طلوع فجر قریب ہوتی تو اتر آتے اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو خبر دیتے تو وہ وضوء وغیرہ کی تیاری کرتے پھر اوپر چڑھ جاتے اور فجر طلوع ہوتے ہی اذان شروع کر دیتے۔''

غرض سحری کی اذان اور صبح صادق میں اتنا وقفہ ضرور ہونا چاہیے جس سے آدمی آسانی سے سحری کھا لے۔ قیام کرنے والا واپس پلٹ آئے' سویا ہوا بیدار ہو جائے اور روزے کی

تیاری کر لے کیونکہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کھانے پینے سے مانع نہ تھی اس لیے کہ وہ صبح کاذب میں ہوتی تھی۔امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الصوم باب قدر کم بین السحور وصلاۃ الفجر میں یہ مسئلہ اس حدیث کی رو سے سمجھایا ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ قُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالسُّحُورِ؟ قَالَ: قَدْرُ خَمْسِينَ آيَةً))

(بخاری (۱۹۲۱)نسائی (۲۱۵۵'۲۱۵٦)

''ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ سحری کھائی۔پھر آپ ﷺ نماز کی طرف اٹھے۔ میں (انس رضی اللہ عنہ) نے کہا: اذان اور سحری کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو انھوں نے کہا: پچاس آیات کی مقدار۔''

((عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَذَٰ٤٦٥ ١ لِكَ عِنْدَ السُّحُورِ: يَا أَنَسُ إِنِّي أُرِيدُ الصِّيَامَ أَطْعِمْنِي شَيْئًا فَأَتَيْتُهُ بِتَمْرٍ وَإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ وَ ذٰلِكَ بَعْدَ مَا أَذَّنَ بِلَالٌ فَقَالَ يَا أَنَسُ أُنْظُرْ رَجُلًا يَأْكُلُ مَعِي فَدَعَوْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَجَاءَ فَقَالَ: إِنِّي قَدْ شَرِبْتُ شُرْبَةَ سَوِيقٍ وَأَنَا أُرِيدُ الصِّيَامَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا أُرِيدُ الصِّيَامَ فَتَسَحَّرَ مَعَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ))

(سنن نسائی کتاب الصیام باب اسحور بالسویق والتمر (۲۱٦٦)

''انس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے سحری کے وقت فرمایا: اے انس! میں روزے کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے کوئی چیز کھلاؤ۔ میں آپ کے پاس کھجور اور پانی والا برتن لایا

اور یہ سارا معاملہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد کا ہے اپ نے فرمایا: اے انس! کوئی آدمی تلاش کر جو میرے ساتھ کھانا کھائے۔ میں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دعوت دی تو وہ تشریف لائے اور کہا میں نے ستو کا ایک گھونٹ پی لیا ہے اور روزے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں بھی روزے کا ارادہ رکھتا ہوں انہوں نے آپ کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ کھڑے ہوئے دو رکعت (سنت) پڑھی پھر نماز صبح کے لیے گھر سے نکلے۔" اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان بلال کے بعد اتنا وقفہ ضرور ہوتا تھا جس میں آدمی سحری کا انتظام کر کے کھانا کھالے۔ لہٰذا دونوں اذانوں کے درمیان اتنا وقفہ ضرور ہونا چاہیے جس میں سحری کا بندوبست ہو سکے۔ واللہ اعلم

روزے کی نیت:

((عَنْ حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ لَّمْ يَجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ))

(ابو داؤد کتاب الصوم باب النية في الصيام (٢٤٥٤) ترمذی کتاب الصوم باب ماجاء لا صيام لمن لم يعزم من الليل (٧٣٠) نسائی کتاب الصيام (٢٣٣٢) دارمی (١٧٠٥)

"نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہے۔"

چونکہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں مثلاً: روزہ کی نیت نہ کی گئی اور روزہ جیسی پابندیاں اپنے اوپر عائد کر لیں تو روزہ نہ ہوگا بلکہ فاقہ ہو

گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ نیت کے لیے زبان سے تلفظ کی ضرورت نہیں۔ یہ دل کا فعل ہے۔ بعض افراد نے روزے کی نیت کے یہ الفاظ وضع کیے ہوئے ہیں وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ میں نے ماہ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی۔ یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں اور نیت کل آنے والے دن کی کر رہا ہے۔ علامہ ابن منظور قمطراز ہیں:

((اَصْلُ الْغَدِ وَهُوَ الْيَوْمُ الَّذِيْ يَاتِيْ بَعْدَ يَوْمِكَ))

(لسان العرب ١٠/٢٦)

غد کا اصل یہ ہے کہ: وہ دن جو تیرے آج کے دن کے بعد ہوگا۔ مصباح اللغات ۵۹۳ میں ہے کہ: آئندہ کل دور کا دن جس کا انتظار ہو۔ نیز دیکھیں مجمع بحار الانوار ۴/ ۷ وغیرہ۔

لٰہذا یہ الفاظ معنوی اعتبار سے بھی درست معلوم نہیں ہوتے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واکمل

افطاری کا وقت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرة:١٨٧)

"روزہ رات تک پورا کرو۔ یعنی رات ہوتے ہی روزہ افطار کر دو' تاخیر مت کرو۔"

لیل کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے۔ علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی رقمطراز ہیں:

" اَللَّيْلُ وَاللَّيْلَاةُ: مِنْ مَغْرِبِ الشَّمْسِ اِلَى طُلُوْعِ الْفَجْرِ الصَّادِقِ اَوِ الشَّمْسِ "(القاموس المحيط طبع جديد/١٣٦٤)

''رات غروب شمس سے لے کر فجر صادق کے طلوع ہونے تک یا طلوع شمس تک ہے۔علامہ ابن منظور الافریقی فرماتے ہیں:مبدئـه من غـروب الشمس لیل کی ابتدا غروب شمس سے ہے۔''

(لسان العرب۱۲/۳۷۸)نیز دیکھیں المعجم الاوسط/۸۵۰)

ائمہ لغات کی توضیحات سے معلوم ہوا کہ لیل کی ابتداء غروب آفتاب سے ہوتی ہے لہٰذا جوں ہی سورج غروب ہو روزہ افطار کر لیا جائے' تاخیر نہ کی جائے کیونکہ تاخیر سے روزہ افطار کرنا یہود و نصاریٰ کا کام ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ))

(ابو داود کتاب الصوم باب ما يستحب من تعجيل الفطر(۲۳۵۳)ابن ماجه كتاب الصيام باب ما جاء في تعجيل الافطار(۱۶۹۸)ابن خزيمه (۲۰۶۰) ابن حبان (۸۸۹)مستدرك حاكم۱/۴۳۱)

''دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ افطاری کرنے میں تاخیر کرتے ہیں۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ دیر سے کھولنا یہود و نصاریٰ کا کام ہے۔اور ان کے متبعین کا روزہ موجود دور میں بھی مسلمانوں سے دس یا پندرہ منٹ بعد ہی افطار ہوتا ہے۔کئی لوگ افطاری کے لیے سائرن کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور سائرن بھی غروب آفتاب کے بعد دیر سے بجایا جاتا ہے۔اس کے بارے میں یاد رہے کہ عبادات کے لیے سائرن بجانا بھی یہود و نصاریٰ کا عمل ہے۔اہل اسلام کے ساتھ اس عمل کا کوئی تعلق نہیں بلکہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی روزہ کھول دینا چاہیے۔

((عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم:

لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ))

(بخاری کتاب الصوم باب تعجیل الافطار(۱۹۵۷) مسلم کتاب الصیام باب فضل السحور(۱۰۹۸)

''سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک لوگ روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے بھلائی سے رہیں گے۔''

((عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ هٰهُنَا وَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ))

(بخاری کتاب الصوم (۱۹۵٤) مسلم کتاب الصیام(۱۱۰۰)

''عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رات ادھر سے آ جائے اور دن ادھر سے پیٹھ پھر جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار روزہ کھول دے۔''

((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم: لَاتَزَالُ اُمَّتِیْ عَلٰی سُنَّتِیْ مَالَا تَنْتَظِرُ بِفِطْرِهَا النُّجُوْمَ))

(موارد الظمآن(۸۹۱)

''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت ہمیشہ میری سنت پر رہے گی جب تک روزے کی افطاری کے لیے ستاروں کا انتظار نہیں کرے گی۔''

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ سے واضح ہوا کہ افطاری کا وقت غروب آفتاب ہے اس لیے روزہ سورج غروب ہوتے ہی افطار کر دیں دیر نہ کریں۔

افطاری کی دعا:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه

وسلم اِذَا اَفْطَرَ قَالَ: ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهِ))

(ابو داود کتاب الصوم(۲۳۵۷) مستدرك حاکم۱/۴۲۲' دار قطنی ۲/۱۱۸۵ سے حاکم و ذھبی نے صحیح کہا ہے اور دار قطنی نے اس کی سند کو حسن کہا۔

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو کہتے: "پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر ثابت ہو گیا۔"

نیز ((اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ)) یہ دعا مرسل روایت میں ہے اور مرسل محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں ضعیف کی اقسام سے ہے۔

کس چیز سے روزہ افطار کیا جائے؟

((عَنْ سَلْمَانَ بْنِعَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَاِنَّهُ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى مَاءٍ فَاِنَّهُ طُهُوْرٌ))

(مشکوٰۃ (۱۹۹۰)مسند احمد۴/۱۷۔۱۸'۲۱۴ابو داود کتاب الصوم باب ما یفطر علیه (۲۳۵۵)ترمذی کتاب الزکوٰۃ (۶۵۸)ابن ماجه(۱۶۹۹)دارمی(۱۷۰۸)موارد الظمآن (۸۹۲)

"سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی روزہ کھولے تو وہ کھجور سے کھولے کیونکہ اس میں برکت ہے اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے روزہ کھولے اس لیے کہ وہ پاک کرنے والا ہے۔"

((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُفْطِرُ عَلٰى رُطَبَاتٍ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَعَلٰى تَمَرَاتٍ

فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَّاءٍ))

(ابو داود (٢٣٥٦) ترمذی (٦٩٦) دار قطنی ١٨٥/٢ مستدرك حاكم ٤٣٢/١ المحلى لابن حزم ٣١/٧)

''انس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے سے پہلے چند تازہ کھجوریں کھا کر روزہ افطار کرتے تھے اگر تازہ کھجوریں دستیاب نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں کھا کر افطار کرتے اگر وہ بھی نہ ملتیں تو پانی کے چند گھونٹ بھر لیتے۔''

((عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَطُّ صَلّٰى صَلَاةَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يُفْطِرَ وَلَوْ عَلٰى شُرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ))

(موارد الظمآن (٨٩٠) مسند ابی یعلی ٤٢٤/٦ (٣٧٩٢)

''انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو افطاری سے پہلے مغرب کی نماز پڑھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا اگرچہ آپ ﷺ پانی کے ایک گھونٹ پر ہی افطار کرتے۔''

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ کھجور کے ساتھ روزہ کھولنا بہتر ہے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے افطار کر لیں۔ روزہ کی وجہ سے جسم میں نقاہت و کمزوری واقع ہوتی ہے۔ کھجور سے جسم کو تقویت ملتی ہے۔ کھجور نہایت مفید اور مقوی غذا ہے۔

روزہ افطار کرانا

((عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ))

(شرح السنة (١٨١٩) ٣٧٧/٦ شعب الایمان للبیهقی باب فی الصیام (٣٩٥٣) ٤١٨/٣

ابن حبان(۱۶۱۹)

''زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس نے روزہ دار کو روزہ افطار کروایا یا غازی کو سامان جہاد دیا تو اس کے لیے
اسی کی مثل اجر ہے۔''

مباحات روزہ

یعنی وہ امور جو روزے کی حالت میں سرانجام دینے جائز ہیں اور ان کے کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

(۱) مسواک کرنا۔(بخاری کتاب الصوم باب سواك الرطب واليابس للصائم ص ۳۸۱ طبع دارالسلام)۔

(۲) غسل کرنا۔(بخاری باب اغتسال الصائم ص ۳۸۰ ابو دائود(۲۳۶۵)

(۳) بیوی کا بوسہ لینا اگر اپنے اوپر قابو رکھ سکے۔

(بخاری باب القبلة للصائم ص ۳۸۰' ابو داؤد باب القبله للصائم(۲۳۸۲۔۲۳۸۵)

(۴) بھول کر کھا پی لینا۔(بخاری باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیئا ص ۳۸۱)

(۵) سحری کھا کر غسل جنابت کرنا۔(بخاری باب الصائم يصبح جنبا ص ۳۷۹)

(۶) سینگی لگوانا یعنی بطور علاج جسم سے خون نکلوانا۔

(۷) اور قے آ جانا۔(بخاری باب الحجامة والقى للصائم ص ۳۸۳)

(۸) کنگھی کرنا اور تیل لگانا۔(بخاری باب اغتسال الصائم ص ۳۸۰)

(۹) سرمہ لگانا۔(بخاری باب اغتسال الصائم ص ۳۸۰)

(۱۰) بھیگا ہوا کپڑا سر پر ڈالنا۔(بخاری باب اغتسال الصائم ص ۳۸۰)

(۱۱) ہنڈیا سے نمک وغیرہ چکھنا۔ (بخاری باب اغتسال الصائم ص ۳۸۰)

(۱۲) حلق میں مکھی وغیرہ کا داخل ہو جانا۔

(بخاری باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیئا ص ۳۸۱)

ممنوعات روزہ:

(۱) جھوٹ اور برے اعمال۔ (بخاری (۱۹۰۳)

(۲) مبالغے سے ناک میں پانی چڑھانا۔ (ابو داؤد (۲۳٦٦)

(۳) شہوت انگیز گفتگو کرنا اور شور و غوغا۔ (بخاری (۱۹۰٤) مسلم (۱۱۵۱)

(۴) بیوی سے بغل گیر ہونا۔ (ابو دائود (۲۳۸۷) بیہقی ٤/۲۳۱

مفسدات روزہ:

وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

(۱) قصداً قے کرنا۔ (ابو داؤد (۲۳۸۱)

(۲) جان بوجھ کر کھانا پینا۔

(بخاری کتاب الصوم باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیئا ص ۳۸۱)

(۳) جماع کرنا۔ (بخاری باب اذا جامع فی رمضان ص ۳۸۲)

(۴) حیض و نفاس۔ (بخاری کتاب الحیض باب ترك الحائض الصوم (۳۰٤)

روزے کا کفارہ

جو آدمی روزے کی حالت میں بیوی سے صحبت کر بیٹھے اس کے لیے کفارہ یہ ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے اگر یہ طاقت نہ تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اگر یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ

مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (بخاری: ۱۹۳۶)

روزے کی رخصت

یعنی ایسے امور جن کے پیش آ جانے سے روزہ ترک کر سکتے ہیں:

(۱) بیماری۔

(۲) سفر۔ (البقرة : ۱۸٤ ،بخاری باب الصوم فی السفر والافطار ص ۳۸۳)

(۳) حمل۔

(۴) رضاعت۔

(ابو داؤد (۲٤۰۸) ترمذی ٤/۹٤، ۹٥ نسائی (۲۲۷٥) ابن ماجه (۱٦٦۸، ۱٦٦۷)

(۵) شیخ فانی یعنی وہ بوڑھا آدمی جو ضعف کی بنا پر روزہ نہ رکھ سکے۔

(البقرة: ۱۸٤، دار قطنی ۲/۲۰٥ نیز شرح السنة باب الرخصة فی الافطار للحامل والمرضعه ٦/۳۱٥، المنتقی لابن جارود (۳۸۱)

نماز تراویح

لفظ تراویح علماء کا ایک اصطلاحی نام ہے ورنہ احادیث رسول میں کہیں بھی یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اسے حدیث کی رو سے قیام اللیل یا صلوۃ اللیل جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جو تین دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اتفاقی قیام کیا اس کو تراویح کا نام دیا گیا۔ یہ بات احناف کے ہاں بھی مسلم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوق دیکھا کہ وہ کثرت کے ساتھ اس نماز میں شریک ہو رہے ہیں تو آپ نے جماعت کو ترک کر دیا اور فرمایا:

((اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تُکْتَبَ عَلَیْکُمْ صَلَاۃُ اللَّیْلِ))(بخاری(۷۲۹)

"مجھے تم پر صلوٰۃ اللیل کی فرضیت کا ڈر ہے۔"

طحاوی ۱/۲۴۲ میں قیام اللیل کے الفاظ ہیں۔ بہرکیف اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا جو آپ نے تین رات جماعت کروائی تھی اسے صلوٰۃ اللیل یا قیام اللیل ہی کہا گیا ہے لہٰذا قیام اللیل کی تعداد میں مروی تمام صحیح احادیث تراویح کی تعداد پر دلالت کرتی ہیں۔

قیام اللیل کی فضیلت

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))

(بخاری(۲۰۰۹)کتاب صلاۃ التراویح)

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے رمضان المبارک کا قیام ایمان اور ثواب سمجھ کر کیا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔"

((عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ الْجُهَنِیِّ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ شَهِدْتُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَصَلَّیْتُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ وَاَدَّیْتُ الزَّكوٰةَ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَقُمْتُهٗ فَمِمَّنْ اَنَا؟ قَالَ((مِنَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ))

(موارد الظمآن (۱۹) مسند بزار ۱/۲۲(۲۵)

"عمرو بن مرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ اگر میں اس بات کی شہادت دوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ ﷺ اللہ

کے رسول ہیں اور میں پانچ نمازیں ادا کروں' زکوٰۃ ادا کروں' رمضان کے روزے رکھوں اور اس کا قیام کروں تو میں کن لوگوں میں سے ہوں گا؟ تو آپ نے فرمایا: صدیقین اور شہداء میں سے۔''

مذکورۃ الصدر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ سابقہ گناہ معاف کر کے اپنے نیک بندوں' صدیقین اور شہیدوں میں اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص نازل فرما کر ہمارا بھی حشر ان لوگوں کے ساتھ کرے۔ آمین!
تراویح کا وقت عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد سے لے کر فجر تک ہے' کسی بھی وقت میں ادا کی جا سکتی ہے۔

یہ گیارہ رکعات مسنون نماز ہے۔ نبی ﷺ کا عام معمول یہی تھا۔ بسا اوقات آپ ﷺ کمی بیشی بھی کر لیتے تھے۔ احلّہ علماء احناف کا بھی یہی مؤقف ہے کہ گیارہ رکعات مسنون ہیں۔

تراویح کی مفصل بحث اور مخالفین کے دلائل کا جائزہ دیکھنے کے لیے ہماری کتاب ''مقالات ربانیہ'' اور ہمارا اشتہار بعنوان ''بجلی آسمانی بر ملا حقانی'' کا مطالعہ فرمائیں۔
یہاں صرف ایک حدیث درج کرتا ہوں:

((عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهُ سَاَلَ عَائِشَةَ کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ: مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَکْعَةً)) الحدیث

(صحیح بخاری کتاب صلاۃ التراویح (۲۰۱۳) مؤطا امام محمد شاگرد امام ابو حنیفه

باب قیام شهر رمضان و ما فيه من الفضل/١٤٢ طبع قديمي كتب خانه' كراچى)

''ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک میں نماز (تراویح) کیسے ہوتی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا: چاہے رمضان کا مہینہ ہو یا غیر رمضان آپ گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی آپ ﷺ کا عام معمول مبارک یہی تھا۔ اسے تمام محدثین رحمۃ اللہ علیہم تقریبا تراویح کے بیان میں لائے ہیں۔''

اعتکاف

اعتکاف کے لفظی معنی کسی چیز پر جم کر بیٹھ جانا اور نفس کو اس کے ساتھ لگائے رکھنا ہے اور شرعا تمام دنیاوی معاملات ترک کر کے عبادت کی نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر مسجد میں ٹھہرنے کا نام اعتکاف ہے اعتکاف بیٹھنے والے کو معتکف اور جائے اعتکاف کو مُـعْـتَـکَف کہا جاتا ہے۔ اعتکاف سال کے اندر کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔ نبی ﷺ سے شوال کے مہینہ کا اعتکاف بھی ثابت ہے لیکن آپ رمضان المبارک میں ہمیشہ اعتکاف بیٹھتے تھے۔ آپ نے رمضان کے درمیانے عشرے کا بھی اعتکاف کیا ہے لیکن افضل آخری عشرے کا ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ آخری عشرے کا اعتکاف کرتے رہے حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

((عَـنْ عَـائِشَةَ رَضِـيَ الـلـه عنها زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اَنَّ الـنَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ))

(بخاری(٢٠٢٦)

"عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت کر دیا پھر آپ کے بعد آپ کی بیویاں (رضی اللہ عنہن) اعتکاف کرتی تھیں۔"

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم كَانَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْاَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ فَاعْتَكَفَ عَامًا حَتّٰى اِذَا كَانَ لَيْلَةَ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِيْ يَخْرُجُ مِنْ صَبِيْحَتِهَا مِنْ اِعْتِكَافِهٖ قَالَ مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ))

"ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے درمیانے عشرے کا اعتکاف کرتے تھے۔ ایک سال آپ نے حسب معمول اعتکاف لیا۔ جب اکیسویں رات ہوئی۔ یہ وہ رات تھی جس کی صبح کو آپ اپنے اعتکاف سے نکلتے تھے۔ آپ نے فرمایا: جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ آخری عشرے کا بھی اعتکاف بیٹھے۔"

((عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكَفَهٗ))

الحدیث(ابن ماجه(١٧٧١) ابو داؤد (٢٤٦٤)

"سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز پڑھ کر اپنی جائے اعتکاف میں داخل ہو جاتے۔"

اعتکاف کے طریقے میں اہل علم کے دو اقوال ہیں: (۱) ایک قول یہ ہے کہ اعتکاف مسنون آخری عشرے کا ہے اور آخری عشرے کا آغاز بیس رمضان کا سورج غروب ہوتے ہی ہو جاتا ہے لہٰذا معتکف کو چاہیے کہ وہ اکیسویں رات شروع ہوتے ہی مسجد میں آ جائے۔ رات بھر تلاوت قرآن' ذکر الٰہی اور تسبیح وتہلیل وقیام میں مصروف رہے اور نماز فجر ادا کر کے

اپنے اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جائے۔

(۲) دوسرا مؤقف یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے آخری عشرے کا اعتکاف کیا اور دوسری حدیث میں یہ ہے: اعتکاف کی جگہ میں آپ فجر پڑھ کر داخل ہوجاتے لیکن اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ اکیس یا بیس کی صبح ہے بہتر یہ ہے کہ معتکف بیس رمضان کی فجر پڑھ کر اعتکاف کا آغاز کرے تاکہ آخری عشرے کی ۲۱ویں کی طاق رات جائے اعتکاف میں گزارے کیونکہ اعتکاف لیلۃ القدر کی تلاش کا ایک ذریعہ ہے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ جب آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ درمیانے عشرے کا اعتکاف کیا۔

کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ اعتکاف کر کے اپنا بوریا بستر باندھ کر گھروں کو چلے گئے تو آپ نے فرمایا: جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ آخری عشرے کا بھی اعتکاف کرے اور یہ بیس رمضان کو فرمایا تھا۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آخری عشرے کی اکیسویں رات بعد از غروب آفتاب شروع ہوتی ہے۔ آپ نے بیسویں کے دن کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے اعتکاف کروایا حالانکہ آپ انہیں رات کو بھی بلا سکتے تھے اور کہہ دیتے کہ تم نے اعتکاف کے مقام پر داخل ہونا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ: اگر بیس کی صبح کو مسجد میں آجائے تو ذہنی طور پر لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے تیار ہو جائے گا اور جائے اعتکاف سے مانوس بھی ہو جائے گا اس طرح اس کی اکیسویں رات معتکف میں گزرے گی جب کہ دوسرے مؤقف کے لحاظ سے ان کی اکیسویں رات جائے اعتکاف سے باہر گزرے گی جو ایک نقص بھی ہے لہٰذا زیادہ مناسب اور موزوں یہ ہے کہ بیسویں کی صبح کو مسجد میں آئے اور نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے معتکف میں تیار ہو کر بیٹھے۔ اس صورت میں دونوں احادیث پر عمل ہو جائے گا۔ صرف آخری عشرے سے ۱۲ گھنٹوں کا اضافہ ہوگا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

مؤقف ثانی مبنی بر احتیاط ہے وگرنہ اعتکاف تو ایک دن یا رات کا بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا

کہ حدیث میں ہے:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: کُنْتُ نَذَرْتُ فِی الْجَاهِلِیَّةِ اَنْ اَعْتَکِفَ لَیْلَةً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ اُوْفِ بِنَذْرِكَ))(بخاری ۲۰۳۲)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرلو۔''

معلوم ہوا کہ اعتکاف ایک عشرے سے کم کا بھی ہوسکتا ہے۔

اعتکاف کی نیت

ہر عبادت کے لیے نیت لازمی ہے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ)) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' (بخاری)

لیکن اس کے لیے زبان سے کوئی تلفظ ثابت نہیں۔ یہ دل کا فعل ہے۔ بعض لوگوں نے مسجد میں داخل ہو کر اعتکاف کے لیے ''نَوَیْتُ سُنَّةَ الْاِعْتِکَافِ'' (میں نے اعتکاف کی سنت کی نیت کی) کے الفاظ مختص کر رکھے ہیں یہ غلط ہیں۔

خواتین کا اعتکاف

عورتیں اگر اعتکاف بیٹھنا چاہیں تو وہ بھی مسجد میں ہی اعتکاف بیٹھیں گی۔ گھر میں اعتکاف کرنے کی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ﴾(البقرۃ:۱۸۷)

''اور تم ان عورتوں سے جماع نہ کرو اس حال میں کہ تم مسجدوں میں اعتکاف

کرنے والے ہو۔'' اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اعتکاف مسجد میں کیا جاتا ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مسجد میں اعتکاف کرنے کی حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔

مباحات اعتکاف:

(۱) حاجات ضروریہ کے لیے مسجد سے نکلنا۔

(بخاری باب هل یخرج المعتکف لحوائجه الی باب المسجد ص ٤٠٠)

(۲) مسجد میں خیمہ لگانا۔ (بخاری باب الاخبية فی المسجد ص ٤٠٠)

(۳) اعتکاف کرنے والے کی بیوی اس سے ملاقات کے لیے مسجد میں آ سکتی ہے۔ اور وہ بیوی کو محرم ساتھ نہ ہونے کی صورت میں گھر چھوڑنے تک ساتھ جا سکتا ہے۔

(بخاری باب هل یخرج المعتکف لحواجه ص ٤٠٠)

(۴) استحاضہ والی عورت اعتکاف کر سکتی ہے۔

(بخاری باب اعتکاف المستحاضة ص ٤٠١)

(۵) معتکف مسجد سے باہر اپنا سر نکال سکتا ہے اور اس کی بیوی حالت حیض میں بھی ہو تو اس کو کنگھی کر سکتی ہے اور اس کا سر دھو سکتی ہے۔ (بخاری (٢٠٢٨، ٢٠٣١)

ممنوعات اعتکاف

(۱) جماع۔ (البقرة: ١٨٧) ابن ابی شیبه ٣/ ٢٩، عبد الرزاق ٤/ ٣٦٣)

(۲) بیمار پرسی کو نہ جائے۔

(۳) جنازے میں شریک نہ ہو۔

(۴) ضروری حاجت کے بغیر نہ نکلے۔ (ابو داؤد (٢٤٧٣)، بیهقی ٤/ ٣١٧)

اعتکاف کا اختتام

آخری عشرہ چونکہ شوال کا چاند دیکھنے کے ساتھ یا رمضان کے تیس دن پورے ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ ہی اعتکاف بھی ختم ہو جاتا ہے۔ معتکف آخری عشرہ پورا ہوتے ہی اعتکاف ختم کر دے۔ ہمارے ہاں جو معاشرے میں یہ بات رائج ہے کہ اعتکاف سے اٹھنے والے کے گلے میں ہار ڈالے جاتے ہیں۔ اسپیشل اٹھانے کے لیے خاندان و برادری کے بڑے لوگ آ کر ملاقات کرتے ہیں یہ ساری باتیں بے دلیل ہیں۔

لیلۃ القدر اور اس کی فضیلت

لیلۃ القدر کا معنی ہے عزت و شرف والی رات۔ چونکہ اس مبارک رات میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس وجہ سے اس رات کو شرافت و بزرگی، بڑائی اور مرتبہ حاصل ہے۔ قرآن مجید میں اس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے پوری سورۃ نازل فرمائی ہے جسے سورۃ القدر کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّـا اَنْـزَلْـنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْـرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْـرٍ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ (القدر)

''یقیناً ہم نے اس قرآن کو قدر والی رات میں نازل کیا۔ آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں ہر قسم کے معاملات سرانجام دینے کو اللہ کے حکم سے فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں۔ یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾(الدخان ٤٤: ٣-٥)

''یقیناً ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں نازل کیا۔ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں اس رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ معاملہ ہماری جانب سے ہے اور ہم بھیجنے والے ہیں۔''

بعض لوگوں نے اس آیت کریمہ کی مراد ۱۵/شعبان کو قرار دیا ہے جسے عرف عام میں شب برات بھی کہتے ہیں لیکن یہ تفسیر درست نہیں ہے کیونکہ قرآن کی نص صریح سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ یہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا ہے۔ اسے ہی سورۃ دخان میں لیلۃ مبارکہ قرار دیا گیا ہے اور یہ رات رمضان المبارک میں ہی ہے کیونکہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾(البقرة:١٨٥)

''ماہ رمضان وہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا اور دوسری آیات سے معلوم ہوا کہ وہ اس ماہ کی اس رات میں نازل ہوا ہے جسے شب قدر کہتے ہیں۔ یہ رات بڑی بابرکت ہے۔

ایک تو اس میں قرآن جیسی کتاب ہدایت کا نزول ہوا۔ دوسرے اس میں فرشتوں اور روح الامین جبرئیل علیہ السلام کا نزول۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس میں سارے سال میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی عبادت ہزار مہینے (۸۳سال ۴ماہ) کی عبادت سے بہتر قرار دی گئی ہے۔

شب قدر کا قیام

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

(بخاری کتاب فضل لیلة القدر ۲۰۱٤)

''جس نے شب قدر کا قیام ایمان وثواب سمجھ کر کیا اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔''

شب قدر کی تلاش

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ: تَحَرَّوْا الْيَلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ))

(بخاری کتاب فضل لیلة القدر ۲۰۱۷)

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے اور ان راتوں میں سے کوئی رات متعین نہیں۔

یہ بعض دفعہ اکیسویں رات کو بھی پائی گئی ہے۔ (بخاری (۱۰۱۶) مسلم (۱۱۶۷) اور بعض دفعہ ستائیسویں رات کو بھی۔ مسلم (۷۶۲)

شب قدر کے لیے محنت وکوشش

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَجْتَهِدُ فِیْ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِیْ غَيْرِهٖ))

(مسلم(۱۱۷۵)مشکوٰۃ (۲۰۸۹)

''سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں عبادت کی جس قدر محنت وکوشش کرتے وہ اس کے علاوہ کسی وقت میں نہ کرتے تھے۔''

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وسلم اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيىٰ لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ))

(بخاری کتاب فضل لیلة القدر (۲۰۲٤)

''عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمربستہ ہوجاتے اور اپنی رات کو زندہ رکھتے اور اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے۔''

شب قدر کی دعا

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا؟ قَالَ: قُوْلِیْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ))

(مشکوۃ (۲۰۹۱)مسند احمد٦/۱۷۱'۱۸۲'۱۸۳'۲۰۸'۲۵۸' ترمذی(۳۵۱۳) ابن ماجه (۳۸۵۰)

''عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ لیلۃ القدر کون سی رات ہے تو میں اس میں کیا کہوں؟ تو آپ نے فرمایا: تو کہہ: ''اے میرے اللہ یقیناً تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے معاف کر دے۔''

شب قدر کی علامات

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

((صَبِيحَةُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ تَطْلُعُ الشَّمْسُ لَا شُعَاعَ لَهَا كَأَنَّهَا طَسْتٌ حَتَّى تَرْتَفِعَ))(مسلم(٧٦٢)عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ)

''شب قدر کی صبح کو سورج بلند ہونے تک اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ وہ ایسے ہوتا ہے جیسا کہ تھالی (پلیٹ)۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے' نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَيُّكُمْ يَذْكُرُ حِينَ طَلَعَ الْقَمَرُ وَهُوَ مِثْلُ شِقِّ جَفْنَةٍ))

(مسلم(١١٧٠) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

''تم میں سے کون اسے یاد رکھتا ہے (اس رات) جب چاند نکلتا ہے تو ایسے ہوتا ہے جیسے بڑے تھال کا کنارہ۔

تیسری حدیث میں ہے:

((لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةٌ سَمْحَةٌ طَلْقَةٌ لَا حَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ تُصْبِحُ الشَّمْسُ صَبِيحَتُهَا ضَعِيفَةً حَمْرَاءَ))

(مسند بزار ١/٤٨٦' مسند طيالسی/٣٤٩' ابن خزيمه٣ل ٢٣١' عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

"شب قدر آسان و معتدل رات ہے جس میں نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ سردی۔
اس کی صبح کو سورج اس طرح طلوع ہوتا ہے کہ اس کی سرخی مدہم ہو جاتی ہے۔
شیخ سلیم الہلالی اور شیخ علی حسن عبدالحمید نے ("صفۃ صوم النبی" /۹۰) میں
اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔"

مذکورہ بالا آیات و احادیث صحیحہ صریحہ سے شب قدر کی فضیلت بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے لہٰذا اس عظیم رات میں قیام، تلاوت قرآن، کثرت دعا جیسے امور بخشش کو ضرور اختیار کیجئے اور اپنی بخشش کا سامان پیدا کر لیں وہ انسان کتنا ہی بدنصیب ہوگا جسے یہ ماہ مبارک نصیب ہو لیکن اس نے اپنی بخشش اور جہنم سے رہائی نہ کروائی۔

((اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا))

صدقۃ الفطر

رمضان المبارک کے روزوں میں بسا اوقات ہم سے کوتاہی و لغزش صادر ہو جاتی ہے جس کے ازالے کے لیے صدقہ فطر فرض قرار دیا گیا ہے اور اس کی ادائیگی سے غرباء و مساکین، فقراء و حاجت مندوں کی مدد بھی ہو جاتی ہے۔

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنَ، مَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ))

(ابو داؤد کتاب الزکوۃ باب زکوۃ الفطر (۱۶۰۹)، بیھقی ۴/۱۶۳، مستدرک حاکم ۱/۴۰۹ دار قطنی ۲/۱۳۸)

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر

روزے دار کو لغو اور شہوت انگیز گفتگو سے پاک کرنے کے لیے اور مساکین کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کیا اس کا صدقہ مقبول ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔"

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ))

(مشکوۃ (۱۸۱۵) بخاری کتاب الزکاۃ (۱۵۰۳) مسلم کتاب الزکاۃ (۹۸٤)

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مسلمانوں کے غلام آزاد مرد عورت چھوٹے اور بڑے پر فرض کیا ہے اور لوگوں کے نماز عید کی طرف نکلنے سے پہلے اس کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔"

((عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ))

(مشکوۃ (۱۸۱٦) بخاری (۱۵۰٦) مسلم (۹۸۵)

"ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم عہد نبوی میں صدقہ فطر ایک صاع گندم یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع منقہ نکالا کرتے تھے۔"

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام اور جو چیز زیر استعمال ہو اس میں سے نکالنا چاہیے اس

کی مقدار ایک صاع ہے۔ صاع کا وزن سوا دو سیر ہے اور اس کی ادائیگی نماز عید سے پہلے ہونی چاہیے۔ اس کی ادائیگی نماز عید سے چند دن پہلے بھی ہو سکتی ہے۔ صحیح بخاری (۱۵۱۱) میں ہے:

((وَ كَانُوا يُعْطُونَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ)) ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز عید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے صدقہ فطر دیتے تھے۔''

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب صدقہ فطر پر محافظ مقرر کیا گیا اور شیطان تین راتیں مسلسل اس ڈھیر سے چوری کے لیے آتا رہا۔ بالآخر اس نے آیت الکرسی کے بارے میں بتا کر جان چھڑائی۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ (۲۱۲۳) بخاری (۲۳۱۱) یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ فطر عید سے چند روز قبل بھی جمع کیا جا سکتا ہے۔

رمضان المبارک اور قرآن مجید:

رمضان المبارک اور قرآن مجید کا آپس میں گہرا ربط و تعلق ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کا نزول رمضان المبارک میں ہوا ہے شاید اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((وَ كَانَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْقُرْآنَ۔۔))

(بخاری کتاب الصوم (۱۹۰۲)

''جبریل علیہ السلام رمضان المبارک کی ہر رات آخر ماہ تک نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ انہیں قرآن مجید سناتے تھے۔''

((عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ))

(بخاری کتاب فضائل القرآن (۴۹۹۸)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نبی ﷺ پر ہر سال ایک مرتبہ قرآن حکیم پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ جس سال فوت ہوئے تو انہوں نے دو مرتبہ آپ پر قرآن حکیم پڑھا۔''

لہٰذا ہر مسلمان بھائی کو رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کرنی چاہیے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے۔

رمضان المبارک اور خیرات:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اَجْوَدُ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ اَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ)) (بخاری کتاب الصوم (۱۹۰۲)

''نبی مکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں جب آپ ﷺ سے جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تب بہت زیادہ سخاوت کیا کرتے تھے جبرائیل علیہ السلام کی ملاقات کے وقت رسول مکرم امام اعظم ﷺ تیز چلتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوتے تھے۔''

لہٰذا ہمیں بھی رمضان المبارک میں صدقہ و خیرات کثرت سے کرنا چاہیے۔ مجاہدین، مدارس اسلامیہ، فقراء و مساکین، یتیم و بیواؤں محتاج و تنگ دست، افلاس زدہ، خستہ حال، کم

مایہ، مفلوک الحال، برہنہ پا، قلاش و بے نوا افراد کی بھرپور مدد کرنی چاہیے تاکہ وہ عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور عید الفطر کی خوشیوں میں بآسانی شرکت کر سکیں۔

رمضان المبارک اور عمرہ

رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت سے بہرہ مند ہونا حج کے اجر و ثواب کے برابر ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه و سلم لِا مْرَاَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مَا مَنَعَكِ اَنْ تَحُجِّی مَعَنَا؟ قَالَتْ: لَمْ يَكُنْ لَنَا اِلَّا نَاضِحَانِ فَحَجَّ اَبُو وَلَدِهَا وَابْنُهَا عَلٰی نَاضِحٍ وَتَرَكَ لَنَا نَاضِحًا نَنْضَحُ عَلَيْهِ قَالَ فَاِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَاعْتَمِرِیْ فَاِنَّ عُمْرَةً فِيْهِ تَعْدِلُ حَجَّةً))

(مسلم کتاب الحج باب فضل العمرة في رمضان (١٢٥٦)

"نبی ﷺ نے ایک انصاری عورت سے فرمایا: تمہیں ہمارے ساتھ حج کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟ اس نے کہا ہمارے پاس پانی لانے والے صرف دو اونٹ ہیں۔ ایک اونٹ پر میرا شوہر اور بیٹا حج کے لیے گئے ہیں اور ایک ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں جس پر ہم پانی لاد کر لاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جب رمضان المبارک آ جائے تو عمرہ کر لینا اس لیے کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔"

كتاب النكاح

دو بیویوں کے درمیان عدل کرنا

(س) ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں ایک کے حقوق صحیح ادا کرتا ہے جب کہ دوسری بیوی کے ساتھ لڑائی جھگڑا وغیرہ رکھتا ہے اور صحیح اخراجات بھی نہیں دیتا اس کا شرعی حکم ذکر کریں؟

(ج) جس آدمی کی دو یا دو سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر ان کے درمیان نان نفقہ رہائش اور رات بسر کرنے میں عدل کرنا واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾(النساء)

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی کافی ہے۔''

معلوم ہوا کہ عورتوں کے درمیان عدل کرنا واجب وضروری ہے اور جو شخص اپنی ازواج میں عدل سے کام نہیں لیتا اس کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ اِمْرَاَتَانِ يَمِيلُ لِاِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرَى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَدُ شِقَّيْهِ مَائِلٌ))(كتاب عشرة النساء للنسائی (٤)ابو داؤد:٢١٣٤)

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی ایک جانب مفلوج ہوگی۔''

البتہ اگر دل میں کسی کی محبت زیادہ ہوگی تو یہ ایک فطری عمل ہے اس میں مواخذہ نہیں۔ (واللہ اعلم)

کنواری لڑکیوں کی شادی کرنا

(س) معاشرے میں یہ رواج عام ہے کہ نوجوان لڑکیوں کو گھروں میں بٹھائے رکھتے ہین اور ان کی شادیاں نہیں کرتے اور اس کی وجہ اکثر یہ ہوتی ہے کہ برادری میں مناسب

رشتہ نہیں ملتا۔ یا بعض لوگوں نے اپنی لڑکیوں کو سکول ٹیچر لگوا رکھا ہے اور ان کی تنخواہ پر گزارہ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی شادی نہیں کرتے۔ کیا اس طرح اولاد کو بٹھائے رکھنا درست ہے؟

(ج) والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنی زیر کفالت بچیوں کی شادی کریں اور شادی میں برادری کی قید نامناسب ہے اصل تعلق دینی ہے لہٰذا دیندار رشتے تلاش کر کے نکاح کر دینا چاہئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ﴾

''تم اپنے مجرد افراد کے نکاح کرو۔''

نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ))(ترمذی:١٠٨٤)

''جب کوئی آدمی تمہیں منگنی کے لئے کہے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے شادی کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت فساد ہوگا۔''

معلوم ہوا کہ دینی رشتہ مل جائے تو جلدی شادی کر دینی چاہئے۔ اس لئے والدین پر لازم ہے کہ اپنی بالغ اولاد کے لیے مناسب دینی رشتے تلاش کر کے ان کی شادیاں کریں' غفلت وسستی سے کام نہ لیں۔

شادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچے کا حکم

(س) ایک شخص کی ایک لڑکی سے منگنی ہوگئی ان کا آپس میں ملاپ رہتا تھا پھر شادی ہوئی تو شادی کے دو ماہ بعد اس لڑکی کے ہاں بچے کی ولادت ہوگئی کیا یہ بچہ حلال کا شمار ہوگا یا حرام کا کتاب وسنت کی رو سے وضاحت فرمائیں۔ (عبدالقدوس گلیات)

(ج) شادی کے دو ماہ بعد بچے کی ولادت کسی طرح بھی درست نہیں ایسا بچہ جو شادی

کے دو ماہ بعد پیدا ہو حلال کا کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ چار ماہ تک روح پڑتی ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول کریم صادق و مصدوق ﷺ سے روایت کرتے ہیں

((إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ ------ ------الرُّوحَ))

(صحیح البخاری کتاب القدر (٦٥٩٤) وکتاب بدء الخلق (٣٢٠٨) وکتاب احادیث الانبیاء (٣٣٣٢) وکتاب التوحید (٧٤٥٤) صحیح مسلم کتاب القدر (٢٦٤٣)

''بلاشبہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک (نطفے کی صورت میں) جمع کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے مثل جما ہوا خون' پھر اس کے مثل گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے۔ وہ چار چیزوں کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کے رزق' موت' نیک بخت یا بد بخت ہونے کا پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ چار ماہ کے بعد بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے اس کے بعد کم از کم دو ماہ اور ولادت تک لگتے ہیں۔ یعنی کم از کم شادی کے چھ ماہ بعد اگر بچہ پیدا ہو تو اسے اہل علم نے حلال کا شمار کیا ہے اور اس کے باپ کی طرف منسوب کرنا درست قرار دیا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُونَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف ٤٦: ١٥)

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے تکلیف جھیل کر اسے اٹھائے رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنم دیا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑائی کا زمانہ تیس (٣٠) مہینے ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت ۳۰ مہینے یعنی اڑھائی سال بیان کی ہے۔ جس میں چوبیس (۲۴) ماہ یعنی دو سال مدت رضاعت ہے۔ اور باقی جو ۶ ماہ بچتے ہیں وہ مدت حمل ہے۔ کیونکہ مدت رضاعت کی قرآن حکیم نے خود وضاحت کر دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾(البقرة ٢/٢٣٣)

"مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کا ہو۔"

اس آیت کریمہ میں ﴿حولین کاملین﴾ کہہ کر یہ بات بتا دی ہے کہ مدت رضاعت دو برس ہی ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾(لقمان ٣١/١٤)

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف در تکلیف کی صورت میں اٹھائے رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے تاکہ تو میرا شکریہ ادا کرے اور اپنے والدین کا بھی میری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ﴿وفصاله فی عامین﴾ کہہ کر دودھ چھڑائی کی مدت دو برس ہی بتائی ہے۔ لہٰذا شادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ تو حلالی شمار ہوگا۔ اس سے کم مدت والا بچہ حلالی نہیں ہوگا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَقَدِ اسْتَدَلَّ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ مَعَ الَّتِيْ فِيْ لُقْمَانَ

وَفِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ وَقَوْلِهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَ الْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ عَلٰى اِنَّ اَقَلَّ مُدَّةِ الْحَمْلِ سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَهُوَ اِسْتِنْبَاطٌ قَوِيٌّ وَصَحِيْحٌ وَوَافَقَهُ عَلَيْهِ عُثْمَانُ وَجَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ))

(تفسير ابن كثير ٢٥٧/٧'٢٥٨ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)

''اور تحقیق علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ احقاف کی اس آیت کو سورۃ لقمان کی آیت نمبر ۱۴ اور سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۳ کے ساتھ ملا کر استدلال کیا ہے کہ مدت حمل کم از کم چھ ماہ ہے یہ استنباط قوی اور صحیح ہے اور اس پر ان کی موافقت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے کی ہے۔''

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"فَالرِّضَاعُ اَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ شَهْرًا وَالْحَمْلُ سِتَّةُ اَشْهُرٍ"

(الجامع الاحكام القرآن ١٢٩/١٦)

''مدت رضاعت ۲۴ چوبیس ماہ اور حمل کی مدت چھ ۶ ماہ ہے۔''

علامہ شنقیطی سورہ لقمان اور سورۃ البقرہ کی مدت رضاعت والی آیات لکھ کر فرماتے ہیں:

"بَيَّنَ اَنَّ اَمَدَ الْفِصَالِ عَامَانِ وَهُمَا اَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ شَهْرًا فَاِذَا طَرَحْتَهَا مِنَ الثَّلَاثِيْنَ بَقِيَتْ سِتَّةُ اَشْهُرٍ فَتَعَيَّنَ كَوْنُهَا اَمَدًا لِلْحَمْلِ وَهِيَ اَقَلُّهُ وَلَا خِلَافَ فِيْ ذٰلِكَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ"(تفسير اضواء البيان ٣٨/٥'٣٩)

''لقمان اور بقرہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دودھ چھڑائی کی مدت دو سال بیان کی ہے جو چوبیس مہینے ہیں جب چوبیس ماہ کو آپ تیس ماہ میں سے نفی کر دیں تو باقی چھ ماہ رہ جائیں گے جس سے حمل کی مدت متعین ہو جائے گی اور یہ

کم از کم مدت ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔"

امام بیضاوی فرماتے ہیں:

"وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى اَنَّ اَقَلَّ مُدَّةِ الْحَمْلِ سِتَّةُ اَشْهُرٍ لِاَنَّهُ اِذَا حُطَّ مِنْهُ الْفِصَالَ حَوْلَانِ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾بَقِيَ ذَالِكَ" (تفسير بيضاوى ٢/٣٩٤)

"اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان حولین کاملین کی رو سے جب دو سال دودھ چھڑائی کی مدت کو تیس ماہ سے نکال دیا جائے تو چھ ماہ باقی رہ جاتے ہیں۔"

تفسیر جلالین میں ہے:

"سِتَّةَ اَشْهُرٍ اَقَلَّ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَالْبَاقِي اَكْثَرُ مُدَّةِ الرَّضَاعِ" (ص٦٦٨)

"چھ ماہ کم از کم مدت حمل اور باقی دو سال زیادہ سے زیادہ مدت رضاعت ہے۔"

علامہ زمخشری فرماتے ہیں:

" وهذا دليل على ان اقل الحمل ستة اشهر لان مدة الرضاع اذا كانت حولين لقوله عزوجل﴿حولين كاملين لمن اراد ان يتم الرضاعة﴾بقيت للحمل ستة اشهر" (الكشاف ٤/٣٠٢)

"یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے اس لئے کہ اللہ کے فرمان حولین کاملین کی رو سے مدت رضاعت دو سال ہے تو پھر (تیس ماہ میں سے چوبیس ماہ نفی کر دیں) مدت حمل چھ ماہ رہ جاتی ہے۔"

علامہ محمد آلوسی لکھتے ہیں:

"واستدل بها على كرم الله تعالىٰ وجهه و ابن عباس رضى الله عنهما و جماعة من العلماء على ان اقل مدة الحمل ستة اشهر لما

انه اذا حط عن الثلاثين للفصال حولان لقوله تعالىٰ"﴿حولين كاملين لمن اراد اَنْ يتم الرضاعة﴾يبقى للحمل ذلك وجه قال الاطباء قال جالينوس:كنت شديد الفحص عن مقدار زمن الحمل فرايت امرأة ولدت لمائة واربع و ثمانين ليلة وادعى ابن سينا انه شاهد ذالك"(روح المعانی ۱۸/۲٦)

''اس آیت کریمہ سے علی کرم اللہ وجھہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور علماء کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ کم ازکم مدت حمل چھ ماہ ہے اس لئے کہ جب تیس ماہ میں سے دو سال (چوبیس ماہ) دودھ چھڑائی کے نکال لیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ ''مائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل دودھ پلائیں جن کا ارادہ مدت رضاعت کو پورا کرنے کا ہو۔''تو حمل کے لئے یہی چھ ماہ باقی رہ جاتے ہیں اور یہی بات اطباء نے بھی کہی ہے جالینوس نے کہا ہے:''زمانہ حمل کی مقدار کے متعلق میں بڑا سخت متلاشی تھا تو میں نے دیکھا ایک عورت نے ۱۸۴ ایک سو چوراسی راتوں میں بچے کو جنم دیا (یعنی چھ ماہ چار پانچ راتیں) ابن سینا نے اس کے مشاہدے کا دعویٰ کیا ہے۔''

اس آیت کریمہ کی مزید تفسیر کے لئے دیکھیں:

فتح القدير للشوكانی ۱۸/۵' ايسر التفاسير ۲۳۱/٤' تفسير المراغی ۱۸/۲۷' تفسير معالم التنزيل المعروف تفسير بغوی ۱٦۷/٤' احكام القرآن لابی بكر ابن العربی ۱٦۹۸'۱٦۹۷/٤' تفسير مدارك ۵۵۳/۲' تفسير قاسمی ٤٤۵/۸' تفسير فتح البيان ۳۰۰/٦)

بعجہ بن عبداللہ جھنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جھینہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ پیدا ہو گیا اس کے شوہر نے اس بات کا ذکر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کیا آپ نے اس عورت کی جانب ایک آدمی بھیجا وہ تیار ہو

کر آنے لگی تو اس کی بہن نے آہ و بکا شروع کر دی۔ اس عورت نے اپنی بہن سے کہا تم روتی کیوں ہو؟ اللہ کی قسم میں نے اللہ کی مخلوق میں سے اس آدمی (شوہر) کے علاوہ کسی سے اختلاط نہیں کیا۔

اللہ جو چاہے گا میرے متعلق فیصلہ کرے گا۔ جب وہ شخص اس عورت کو لے کر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا تو یہ بات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ تشریف لائے اور خلیفۃ المسلمین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے آپ کیا کرنے لگے ہیں؟ تو خلیفہ نے جواب دیا کہ اس عورت نے چھ ماہ پورے ہوتے ہی بچہ جنم دیا ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ تو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا تو انہوں نے کہا کیوں نہیں۔

تو علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کیا آپ نے یہ آیت نہیں سنی:

﴿وحمله وفصاله ثلثون شهرا﴾ اس کی حمل اور دودھ چھڑائی تیس ماہ ہے اور اللہ نے فرمایا ہے: ﴿حولين كاملين﴾ مدت رضاعت دو سال ہے جب تیس ماہ سے چوبیس ماہ وضع کر دیں تو باقی چھ ماہ رہ جاتے ہیں تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم میرا خیال ہی اس طرف نہیں گیا۔ جاؤ اس عورت کو میرے پاس لے آؤ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال میں پایا کہ وہ اس حمل سے فراغت حاصل کر چکی تھی۔ بعجۃ بن عبداللہ جھنی فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم ایک کوا دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ کے مشابہ تھا۔"

جب اس لڑکے کے والد نے اسے دیکھا تو کہا: "اللہ کی قسم یہ میرا بیٹا ہے مجھے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔"

(تفسیر ابن کثیر ۷ص۲۵۸ تفسیر ابن ابی حاتم ۱۰/۳۲۹۲ '۳۲۹۴ تفسیر الدر المنثور ۶/۹)

مذکورہ بالا توضیح سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ شادی کے چھ مہینے بعد جو بچہ پیدا ہو

اسے حلال کا شمار کیا جاتا ہے اور اس کے باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جو بچہ شادی کے دو ماہ بعد پیدا ہو وہ کسی طرح بھی حلال کا نہیں ہو گا اس میں بدکاری کو یقینی طور پر دخل ہے۔ والدین کو اپنی اولاد کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے۔ بچوں کو بالغ ہونے کے بعد جتنا جلدی ممکن ہو مناسب رشتہ تلاش کر کے انہیں شادی کے بندھن میں منسلک کر دیں۔ تاکہ وہ حرام کاری سے بچ سکیں جو والدین بلاوجہ اپنے بچوں کی شادیاں لیٹ کر دیتے ہیں ان میں سے اکثریت ایسوں کی ہے جو مختلف گلی محلوں' سڑکوں' پارکوں' چوکوں' چوراہوں' ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں اپنی جوانی برباد کر دیتے ہیں اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہمیں اپنی رسومات' ہندوانہ رواج کو بالائے طاق رکھ کر کتاب وسنت کے مطابق اپنی اولادوں کو بہت جلد رشتہ ازدواج میں منسلک کر دینا چاہیے۔ تاکہ وہ اپنی نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کر کے پاکباز' متقی اور صالح بن سکیں۔ آمین

شادی کے لیے اخراجات کا مسئلہ

س: گھر والے شادی کرنے کی بات کرتے ہیں مگر میرے پاس اتنے اخراجات نہیں کیونکہ رواج کے مطابق لڑکی والوں کو بھی زیورات یا نقد رقم کی صورت میں مدد کرنی ہوتی ہے کیا یہ بات شرعی ہے؟ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زرہ سے دلیل لیتے ہیں۔

(ایک سائل ۔PAF سرگودھا)

ج: اپنے آپ کو زنا و بدکاری سے بچانے کے لئے نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح کرنے سے انسان کی نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے مسلمان آدمی غلط نظروں اور گناہ سے بچ سکتا ہے اسلام کے اندر نکاح کرنا انتہائی آسان ہے۔ دنیا کے رسوم ورواج سے دور رہ کر اگر آپ اسلامی نکتہ نظر سے سوچیں تو آپ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے آپ کا فقر اور تنگدستی ممکن ہے کہ اللہ نکاح کے ذریعے دور کر دے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ

يَّكُوْنُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾(النور:32

''تم میں سے جو مرد و عورت بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلام اور باندیوں کا بھی اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔''

یعنی محض غربت اور تنگدستی نکاح میں رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے ممکن ہے نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ تنگ دستی، فقر اور محتاجی کو اپنے خاص فضل و کرم سے وسعت اور فراخی میں بدل دے نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتا ہے۔

1۔ نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کی نیت سے نکاح کرتا ہے۔

2۔ مکاتب غلام جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے۔

3۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

(ترمذی ابواب فضائل جهاد باب ما جاء فی المجاهد و المكاتب والنكاح، عبدالرزاق 259/5 (9542) مستدرك حاكم 217/2، 169 سنن النسائی كتاب الجهاد باب فضل الروحة فی سبيل الله عزو جل (3120) و كتاب النكاح باب معونة الله الناكح الذی يريد العفاف (3218) سنن ابن ماجه كتاب العتق باب المكاتب (2518) صحيح ابن حبان (1653 موارد) مسند ابی يعلى 410/11 شرح السنة 7/9 عن ابی هريرة رضی الله عنه)

سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اس نے کہا اے اللہ کے رسول میں اس لئے آئی ہوں کہ میں آپ کے لئے اپنے نفس کو ہبہ کروں رسول اللہ ﷺ نے اس پر اوپر سے نیچے تک نظر دوڑائی پھر اپنا سر نیچے کر لیا جب اس عورت نے دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو بیٹھ گئی تو آپ کے صحابہ کرام میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا، اے اللہ کے رسول اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو اس کو میرے ساتھ بیاہ دیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا اپنے گھر والوں کی طرف جا دیکھ تو کوئی چیز پاتا ہے وہ چلا گیا پھر واپس آیا اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں پایا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تلاش کر اگر چہ ایک لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔ وہ جا کر پھر واپس آ گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی لیکن میری یہ ازار (تہہ بند) ہے (سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے پاس اوپر اوڑھنے کے لیے بھی چادر نہ تھی) اس کا آدھا حصہ اسے دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے تہہ بند کے ساتھ کیا کرے گا؟ اگر تو پہنے گا تو اس عورت پر اس میں سے کچھ نہ ہوگا اور اگر یہ عورت پہن لے گی تو تیرے اوپر کچھ نہ ہوگا وہ آدمی بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ اس کی مجلس لمبی ہوگئی وہ پھر کھڑا ہوا رسول اللہ ﷺ نے اسے منہ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا اسے حکم دے کر بلایا گیا جب وہ آیا تو آپ نے کہا تیرے پاس قرآن حکیم میں سے کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں فلاں سورتیں آپ نے کہا تو انہیں اچھی طرح یاد رکھتا ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا جا میں نے ان سورتوں کے عوض اس عورت سے تیرا نکاح کر دیا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح باب تزویج المعسر (5087) وکتاب الوکالۃ باب وکالۃ المرأۃ الامام فی النکاح (2310)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح کیلئے شریعت میں لمبے چوڑے اخراجات نہیں ہیں جس صحابی کا نکاح رسول اللہ ﷺ نے کیا اس کے پاس تو سوائے تہہ بند کے کچھ نہ تھا آج کون سا ایسا شخص ہے جس کے پاس کم از کم ایک جوڑا کپڑوں کا نہ ہو اکثریت ایسے لوگوں کی موجود ہے جن کے پاس لباس وافر مقدار میں موجود ہیں۔ رہائش کے لئے گھر موجود ہے۔ اس صحابی سے بڑھ کر معاشی حالت درست ہے۔

لہٰذا آپ رسومات اور رواجوں سے ہٹ کر سنت نبوی کے مطابق نکاح کر والیں حق مہر کی بھی شرح میں کوئی مقدار کم یا زیادہ متعین نہیں۔ حسب استطاعت مہر ادا کر دیں۔ بد

کاری وفحاشی کے اس سیل رواں میں پاکدامنی اختیار کرنا انتہائی لازمی ہے اور نکاح بدکاری سے بچنے کا بہترین راستہ ہے۔ اس لیے گھر والوں کی بات تسلیم کر کے نکاح کے بندھن میں بندھ جائیں اور اللہ تعالی مالی مشکلات کو اپنے فضل وکرم سے درست کر دے گا جیسا اوپر گزر چکا ہے۔

کورٹ میرج

س: کیا کسی بالغ لڑکے اور لڑکی کا ولی کی اجازت کے بغیر عدالت یا پولیس کے سامنے شادی کا اقرار کرنا نکاح کی صحیح دلیل ہے۔ کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں؟ (ابوعمر۔لاہور)

ج: شریعت اسلامیہ میں مردوزن کو بدکاری وفحاشی، عریانی وبے حیائی سے محفوظ رکھنے کے لئے نکاح کی اہمیت انتہائی زیادہ ہے۔ شیاطین اور اس کے چیلے جو مسلمان کے ازلی دشمن ہیں اسے راہ راست سے ہٹانے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ موجودہ معاشرے میں بھی امت مسلمہ میں ان اخلاق رذیلہ کو عام کرنے کے لئے مختلف یہودی ادارے اور آزادیٔ نسواں کے نام سے اٹھنے والی تحریکیں اور یہود ونصاریٰ کے تحت اسلامیات کی ڈگریاں لینے والے پروفیسرز، ججز اور وکلاء اپنا اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔

اگر کوئی لڑکا اور لڑکی عشق معاشقے کی صورت میں گھر سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں تو انہیں پولیس اور نام نہاد عدالتوں کا سہارا مل جاتا ہے۔ وہ اپنی اس غلط محبت کو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے بندھن کا روپ دھار لیتے ہیں۔ آج کل نوجوان لڑکیوں کی خودسری اور گھروں سے فرار اختیار کرنے کی وبا عام ہے بدقسمتی کی بات ہے بعض نام نہاد علماء بھی انہیں سند جواز فراہم کرتے ہیں ان بدقماش اور آوارہ لڑکیوں کی تائید کر کے معزز اور شریف والدین کی بے عزتی اور بے بسی کو نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن اس تاریک دور میں بعض جج ایسے بھی ہیں جو عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر اس بے راہ روی پر قابو پانے کے لئے ایسی لڑکیوں

کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور کتاب وسنت کے دلائل کو مدنظر رکھ کر صحیح فیصلہ بھی کر جاتے ہیں۔

مثلاً شیخوپورہ میں قائم خصوصی عدالت برائے انسداد دہشت گردی کے جج ظہور الحق رانا نے اپنی مرضی سے شادی کرنے والی ایک لڑکی اور اس کے مبینہ خاوند کی عبوری ضمانتیں منسوخ کر دیں جس کے بعد پولیس نے اس جوڑے کو گرفتار کر کے پس دیوار زنداں کر دیا اس جج نے اپنے فیصلے میں کہا:

اسلامی معاشرہ ایسی بے راہ روی کی اجازت نہیں دیتا اور یہ بات انصاف کے منافی ہے کہ ایک لڑکی اپنے بوڑھے ماں باپ کو تھانے اور کچہریوں میں رسوا کرے اور خودسری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاندان کی بے عزتی کا باعث بنے اور اس کے بوڑھے والدین رورو کراسے گھر واپس آ جانے کی منتیں کریں۔ (روزنامہ جنگ لاہور 8 اگست 1999 صفحہ نمبر 2)

لیکن ایسے فیصلے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اکثر جج حضرات یہی فیصلے کیے جا رہے ہیں کہ لڑکی اور لڑکا اگر گھر سے راہ فرار اختیار کر کے عدالت کے سامنے یا پولیس کے سامنے ہی ازدواجی زندگی کا اقرار کرلیں تو یہ نکاح صحیح شمار ہوگا جیسا کہ فیصل آباد کی پروین اور عمران کیس کی خبر روزنامہ جنگ 20 اگست 1999 صفحہ 16 کالم 6 اوکاڑہ کی عظمی اکبر اور نواز احمد کا کیس جس کی خبر روزنامہ جنگ لاہور 9 ستمبر 1999ء قصور کی رخسانہ اور خالد لو میرج کیس 14 ستمبر 1999 جنگ اخبار لاہور وغیرہ پے در پے یکے بعد دیگرے ایسے بے شمار فیصلے ہوئے ہیں جس کو پڑھکر ایک سادہ مسلمان بھی کف افسوس ملتا ہے کہ کلمہ توحید کے نام پر حاصل ہونے والے ملک میں اسلام کا یہ مذاق کتاب وسنت میں بے شمار ایسے دلائل موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نکاح باطل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ﴾ (بقرہ 221)

”اور مشرکین کو نکاح کر کے نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ البتہ غلام مومن مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ مشرک تمہیں اچھا ہی لگے۔“

امام قرطبی فرماتے ہیں:

"فِي هٰذِهِ الْآيَةِ دَلِيْلٌ بِالنَّصِّ عَلٰى اَنْ لَّا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ"

(تفسیر قرطبی 49/3)

یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالی نے مسلمان مردوں کو خطاب کیا ہے کہ تم مشرک مردوں کو اپنی عورتیں نکاح کر کے نہ دو ہاں اگر وہ اسلام قبول کر کے مومنین میں شامل ہو جائیں تو تم ان کو اپنی بچیاں نکاح میں دے سکتے ہو۔

قرآن حکیم کے اس انداز بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان عورت نکاح کا معاملہ از خود طے نہیں کر سکتی بلکہ اس کا نکاح اس کے ولی کی وساطت سے ہی انجام پائے گا۔

امام ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں:

"وَقَدِ اسْتُدِلَّ بِهٰذَا الْخِطَابِ عَلَى الْوَلَايَةِ فِي النِّكَاحِ وَاِنَّ ذٰلِكَ نَصٌّ فِيْهَا"(تفسیر البحر المحیط 165/2)

اس خطاب سے استدلال کیا گیا ہے کہ نکاح میں ولی کی اجازت ضروری ہے اور یہ آیت اس مسئلے میں نص کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هٰذَا خِطَابٌ لِلْأَوْلِيَاءِ وَلَا لِلنِّسَاءِ"(المحلی 421/9)

"یہ خطاب عورت کے اولیاء کو ہے نہ کہ عورتوں کو۔"

علامہ رشید رضا مصری فرماتے ہیں:

"والتعبير تنكحوا وتنكحوا (وفتح التاء وضمها) يشعر بأن الرجال هم الذين يزوجون انفسهم ويزوجون النساء اللواتي يتولون امرهن وان المراة لاتزوج نفسها بالاستقلال ولا بد من الولي۔"

(تفسیر المنار۔351/2)

"پہلے تنکحوا (تا کے زبر کے ساتھ) اور دوسرے تنکحوا (تا کی پیش کے ساتھ) تعبیر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مرد ہی اپنا اور اپنی زیر ولایت عورتوں کا نکاح کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور عورت مرد کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح از خود نہیں کرسکتی اس لئے کہ ولی کی اجازت ضروری ہے۔"

مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں:

لا تنکحوا خطاب مردوں سے ہے تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو حکم خود عورتوں کو براہ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ یہ طرز خطاب بہت پر معنی ہے صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطہ سے ہونا چاہئے۔ (تفسیر ماجدی ص 89)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عورت از خود اپنا نکاح نہیں کرسکتی اس کے ولی کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 232 سورہ نور: 32)

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے دو احادیث ذکر کرتے ہیں۔ 1۔ دور جاہلیت میں ولی کی اجازت کے ساتھ نکاح کے علاوہ بھی نکاح کی کئی صورتیں رائج تھیں جن کی تفصیل صحیح البخاری میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں:

"فَنِكَاحٌ مِّنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطُبُ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهُ اَوِ ابْنَتَهُ فَيَتَصَدَّقُهَا ثُمَّ يُنْكِحُهَا"

"ان میں سے ایک نکاح وہ ہے جو آج کل لوگوں میں رائج ہے کہ آدمی دوسرے آدمی کے پاس اس کی زیر ولایت لڑکی یا بیٹی کے لئے پیغام نکاح بھیجتا اسے مہر دیتا پھر اس سے نکاح کر لیتا پھر نکاح کی دوسری وہ صورتیں جو ولی کے بغیر تھیں ذکر کرکے فرماتی ہیں۔"

"فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ ﷺ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهَا اِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ"

جب محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاح منہدم کر دیئے سوائے اس نکاح کے جو آج کل رائج ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک دور میں نکاح کی صرف اسی صورت کو باقی رکھا ہے جو ولی کی اجازت پر مبنی تھی اور ولی کی اجازت کے علاوہ نکاح کی ہر صورت کو منہدم کر دیا لہٰذا جو نکاح ولی کی اجازت کے بغیر ہوگا وہ جاہلیت کے نکاح کی صورت ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ وَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ وَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ "

(ابو داؤد مع عون 7/97`99 ترمذی مع تحفہ 7/227`228 ابن ماجہ 1/580 مسند احمد 6/48`45 مسند حمیدی 1/112`113 مستدرک حاکم 2/129 بیھقی 7/105)

"جس بھی عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے۔"

ولی کے بغیر نکاح نہ ہونے کا موقف عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سعید بن المسیب، حسن بصری، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، عمر بن عبد العزیز، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راھویہ، امام بخاری رحمہم اللہ اجمعین اور دیگر ائمہ محدثین کا ہے تفصیل کے لئے دیکھیں راقم کی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں جلد دوم اور حافظ صلاح الدین حفظہ اللہ کی کتاب "مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں"

مندرجہ بالا دلائل و براہین سے واضح ہوتا ہے کہ کسی مسلمان عورت کو خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ یا کنواری اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ گھر سے راہ فرار اختیار کر کے اپنے آشنا کے

ساتھ عدالت یا پولیس یا کسی ثالثی کونسل میں جا کر نکاح کروالے اسے چاہیے کہ اپنا نکاح اپنے اولیاء کے ذریعے کروائے۔

ایسی بے راہ روی اور خودسری کی اسلام میں اجازت نہیں اور نہ ہی ولی کے بغیر نکاح کی گنجائش اسلام میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے احوال پر رحم فرمائے۔ انہیں عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی توفیق بخشے۔

نکاح کے بعد چھوہارے تقسیم کرنا

(س) گزارش یہ ہے کہ آپ کا ''مجلۃ الدعوۃ'' فروری 2000 کا شمارہ میں نے پڑھا اس کے صفحہ 4 پر ''استاذ ابوانس شہید'' کی زندگی کے بارے ان کے بھائی نے لکھا ہے کہ:

''شہید کی شادی ہوئی تو نکاح پڑھانے کے بعد ان کے چچا نے چھوہارے تقسیم کیے تو ابوانس نے کھڑے ہو کر مجمع میں کہا کہ یہ ہندوانہ رسم ہے جب کہ ہمارے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ یہ حضور ﷺ کی سنت ہے اس بارے صحیح رہنمائی فرمائیں؟

(عبدالجبار میمن۔ ویل ڈریس شاپ نمبر 320 طارق روڈ کراچی)

(ج) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری راہنمائی کیلئے رسول کریم ﷺ کو اپنا نبی ورسول بنا کر مبعوث کیا' آپ نے تمام امور میں ہماری رہنمائی کی ہے۔ خواہ عبادات ہوں یا معاملات۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الأحزاب 33:21)

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔ ہر اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال' افعال اور احوال میں مسلمانوں کیلئے آپ کی

اقتداء واتباع ضروری ہے خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، معیشت سے ہو یا سیاست سے الغرض زندگی کے ہر شعبے میں اپ کی ہدایات لینی چاہئیں۔ شرعی معاملات میں سے ایک مسئلہ نکاح کا بھی ہے یہ رسول اکرم ﷺ کی مبارک سنت ہے آپ ﷺ نے کئی صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم کے نکاح پڑھائے لیکن کسی بھی صحیح حدیث سے یہ بات نہیں ملتی کہ آپ نے نکاح کے انعقاد پر چھوہارے وغیرہ تقسیم کیے ہوں۔ مجھے یہ بات نہیں ملی کہ یہ ہندوانہ رسم ہے مسلمانوں میں اس چیز کا رواج چند ضعیف اور موضوع روایات کی بنا پر ہے۔ ان کا مختصر تجزیہ درج ذیل ہے۔

(۱)...... "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَزَوَّجَ بَعْضَ نِسَائِهِ فَنُثِرَ عَلَيْهِ التَّمْرُ"

(بیهقی 287/7 الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی 741/2)

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی عورت سے شادی کی تو آپ پر خشک کھجوریں بکھیری گئیں۔"

اس کی سند میں الحسن بن عمرو بن سیف العبدی ہے۔ امام علی بن المدینی اور امام بخاری نے اسے کذاب کہا ہے اور امام ابو حاتم رازی نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

(المغنی فی ضعفاء الرجال 254/1 کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی 208/1)

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "متروک" (تقریب ص:71)

امام بیہقی فرماتے ہیں: "فیہ لین"

ابن حبان نے کہا یہ متروک ہونے کا مستحق ہے۔ (کتاب المجروحین 213/2)

اس کی متابعت ابن ابی داؤد نے کی ہے لیکن اس کی سند میں سعید بن سلام کذاب

ہے۔امام احمد نے اسے کذاب' امام بخاری نے روایات گھڑنے والا وضاع اور دار قطنی نے متروک اور باطل روایات بیان کرنے والا قرار دیا ہے۔

(کتاب الموضوعات 264/2 مطبوعہ کراچی)

علامہ محمد طاہر پٹنی ھندی نے بھی اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص: 126)

لہٰذا یہ روایت باطل و من گھڑت ہے۔

(۲)...... "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا زَوَّجَ أَوْ تَزَوَّجَ نَثَرَ تَمْرًا" (بیہقی 288/7)

"عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی کریم ﷺ جب کسی کی شادی کرتے یا خود شادی کرتے تو خشک کھجور بکھیرتے۔"

امام بیہقی فرماتے ہیں اس کی سند میں عاصم بن سلیمان البصری ہے جسے عمرو بن علی نے جھوٹ اور وضع حدیث کی طرف منسوب کیا ہے ۔امام ذھبی فرماتے ہیں "کذبہ غیر واحد" اسے بہت سارے محدثین نے کذاب قرار دیا ہے۔

(المغنی فی ضعفاء الرجال 506/1) لہٰذا یہ روایت بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

(۳) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا مجھے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری آدمی کی شادی میں حاضر ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا اور انصاری کا نکاح کر دیا اور فرمایا الفت' خیر اور اچھے کاموں کو لازم پکڑو۔اپنے ساتھی کے سر پر دف بجاؤ تو اس کے سر پر دف بجائی گئی اور میووں اور شکر کے پیکٹ لائے گئے تو آپ نے وہ صحابہ پر بکھیر دیئے تو قوم رک گئی اور

انہوں نے اسے نہ لوٹا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کس قدر عمدہ بردباری ہے تو لوٹتے کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ نے اس اس دن لوٹنے سے ہمیں روکا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''میں نے تمہیں لشکروں کی لوٹ مار سے روکا تھا۔ ولیموں کی لوٹ سے نہیں روکا پس تم لوٹو۔''

معاذ بن جبل نے کہا: ''اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ہم سے چھین رہے تھے۔ (الکامل 1/312، 313، الموضوعات لابن جوزی 2/260)

یہ روایت بھی جھوٹی ہے۔ اس کی سند میں بشیر بن ابراہیم الأنصاری ہے۔

امام عقیلی فرماتے ہیں یہ امام اوزاعی کے نام سے جھوٹی روایات بیان کرتا ہے۔ ابن عدی نے فرمایا وہ میرے نزدیک روایات گھڑنے والوں میں سے ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں وہ ثقہ راویوں پر روایتیں گھڑتا تھا۔ (میزان 1/311)

یہ روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں حازم اور لمازہ دونوں مجہول ہیں۔ (الموضوعات لابن الحوزی 2/266)

(۴) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری مرد اور عورت کی شادی میں شریک ہوئے آپ نے فرمایا: ''تمہارا شاھد کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا ہمارا شاھد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''دف'' تو دف لائے۔ آپ نے فرمایا اپنے ساتھی کے سر پر بجاؤ۔

پھر وہ اپنے برتن چھوہاروں وغیرہ سے بھر کر لائے اور انہوں نے چھوہارے وغیرہ بکھیرے تو لوگ اسے حاصل کرنے سے ڈرے جب آپ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا

کہ اپ نے لوٹ سے منع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے لشکروں میں لوٹ سے منع کیا تھا شادی وراس قسم کے مواقع سے منع نہیں کیا۔ (الموضوعات 266/2)

اس کی سند میں خالد بن اسماعیل ہے جو کہ ثقہ راویوں پر روایات گھڑتا تھا۔ جیسا کہ امام ابن عدیؒ نے فرمایا اور امام ابن حبان نے فرمایا: اس سے کسی صورت بھی حجت پکڑنا جائز نہیں۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

"ولا یثبت فی ھذا الباب شئی۔" (بیھقی 288/7)

''اس مسئلہ میں کوئی چیز ثابت نہیں۔''

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ نکاح کے موقع پر چھوہارے بانٹنے اور بکھیر نے کے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔

یہ صرف ایک رواج ہے جو مسلمانوں میں چل نکلا ہے اور اس کیلئے دوکاندار سپیشل اشیاء پیکٹوں میں محفوظ کر کے فروخت کرتے ہیں اور شادی والے حضرت اسے لے جا کر نکاح کے بعد تقسیم کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کوئی بات اس مسئلہ میں صحیح سند سے نہیں ملتی۔ واللہ اعلم

شادی بیاہ پر بینڈ باجا بجانا

﴿س﴾ ایک آدمی کا ذریعہ روزگار شادی بیاہ پر بینڈ باجا کا اہتمام کرنا کرانا ہے۔ ٹیم ساتھ ہوتی ہے پھر جو اس گانے بجانے کا معاوضہ ملتا ہے اسے آپس میں بانٹ لیا جاتا ہے اس کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں کیا موسیقی اور گانے بجانے سے حاصل کی گئی رقم حلال ہے؟

کتاب وسنت کی رو سے راہنمائی کریں؟

ج: موسیقی، گانا بجانا شرعی طور پر حرام ہے اور اس کو بطور پیشہ اختیار کرنا بھی حرام ہے اس کی حرمت اور شیطانی فعل ہونے پر درج ذیل نصوص صریحہ دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں شقی وبدبخت روحوں کی مذمت کی جو قرآن کو چھوڑ کر نغمہ و سرود، موسیقی کو شوق سے سنتے اس کو روح کی غذا سمجھتے اور بطور پیشہ روزگار اپناتے ہین اور حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (لقمان:٦)

"بعض لوگ ایسے ہیں جو غافل کرنے والے آلات خریدتے ہیں تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور اسے ہنسی ٹھٹھا بنائیں ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔"

اس آیت کریمہ میں کلمہ لھوالحدیث سے مراد گانا بجانا اور آلات موسیقی ہیں جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" الغناء و الله الذی لا اله الا هو یر دد ها ثلاث مرات "(ابن کثیر)

"اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں لھوالحدیث سے مراد گانا بجانا اور آلات موسیقی وغیرہ ہیں۔" (المستدرك ٣/١٨٢ (٣٥٩٥) ط جديد)

اسے امام سیوطی نے تفسیر الدرالمنثور میں نقل کر کے ابن جریر اور المنذر، اور بیہقی کی شعب الایمان، ابن ابی شیبہ کی المصنف اور ابن ابی الدنیا کی طرف منسوب کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول محدثین ومفسرین کے ہاں مشہور وثابت ہے عبد

اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک تفسیر یوں مروی ہے کہ:

" ھو الغناء واشباھه کہ لھو الحدیث سے مراد گانا بجانا اور اس کی مثل دوسرے آلات طرب ہیں۔ جابر' عکرمہ' سعید بن جبیر' قتادہ' نخعی' مجاہد' مکحول' عمرو بن شعیب اور علی بن خزیمہ رحمہ اللہ علیہم جیسے جلیل القدر و عظیم الشان مفسرین سے یہی تفسیر منقول ہے جیسا کہ ابن کثیر وغیرہ میں ہے۔

۲۔ سورۃ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ﴾

"کیا تم اس (قرآن) سے تعجب کرتے اور ہنستے ہو روتے نہیں بلکہ تم کھیل رہے ہو۔"

اس آیت میں "سامدون" کی تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کی گئی ہے:

"ھو الغناء بالحمیریه اسمد لنا تغنی "قبیلہ بنو حمیر کی لغت میں "سمد" سے مراد گانا ہے۔ جب کوئی شخص گانا گائے تو کہا جاتا ہے اسمد لنا امام مجاہد سے بھی یہی تفسیر منقول ہے بعض نسخوں میں حمیر کی بجائے یمن کا ذکر ہے۔

(تفسیر مجاھد مع حاشیه ص۶۳۳ المصباح المنیر ص ۱۳۲۵)

۳۔ سورۃ بنی اسرائیل: ۶۴ میں ہے کہ:

﴿ واستفزز من استطعت منهم بصوتك واجلب عليهم بخيلك ورجلك وشاركهم في الاموال والاولاد ﴾

''اور ان میں سے تو جس کسی کو بھی اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے' پھسلا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالا اور ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جا۔''

اس آیت کریمہ میں ''بصوتک'' اپنی شیطانی آواز سے مراد موسیقی آلات طرب' راگ رنگ' رقص و سرود گانے بجانے' ہر فحش آواز جو اللہ کی معصیت کی طرف لے جاتی تفسیر در منثور میں مجاہد سے اس کی تفسیر یوں منقول ہے۔

" استزل من استطعت منهم بالغناء و المزامير و اللهو و الباطل "

''تو ان لوگوں میں سے جس کو پھسلا سکتا ہے گانے بجانے' مزامیر' لھو لعب اور باطل طریقے سے پھسلا لے۔''

نیز دیکھیں: (المصباح المنير ص ٧٧٥)

قرآن مجید کی ان آیات مقدسہ سے واضح ہوتا ہے کہ گانا بجانا' بینڈ باجا اور دوسرے آلات موسیقی اور شیطانی آوازیں حرام اور گمراہی کے آلے ہیں ان کی خرید و فروخت کرنے پر ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے لہٰذا اسے ذریعہ معاش بنانا حرام ہے اور اس کے ذریعے کمائی گئی روزی طیب اور پاک ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ایسے امور سے فی الفور باز آ جانا چاہیے اس کے بعد چند احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ ملاحظہ کیجئے۔

ابو عامر یا ابو مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ليكونن في امتي اقوام يستحلون الحر و الحرير و الخمر و المعازف وينزلن اقوام الى جنب علم يروح عليهم بسارحة لهم ياتيهم يعني الفقير لحاجة فيقولوا ارجع الينا غدا فيبيتهم الله ويضع العلم ويمسخ اخرين قردة و خنازير الى يوم القيامة))

(صحیح البخاری کتاب الاشربہ سنن ابو داؤد)

''میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور باجوں کو حلال قرار دیں گے اور کچھ لوگ ایک پہاڑ کے دامن میں ٹھہریں گے مغرب کے وقت ان کا چرواہا ان کے مویشی لے کر ان کے پاس آئے گا اتنے میں ایک فقیر ومحتاج آدمی ان کے پاس ضرورت سے آئے گا وہ اسے کہیں گے کل آنا۔''

اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ گرا کر رات کے وقت ہلاک کر دے گا اور ان میں سے بعض لوگوں کو بندر اور خنزیر بنا دے گا وہ قیامت تک اسی حالت میں رہیں گے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان اللہ حرم علیکم الخمر و المیسر و الکوبۃ قال و کل مسکر حرام))

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب اور جوا اور طبلہ حرام کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' (ابوداؤد)

گانے بجانے کی حرمت کے بارے میں کئی احادیث صحیحہ مرفوعہ وموقوفہ موجود ہیں جن کی تفصیل ہماری کتاب ''ٹی وی معاشرے کا کینسر'' میں موجود ہے ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گانا بجانا بینڈ باجا' راگ رنگ' طبلے' سرنگیاں' ڈھولک بانسری اور دیگر آلات طرب خریدنا بیچنا استعمال کرنا حرام ہے ان کے ذریعے سے کمائی گئی دولت بھی حرام ہے اور حکم الٰہی سے نازل ہونے والے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے لہٰذا اس حرام پیشہ سے فی الفور توبہ کی جائے اور اسے چھوڑ کر کوئی اور جائز وحلال پیشہ اختیار کیا جائے جو شخص

اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ پر توکل کرے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔

لونڈیوں کے ساتھ تعلقات

(س) اسلام میں کنیز یا لونڈی کے بارے میں کیا حکم ہے اور اس کی اولاد کے بارے میں اور لونڈی کے ساتھ ازواجی تعلقات قائم کرنے کے لیے کیا نکاح کی ضرورت پیش ہوئی ہے۔ (محمد طیب اعوان صدر کلاتھ ہاؤس گول چوک بورے والا)

(ج) اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں کنیز و باندی کے بارے کئی ایک مقامات پر احکامات ذکر فرمائے ہیں۔ مندرجہ بالا مسئلہ کی تفہیم کے لیے درج ذیل آیات پر غور فرمائیں۔

1- وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلك ادنی الا تقولوا (نساء:٣)

اور اگر تمہیں خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں ان سے انصاف نہ کرسکو گے۔ پھر دوسری عورتوں سے جو تمھیں پسند آئیں دو دو' تین تین' چار چار تک نکاح کرلو لیکن اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے یا پھر وہ کنیزیں اور باندیاں ہیں جو تمہارے قبضے میں ہوں۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ بات قرین صواب ہے۔

2- والمحصنتُ من النساء الا ما ملکت ایمانکم ۔ (نساء: ٢٤)

نیز تمام شوہروں والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر وہ باندیاں جو تمہارے قبضے میں آئیں۔

3- ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المومنات

فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات و الله اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوهن باذن اهلهن۔ (نساء: ۲۵)

جو شخص کسی آزاد مومنہ عورت سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھتا ہو وہ کسی مومنہ باندی سے نکاح کر لے جو تمہارے قبضے میں ہوں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کا حال خوب جانتا ہے (کوئی عورت آزاد و یا باندی) سب ایک ہی جنس سے ہیں۔لہٰذا ان کے مالکوں کی اجازت سے تم ان سے نکاح کر سکتے ہو۔

4- والذین هم لفروجهم حافظون إلا علی ازواجهم او ماملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك هم العادون۔ (مومنون: ۵۔۷)

وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے وہ قابل ملامت نہیں ہیں البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں شرمگاہوں کی حفاظت کے عمومی حکم سے دو قسم کی عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔(۱) ازواج۔(۲) ماملکت ایمانهم۔ ازواج کا اطلاق زبان عرب کے معروف استعمال اور قرآن حکیم کی تصریحات کے مطابق صرف ان عورتوں پر ہوتا ہے جو باقاعدہ نکاح میں لائی گئی ہوں اور معروف طریقے کے مطابق ان سے عقد قائم کیا گیا ہو۔اس کے لیے اردو میں بیوی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔جبکہ ماملکت ایمانهم عربی محاورہ اور قرآنی لغت کے اعتبار سے لونڈی و باندی پر بولا جاتا ہے یعنی وہ عورت جو آدمی کی ملک اور قبضہ میں ہو۔اس طرح یہ آیات توضیح کر دیتی ہیں کہ مملوکہ باندی سے بھی مالک کو جنسی تعلقات قائم کرنا جائز ہیں۔اور اس کے جواز کی بنیاد نکاح نہیں بلکہ ملک ہے اگر اس کے لیے نکاح شرط ہوتا تو اسے ازواج سے علیحدہ بیان کرنے کی حاجت نہیں تھی۔کیونکہ منکوحہ ہونے کی صورت میں وہ بھی ازواج میں داخل ہوتیں۔

عصر حاضر میں بعض متجددین اور مغرب زدہ طبقہ جنہیں باندی سے تمتع کا جواز تسلیم نہیں، وہ سورۃ نساء کی آیت ”ومن لم يستطع منكم طولاً ان ينكح المحصنت المومنات“ سے استدلال کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں کہ لونڈی سے بھی نکاح کر کے ہی تمتع کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہاں یہ حکم دیا گیا کہ اگر تمہاری مالی حالت کسی آزاد خاندانی عورت سے شادی کرنے کی متحمل نہ ہو تو کسی لونڈی سے ہی نکاح کر لو۔ لیکن ان لوگوں کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ ایک ہی آیت کے ایک ٹکڑے کو مفید مطلب پا کر اپنا مزعومہ مسئلہ اخذ کر لیتے ہیں اور اس آیت کا دوسرا ٹکڑا جو ان کے مدعا کے خلاف پڑتا ہے اسے ہضم کر جاتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں لونڈیوں سے نکاح کرنے کی ہدایت ان لفظوں میں کی گئی ہے ”فانكحوهن باذن اهلهن واتوهن اجورهن بالمعروف“ ان باندیوں سے نکاح تم ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو اور ان کو معروف طریقہ کے مطابق ان کے مہر ادا کرو۔ یہ آیت کریمہ تو صاف بتلا رہی ہے کہ یہاں خود لونڈی کے مالک کا مسئلہ نہیں بلکہ کسی ایسے شخص کا معاملہ زیر بحث ہے جو آزاد عورت سے شادی کے اخراجات کا بار نہیں اٹھا سکتا جس کی بنا پر وہ دوسرے شخص کی مملوکہ باندی سے نکاح کا خواہش مند ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اپنی لونڈی سے نکاح کا مسئلہ ہو تو اس کے وہ اہل و سرپرست کون ہو سکتے ہیں جن سے اسے اجازت لینی پڑتی ہے؟ مگر قرآن سے کھیلنے والے صرف ”فانكحوهن“ کو لیتے ہیں اور اس کے بعد ”باذن اهلهن“ کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں (از تفہیم القرآن مع حک واضافہ)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثة لهم اجران رجل من اهل الكتاب امن بنبيه و امن لمحمد (صلى الله عليه وسلم) والعبد المملوك اذا ادى حق الله و حق مواليه ورجل كانت عنده امة يطوها فاربها فاحسن تاديبها ولملمهن فاحسن تعليمها ثم اعتقها فتزوجها فله اجران (متفق عليه

بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح الفصل الاول کتاب الایمان رقم ۱۱)

تین آدمیوں کے لیے دوگنا اجر ہے۔ ایک وہ شخص جو اہل کتاب میں سے اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا اور ایسا غلام جو کسی کی ملکیت میں ہے جب وہ اللہ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا حق بھی۔ اور ایسا آدمی جس کے ماتحت باندی ہے اور اس سے جماع کرتا ہے' اسے ادب سکھاتا ہے تو اس کے ادب کو اچھا بناتا ہے اور اسے تعلیم سکھاتا ہے تو اس کی تعلیم کو اچھا کرتا ہے۔ پھر اسے آزاد کرکے اس کے ساتھ شادی کر لیتا ہے' اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔

یہ صحیح حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باندی کے ساتھ تمتع بوجہ ملکیت ہے اسی لیے فرمایا' "بطوها" وہ اس سے وطی کرتا ہے' پھر آزاد کرکے نکاح کر لیتا ہے تو دہرا اجر ہے۔ ظاہر ہے شادی سے قبل وہ اس سے تمتع بوجہ ملک کرتا ہے۔ بہرکیف سلف صالحین اور قدیم ائمہ مفسرین کا یہی موقف ہے کہ باندی سے تمتع بوجہ ملک ہے' اسی لیے اللہ نے انہیں ازواج سے علیحدہ ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی نے السنن الکبریٰ ۷/۱۲۷ میں ایک باب یوں باندھا ہے "باب النکاح وملک الیمین لا یجتمعان" نکاح اور ملک یمین دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس باب کے تحت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اثر لائے ہیں کہ ان کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے اپنے غلام کے ساتھ جماع کر لیا اور عورت نے کہا کیا اللہ نے قرآن میں نہیں فرمایا "او ماملکت ایمانکم" کہ تمہارے ملک یمین جو ہیں تم ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ میرا غلام میرا ملک یمین ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہما نے دونوں کو مارا اور ان دونوں میں جدائی کی اور دیگر شہروں کی جانب لکھ بھیجا۔ جو بھی عورت اپنے غلام سے تمتع کرے یا بغیر گواہ یا ولی کے شادی کرے ان پر حد لاگو کرو۔ اور ابن کثیر وطبری میں ایک منقطع اثر میں ہے کہ صحابہ نے کہا اس عورت نے قرآن کی بے جا تاویل کی ہے۔ اس اثر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کو اپنی باندی سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے نہ کہ عورت اپنے غلام سے۔

اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ۳/۲۶۵۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے

﴿یا ایھا النبی ان احللنالک ازواجک التی اتیت اجورھن وماملکت یمینک مما افاء اللہ علیک الایة﴾(احزاب: ۵۰)

اے نبی! ہم نے تمہارے لیے تمہاری وہ بیویاں حلال کر دیں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت میں آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بیویوں کے لیے باندیوں کو بھی حلال فرمایا ہے۔ اس اجازت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بنی قریظہ کی باندیوں میں سے ریحانہؓ اور غزوہ بنو مصطلق کی باندیوں سے جویریہؓ غزوہ خیبر کی باندیوں سے صفیہؓ اور مقوقس مصر کی بھیجی ہوئی باندی ماریہ قبطیہؓ کو اپنے لیے مخصوص فرمایا ان میں سے پہلی تین کو آپ نے آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا لیکن ماریہ قبطیہؓ کے لیے یہ کہیں بھی ثابت نہیں کہ آپ نے اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا ہو بلکہ ملک یمین کی بنا پر ہی اس سے تمتع کرتے رہے اور ماریہؓ کے بطن سے آپ کا بیٹا ابراہیم پیدا ہوا۔

باندی سے جو اولاد ہو گی وہ اس شخص کی جائز اولاد سمجھی جائے گی۔ اس اولاد کے قانونی حقوق وہی ہوں گے جو شریعت میں صلبی اولاد کے لیے مقرر ہیں۔ صاحب اولاد ہو جانے کے بعد وہ عورت فروخت نہ کی جا سکے گی اور مالک کی وفات کے بعد وہ خود بخود آزاد ہو جائے گی۔ اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ باندیوں کے احکام کی تفصیل کے لیے دیکھیں سورۃ نساء کی تفسیر ''تیسیر القرآن'' از مولانا عبدالرحمان کیلانیؒ اور تفہیم القرآن از سید مودودیؒ۔

خاندانی منصوبہ بندی

(س) میرے الحمدللہ پانچ بچے ہیں۔ ایک بڑا آپریشن ہوا تھا اور باقی چھوٹے آپریشن۔ پیدائش کے وقت کیس سیریس ہو جاتا ہے۔ پیدائش بہت مشکل ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ آپریشن کروالو۔اب بھی پیدائش ہونے والی ہے۔اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپریشن کروالینا چاہیے یا پیدائش میں لمبا وقفہ کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ براہ مہربانی راہنمائی فرمائیں؟

(ج) کتاب وسنت کے نصوص و براہین پر غور وخوض کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولادت ضبط کرنے کی تین صورتیں پائی جاسکتی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:۔ ا۔قطع نسل۔ ۲۔منع حمل۔۳۔اسقاط حمل۔ضبط ولادت کی جدید سے جدید شکل انہی صورتوں میں سے کسی ایک میں شامل وداخل ہوگی۔اول الذکر صورت کا مفہوم یہ ہے کہ شوہر و بیوی میں سے کسی ایک کے توالد وتناسل والے اعضاء میں داخلی یا خارجی ایسی تبدیلی کردی جائے جس کی وجہ سے وہ ابدی طور پر اولاد کی نعمت سے محروم ہو جائیں اور بچہ جنم دینے کے بالکل قابل نہ رہیں۔جیسا کہ گذشتہ دور میں مردوں کو خصی کر دیا جاتا اور آج کے ترقی یافتہ دور میں نس بندی اور آپریشن ہے۔یہ صورت ناجائز وحرام ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"رَدّ رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعونِ التبتل ولو أذن له لاختصينا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر نکاح سے علیحدہ رہنا رد کر دیا۔اگر آپ انہیں اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔

(صحیح البخاری ۵۰۷۳۔ صحیح مسلم ۱۴۵۲/۶۔ ترمذی ۱۰۸۳۔ نسائی ۳۲۱۳۔ ابن ماجہ ۵۹۳/۲۔ مسند احمد ۱۷۵/۱۔ دارمی ۲۱۶۷)

حازم کہتے ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا

"کنا نغزوا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس لنا شیء فقلنا: ألا نستخصی؟ فنھانا عن ذلك ثم رخص لنا ان ننکح المراة بالثوب ثم قرأ علینا (یا ایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا إن اللہ لا یحب المعتدین"

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے کہا: کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع کیا پھر ہمیں رخصت دی کہ ہم ایک کپڑے کے عوض عورتوں سے نکاح کر لیں پھر انہوں نے ہم پر قرآن کی آیت پڑھی۔ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح باب ما یکرہ من التبتل والخصاء ۵۰۷۵)

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ نس بندی یا بذریعہ آپریشن آلات توالد و تناسل میں ایسا تغیر و تبدل کرنا جس سے نسل کا سلسلہ منقطع ہو جائے بالکل ناجائز و حرام ہے۔ البتہ بعض اوقات ایسی صورت کچھ خواتین کے ساتھ پیش آ جاتی ہے کہ ان کے اعضاء تولید اس قابل نہیں ہوتے کہ جن سے فطری اور طبعی طریقے سے ولادت ہو سکے۔ مجبوراً غیر فطری طریقے سے بذریعہ آپریشن بچہ پیدا ہوتا ہے اور ماہر ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق بذریعہ آپریشن دو یا تین مرتبہ ولادت کے بعد عورت میں بچہ جنم دینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی بلکہ جان کے ضیاع کا قوی اندیشہ ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت کے پیٹ میں بچے کا آ جانا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ ایسی اضطراری اور مجبوری کی حالت میں جب کہ ماہر مسلمان ڈاکٹرز فیصلہ دے دیں کہ یہ عورت اب ولادت کے قابل نہیں رہی' ایسی صورت اختیار

کرنے کی گنجائش ہے کہ ولادت کا سلسلہ منقطع کر دیا جائے کیونکہ اسلام کا اصول ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات" ضروریات حرام کو مباح کر دیتی ہیں۔

لہٰذا شدید مجبوری کی صورت میں ماہر مسلم ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق آپریشن کروایا جا سکتا ہے۔

ثانی الذکر صورت یعنی منع حمل سے مراد ہر وہ صورت ہے جس کی بنا پر عورت کے رحم میں حمل ٹھہر نہ سکے اور قوت تولید باقی رہے۔ اس کی بعض صورتیں عہد رسالت میں بھی ملتی ہیں۔ آپ کے دور میں منع حمل کی صورت جو مروج تھی' اسے "عزل" کہا جاتا ہے۔

اس کے متعلق مختلف احادیث مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ (ا) عزل جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں۔ اس کی قباحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز بیان سے بالکل واضح ہے آپ نے عزل کو مخفی طریقے سے زندہ درگور کرنا قرار دیا ہے۔

نیز اسقاط حمل دو مرحلوں میں سے کسی نہ کسی ایک مرحلہ میں ہوگا یا اس میں روح پڑ چکی ہوگی یا نہیں۔ دونوں کے احکام جداگانہ ہیں۔ ان دونوں صورتوں کی تفصیل کسی دوسرے موقع پر ان شاءاللہ ذکر کریں گے۔

صورت مسئولہ میں اگر ماہر مسلم ڈاکٹرز یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ولادت کی وجہ سے عورت کی جان کو خطرہ ہے اور اس کا نظام تولید کمزور پڑ چکا ہے۔ پھر آپریشن کروا سکتے ہیں ورنہ عزل کی کیفیت اختیار کر لیں ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

گھر سے دو سال باہر رہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے

س: شادی شدہ آدمی کا بیرون ملک رہنا عرصہ ۲ سال' کیا اس کا نکاح باقی رہتا ہے یا نہیں یا دوبارہ نکاح کرنا چاہئے حدیث سے ترجمانی کریں۔

ج: شادی شدہ آدمی کا نکاح اس وقت ٹوٹتا ہے یا رشتہ ازدواج ختم ہوتا ہے جب وہ اپنی اہلیہ کو طلاق دے ڈالے اور رجوع نہ کرے حتیٰ کہ عدت گزر جائے یا عورت خلع لے

لے یا دونوں میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے اور دین اسلام سے خارج ہو جائے۔ بصورت دیگر نکاح قائم رہتا ہے' شوہر بیوی سے خواہ کتنا عرصہ دور رہے۔ اور اگر مرد عورت کے نزدیک جانے سے قسم کھالے جسے شریعت میں ایلاء کہتے ہیں تو اگر یہ قسم چار ماہ سے کم مدت کی ہے تو اس کی حیثیت عام قسم کی ہے۔ اگر مدت پوری ہونے سے پہلے ہم بستری کر لیتا ہے تو قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اگر مدت پوری کر لے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ اگر اس نے ہمیشہ کے لیے قسم کھائی ہو یا چار ماہ سے زیادہ کی قسم کھائی ہے تو اسے بیوی کے مطالبہ پر صرف چار ماہ کی مدت دی جائے گی۔ اگر یہ مدت پوری کر لینے کے بعد اپنی بیوی سے ہم بستر کر لیتا ہے۔ تو اس پر صرف کفارہ واجب ہوگا اور اگر ہم بستری نہیں کرتا تو اسے طلاق پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہیں دیتا تو عورت سے دفع ضرر کے لیے حاکم وقت شوہر کی طرف سے طلاق کو نافذ کر دے گا۔ (ملاحظہ ہو تیسیر الرحمان لبیان القرآن از دکتور لقمان سلفی ص ۱۲۶)

لہٰذا مرد کا بیوی سے صرف دور رہنے سے طلاق واقع نہیں ہو جائے گی تاوقتیکہ وہ طلاق نہ دے ڈالے یا عورت خلع نہ لے لے۔ عام طور پر جو لوگ اپنے ملک سے باہر جاتے ہیں کسی کاروبار' نوکری وغیرہ کی غرض سے تو شوہر بیوی عموماً باہمی رضامندی سے ہی ایسا کام کرتے ہیں اور مرد کئی کئی سال باہر رہتے ہیں اور عورتیں اس پر اعتراض نہیں کرتیں۔ بلکہ اس بات پر خوشی محسوس کرتی ہیں۔ سلف صالحین کے دور میں مرد حضرات جہاد فی سبیل اللہ میں کئی کئی سال اپنے گھر سے دور رہتے یا حصول علم کے لیے لمبے لمبے سفر کرتے تھے۔ کہیں سے بھی یہ بات نہیں ملتی کہ اس بعد اور دوری کی بنا پر دونوں کا نکاح ختم ہونے کا کسی نے فتویٰ صادر کیا ہو۔

واللہ اعلم

كتاب
الطلاق

خلع اور طلاق میں فرق

(س) ایک عورت اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں پاکستانی عدالت سے یکطرفہ خلع کی ڈگری حاصل کر لیتی ہے اس کے 6 بچے ہیں۔ 14 سال شادی کو ہو گئے ہیں۔ خاوند کی سختی اور مار کٹائی بھی شامل ہے اب اگر خاوند مار کٹائی سے باز آنے کی قسم اٹھائے اور عورت بھی دوبارہ اس کی زوجیت میں آنا چاہے تو کتاب وسنت کی رو سے مسئلہ بتائیں کہ آیا بغیر حلالہ کے وہ اپنے شوہر کی زوجیت میں آ سکتی ہے؟ (ڈاکٹر ابو طلحہ عمر فاروق معسکر ابن تیمیہ آزاد کشمیر)

(ج) اہل علم کے ہاں یہ بات مختلف فیہ ہے کہ خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے اس کے دلائل یہ ہیں کہ:

1۔ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے جب کہ خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

((اَنَّ اِمْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اِخْتَلَعَتْ مِنْهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عِدَّتَهَا حَيْضَةً))

(سنن ابی داود کتاب الطلاق باب فی الخلع (2229) المصنف عبد الرزاق باب عدة المختلعة 506/6 (11858) جامع الترمذی کتاب الطلاق باب ماء فی الخلع (1185)

"بلاشبہ ثابت بن قیس کی بیوی نے ان سے خلع لیا تو نبی ﷺ نے اس کی عدت ایک حیض مقرر کی۔"

امام خطابی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

" هٰذَا اَدَلُّ شَيْءٍ عَلٰى اَنَّ الْخُلْعَ فَسْخٌ وَلَيْسَ بِطَلَاقٍ "

"یہ حدیث اس بات پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں کیونکہ اگر خلع طلاق ہوتی تو اس کی عدت ایک حیض کی بجائے تین حیض ہوتی۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"عِدَّةُ الْمُخْتَلِعَةِ حَيْضَةٌ"

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی الخلع (2230)بیھقی 450/7المؤطاللمالك565/2

"خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔"

اسی طرح الربیع بنت معوذ بن عفراء نے عہد نبوت میں خلع کیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔

(جامع الترمذی کتاب الطلاق باب ما جاء فی الخلع (1185)سنن ابن ماجه کتاب الطلاق باب عدة المختلعة (3497`3498)

جامع الترمذی میں ہے کہ امام اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں یہ مذہب قوی ہے۔اس لئے کہ صحیح احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔

2۔صحیح شرعی طلاق ایسے طہر میں ہوتی ہے جس میں شوہر نے بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ثابت بن قیس کی بیوی نے جب رسول اللہ ﷺ سے آ کر خلع کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ ایام ماہواری میں ہے یا طہر کی حالت میں۔اس موقع پر اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا سوال نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خلع حیض اور جس طہر میں جماع ہوا ہو دونوں میں واقع ہو جاتا ہے جب کہ شرعی طلاق خاص طہر میں واقع ہوتی ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلع طلاق نہیں۔

3۔ابرہیم بن سعد بن ابی وقاص نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے سوال کیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں۔پھر اس کے بعد عورت نے اس سے خلع لے لیا کیا وہ اس کے بعد اس سے شادی کر سکتا ہے۔انہوں نے فرمایا ہاں خلع طلاق نہیں اللہ تعالی نے خلع والی آیت سے پہلے اور اس آخر میں طلاق کا ذکر کیا ہے اور خلع اس کے درمیان میں ہے۔خلع کوئی چیز نہیں پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ﴾
اور پڑھا﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾(تفسیر ابن کثیر 295/1)

یعنی الطلاق مرتان میں دو رجعی طلاقوں اور فان طلقھا میں تیسری طلاق کا ذکر ہے جب کہ خلع کا حکم ان کے درمیان میں ہے اگر خلع کو بھی طلاق شمار کیا جائے تو وہ چوتھی طلاق بن جائے گی جب کہ چوتھی طلاق کا شرع میں کوئی وجود نہیں۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فتوی ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وَهٰذَا الَّذِي ذَهَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مِنْ اَنَّ الْخُلَعَ لَيْسَ بِطَلَاقٍ وَاِنَّمَا هُوَ فَسْخٌ هُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ وَ ابْنِ عُمَرَو هُوَ قَوْلُ طَاؤُسٍ وَعِكْرِمَةَ وَبِهِ يَقُولُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَ اِسْحَاقُ بْنُ رَاهُوَيْهِ وَاَبُو ثَوْرٍ وَ دَاؤُدَ بْنُ عَلِيِّ الظَّاهِرِي وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ فِي الْقَدِيمِ وَهُوَ ظَاهِرُ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ"

(تفسیر ابن کثیر 295/1)

"اسی بات کی طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما گئے ہیں کہ خلع طلاق نہیں فسخ نکاح ہے اور یہی روایت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنھما سے ہے اور امام طاؤس' عکرمہ' احمد بن حنبل' اسحاق بن راھویہ' ابو ثور' داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی کا قدیم مذہب بھی یہی ہے اور آیت کریمہ کا ظاہر بھی یہی ہے اور دلائل تو یہ اسی مذہب کے مؤید ہیں۔"

لہٰذا مذکورہ شخص اپنی سابقہ اہلیہ سے نیا نکاح کر کے اپنا گھر آباد کر لے اس لئے کہ خلع کی ڈگری سے نکاح ٹوٹتا ہے طلاق واقع نہیں ہوتی اس کے لئے حلالہ کی قطعا حاجت نہیں کیونکہ حلالہ تو شریعت اسلامیہ کی رو سے حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے اور کروانے والے پر لعنت ذکر کی ہے جیسا کہ کتب احادیث میں تصریح ہے۔"

غیر مدخولہ کی عدت

س مولانا مبشر احمد ربانی صاحب کیا عورت کی رخصتی سے پہلے اگر طلاق ہو جائے تو کیا اس کی عدت ہوتی ہے یا نہیں اور دوبارہ نکاح کیلئے کیا حکم ہے اور اسی خاوند سے جس نے اس کو پہلے طلاق دی ہے نکاح ہو سکتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (خالد محمود۔ لاہور)

ج اگر عورت کی رخصتی سے پہلے طلاق ہو جائے تو ایسی عورت کے لئے کوئی عدت نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ (الاحزاب 49;33)

''اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں چھونے سے قبل طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو پس تم انہیں فائدہ دو اور اچھے طریقے سے رخصت کر دو۔''

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ مطلقہ غیر مدخولہ کی شرعا کوئی عدت نہیں لہٰذا ایسی طلاق یافتہ عورت کا نکاح اس کے بعد جہاں اولیاء مناسب سمجھیں کر دیں۔ اگر پہلے شوہر کے ساتھ ہی نباہ ہو سکے اور عورت پسند کرے تو وہاں نکاح کر دیں بصورت دیگر جہاں مناسب رشتہ معلوم ہو نکاح ہو سکتا ہے۔ کوئی شرعی مانع موجود نہیں۔

حالت حمل میں طلاق اور رجوع کا حکم

س ایک شخص نے اپنی اہلیہ کو حالت حمل میں طلاق دے ڈالی پھر چار ماہ بعد بچہ پیدا ہو گیا اور ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے اب دونوں میاں بیوی صلح کرنا چاہتے ہیں کیا صلح کی

کوئی گنجائش موجود ہے۔ (محمد ارشد ولد احمد علی)

(ج) حالت حمل میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((انه طلق امراته وهي حائض وذكر ذلك عمر للنبي صلى الله عليه وسلم فقال مره نليراجعها ثم ليطلقها طاهرا او حاملا))

"انہوں نے اپنی عورت کو طلاق دے دی اور وہ حالت حیض میں تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی ﷺ سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا۔ عبداللہ کو حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرلے پھر اسے (بعد از حیض) طہر میں طلاق دے یا حالت حامل میں۔ (صحيح مسلم ١/٤٧٦)

قاضی شوکانی فرماتے ہیں: ((رواه الجماعة الا البخاري))

(نيل الاوطار ٦/٢٢١)

اسے امام بخاری کے علاوہ جماعت نے روایت کیا ہے۔ عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

((الطلاق على اربعة وجوه وجهان حلال ووجهان حرام فاما الحلال فان يطلقها طاهرا عن غير جماع او ان يطلقها حاملا مستبينا واما الحرام فان طلقها وهي حائض او يطلقها حين يجامعها لا تدرى اشتمل الرحم على ولدك ام لا))

(دار قطني كتاب الطلاق ٣٨٤٥ بيهقي ٧/٣٢٥)

"طلاق کی چار صورتیں ہیں دو حلال ہیں اور دو حرام۔ جو حلال ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو دوسری یہ کہ اس وقت طلاق دے جب حمل ظاہر ہو جائے اور وہ جو حرام ہیں ایک یہ کہ حیض کی حالت میں اہلیہ کو طلاق دے دوسری یہ کہ جماع کے بعد طلاق دے اور حمل کا

کچھ علم نہ ہو۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع صحیح اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت سے معلوم ہوا کہ حاملہ عورت کو بھی طلاق دی جا سکتی ہے اور یہ طلاق بدعی نہیں سنی ہے اور اس طلاق کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ سورۃ الطلاق میں اس کی تصریح موجود ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾(الطلاق:٤)

"اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے۔"

اس آیت مجیدہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر حاملہ کی عدت بچہ جنم دینے تک ہے عورت خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ امام ابن کثیر اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"من كانت حاملا فعدتها بوضعه ولو كان بعد الطلاق او الموت بفواق ناقة في قول جمهور العلماء من السلف والخلف كما هو نص هذه الاية الكريمه و كما وردت به السنة النبويه"

(تفسیر ابن کثیر ٤/٣٨١)

"حاملہ عورت مطلقہ یا بیوہ ہو دونوں کی عدت ان کے بچے کا پیدا ہونا ہیں خواہ یہ عمل طلاق یا خاوند کی موت کے بعد فوراً وقوع پذیر ہو جائے جمہور علماء سلف و خلف کا یہی قول ہے۔"

قرآن مجید کی نص اور سنت نبویہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عورت کے بچہ پیدا ہوتے ہی نکاح ختم ہو چکا ہے اور اب رجوع نہیں اگر آدمی کی طلاق پہلی یا دوسری ہے تو از سر نو نکاح ہو سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ﴾(البقرۃ:٢٣٢)

"جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔"

اس آیت کریمہ میں دو رجعی طلاقوں کی عدت گزر جانے کے بعد دوبارہ نکاح کا حکم ذکر کیا گیا ہے یعنی اگر شوہر نے پہلی یا دوسری طلاق دی ہو اور عدت گزر چکی ہو تو دوبارہ اگر باہمی رضامندی سے اکٹھے ہونا چاہئے تو نکاح کر کے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ عدت گزر چکی ہے اور طلاق دھندہ کی اگر پہلی یا دوسری طلاق ہے تو نیا نکاح کر کے اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔

حالت حیض کی طلاق

(س) کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان دین متین حفظہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ایک ماہ کے وقفے سے تین طلاقیں دیں بعد میں اسے پتہ چلا کہ طلاق اول چونکہ ایام حیض میں دی گئی تھی واقع نہیں ہوئی اور وہ رجوع کا حق مع طلاق ثالث بجا طور پر رکھتا ہے اور اس رجوع میں نکاح جدید کی ضرورت ہے یا نہیں تیسری طلاق 5-1-2002 کو دی تھی مستفتی کو یہ سارا مسئلہ عدم علم شرعی کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ بینوا توجروا۔ محمد رفیق مغل ڈھوک الٰہی بخش عمر روڈ دکان آر ایم ٹیلرز نزد

پیراڈائز جنرل سٹور راولپنڈی

(ج) کتاب وسنت کی نصوص صحیحہ صریحہ کی رو سے حالت حیض میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور جمہور ائمہ محدثین رحمہم اللہ اجمعین کا یہی قول ہے اس کے دلائل درج ذیل ہیں: (۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی اور وہ حالت حیض میں تھی عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا "مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا" اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اسے اس حالت میں رکھے یہاں

تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر حائضہ ہو پھر پاک ہو جائے پھر اگر چاہے تو اس کے بعد روک لے اور اگر چاہے تو طلاق دے دے چھونے سے پہلے یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔

(صحیح البخاری(٥٢٥١)صحیح مسلم' موطا' مسند شافعی(١٦٣٠)ابو داؤد (٢١٧٩'٢١٨)ابن ماجه(٢٠١٩)نسائی' دارمی' ابن الجارود(٧٣٤)دار قطنی بیهقی ٣٢٤'٣٢٣/٧) مسند طیالسی(١٨٥٣)مسند احمد٢/٦'٥٤'٦٣'٦٤'١٠٢'١٢٤ مسند عمر لابن النجاد قلمی ١١٨/١'١٢٠/٢)

جمہور محدثین فقہاء کے ہاں محل استدلال اس حدیث میں ''فَلْيُرَاجِعْهَا'' کے الفاظ ہیں کہ آپ نے رجوع کا حکم دیا اگر طلاق واقع نہ ہوتی تو رجوع نہ ہوتا بعض لوگوں نے یہاں رجوع کا لغوی معنی مراد لیا ہے کہ اسے پہلی حالت میں لوٹائے نہ کہ اس کی طلاق شمار کی جائے یہ بات دو لحاظ سے غلط ہے۔

١۔ لفظ کو شرعی حقیقت پر محمول کرنا اسے لغوی حقیقت پر محمول کرنے پر مقدم ہے جیسا کہ اصول فقہ کی کتب میں مرقوم ہے۔

٢۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنہوں نے طلاق دی تھی انہوں نے خود اس کی تصریح کی ہے کہ یہ طلاق شمار کی گئی تھی لہٰذا اسے لغوی معنیٰ پر محمول کرنا بلا دلیل درست نہیں ہے۔

(٢)۔ امام ابو داؤد الطیالسیؒ نے ابن ابی الذئب از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

"انه طلق امرأته وهی حائض فاتی عمر النبی ﷺ فذكر ذلك له فجعلها واحدة"

''ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اھلیہ کو طلاق دی اور وہ حائضہ تھی تو عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے یہ سارا معاملہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے اسے ایک طلاق قرار دیا۔

(مسند طیالسی (٦٨) دار قطنی (٣٨٦٧)بیھقی ٣٢٦/٧مسند ابن وھب بحوالہ فتح الباری ٣٥٣/٩)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"ھذا نص فی موضع الخلاف فیجب المصیر الیہ"

"یہ حدیث حائضہ عورت کی طلاق کے وقوع میں جو اختلاف ہے اس پر نص ہے اس کی طرف لوٹنا واجب ہے۔"

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جب عورت کو حالت حیض میں طلاق دی جائے تو وہ ایک طلاق شمار ہوتی ہے اور یہ صحیح حدیث اس طلاق کے وقوع پر نص کی حیثیت رکھتی ہے۔

(٣) امام نسائی نے کثیر بن عبید از محمد بن حرب از زبیدی روایت کیا ہے کہ امام زھریؒ سے سوال کیا گیا کہ عورت کو طلاق کس طرح دی جاتی ہے؟ تو انہوں نے کہا مجھے سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"طلقت امرأتی فی حیاۃ رسول اللہ ﷺ وھی حائض فذکر ذلک عمر لرسول اللہ ﷺ فتغیظ رسول اللہ ﷺ فی ذلک فقال: لیراجعھا ثم یمسکھا حتی تحیض حیضہ و تطھر فان بدالہ ان یطلقھا طاھرا قبل ان یمسھا فذاك الطلاق للعدۃ کما انزل اللہ عزوجل قال عبد اللہ بن عمر فراجعتھا وحسبت لھا التطلیقہ التی طلقتھا"

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اپنی اھلیہ کو طلاق دے دی اور وہ حالت حیض میں تھی تو عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی اس پر رسول اللہ ﷺ غصے میں آ گئے آپ نے فرمایا وہ اس سے رجوع کرے پھر اس کو روکے رکھے یہاں تک کہ اسے ایک ماھواری آ جائے اور وہ پاک صاف ہو جائے پھر اگر اس کے لیے ظاہر ہو کہ وہ اسے طلاق دینا چاہتا ہے تو طہارت کی حالت میں جماع سے پہلے طلاق دے

یہ وہ طلاق ہے جو عدت کے لیے ہے جیسے اللہ عزوجل نے وحی نازل کی ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا میں نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور جو طلاق میں نے اسے دی تھی وہ شمار کی۔"

(سنن النسائي كتاب الطلاق باب وقت الطلاق للعدة التي امر الله عزوجل ان يطلق لها النساء (٣٣٩١)

اور اس حدیث کے دیگر طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں:

" وكان عبد الله طلقها تطليقة فحسبت من طلاقها وراجعها عبد الله كما أمره"

"عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اھلیہ کو ایک طلاق دی وہ اس کی طلاق شمار کی گئی اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے رجوع کرلیا جیسا کہ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا۔"

(مسند احمد ١٠/٢٨٩ (٦١٤١) بيهقي ٧/٣٢٤ دار قطني (٣٨٥١) مسلم (٤/١٤٧١) المسند المستخرج لابی نعیم ٤/١٤٩) یہ صحیح حدیث واضح کرتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طلاق شمار کی گئی تھی۔

(۴) یونس بن جبیرؒ نے کہا:

" قلت لابن عمر رجل طلق امرأته وهي حائض فقال تعرف ابن عمر؟ ان ابن عمر طلق امرأته وهي حائضفاتي عمر النبي ﷺ فذكر ذلك له فأمره ان يراجعها فاذا طهرت فاراد ان يطلقها فليطلقها قلت: فهل عد ذلك طلاقاً؟ قال ارأيت ان عجزو استحمق"

"میں نے عبداللہ بن عمر رضی عنہ سے کہا ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس وقت طلاق دی جب وہ حائضہ تھی (اس کا کیا حکم ہے) اس پر انہوں نے کہا تم ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پہچانتے ہو؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو اس وقت طلاق دی جب وہ حالت حیض میں

تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے یہ بات ذکر کی آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر جب وہ حیض سے پاک ہو جائے اس وقت اگر ابن عمر طلاق دینا چاہے تو اسے طلاق دے دے۔ میں نے کہا کیا اسے رسول اللہ ﷺ نے طلاق شمار کیا؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ مجھے بتائیں اگر کوئی عاجز ہو اور حماقت کا ثبوت دے تو اس کی عاجزی اور حماقت کی وجہ سے وہ فرض ساقط ہوگا؟ ہرگز نہیں مطلب یہ کہ اس طلاق کا شمار ہوگا۔

(صحیح البخاری (۵۲۵۸، ۵۳۳۳) صحیح مسلم ۱۰۔۶/۱۴۷۱ مسند احمد ۶۷/۹ (۵۰۲۵) سنن سعید بن منصور (۱۵۴۹) ابو داؤد (۲۱۸۴) ترمذی (۱۱۷۵) نسائی (۳۳۹۹، ۳۴۰۰) ابن ماجه (۲۰۲۲) المسند المستخرج لابی نعیم ۱۵۰/۴۔ ۱۵۱ طحاوی ۵۲/۳ دارقطنی (۳۸۶۱) بیهقی ۳۲۵/۷)

یونس بن جبیر کہتے ہیں: میں نے ابن عمر سے کہا:

"افتحتسب بها؟ فقال مایمنعه"

"کیا تم نے اسے طلاق شمار کیا تو انہوں نے کہا اس سے کون سی چیز مانع ہے؟۔"

(مسلم ۱۰/۱۴۷۱ بیهقی ۳۲۶/۷)

(۵) انس بن سیرینؒ نے کہا:

"سمعت ابن عمر رضی الله عنه قال طلق ابن عمر امرأته وهی حائض فذکر عمر للنبی ﷺ فقال لیراجعها قلت تحتسب؟ قال: فمه؟

"میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا انہوں نے کہا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی وہ حالت حیض میں تھی عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اس سے رجوع کرے۔ میں نے کہا کیا یہ طلاق سمجھی جائے گی؟ تو انہوں نے کہا کہ چپ رہ پھر کیا سمجھی جائے گی۔

(صحیح البخاری کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلك الطلاق (٥٢٥٢)صحیح مسلم١٢-١١/١٤٧١)ابن الجارود(٧٣٥)طحاوی٥٢/٣ دارقطنی(٣٨٤٨)بیهقی٣٢٦/٧مسند احمد٣١٧/٩(٥٤٣٤)(٥٤٨٩)

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

"قلت فاعتددت بتلك التطليقة التي طلقت وهي حائض؟ قال مالي لا أعتد بها؟ وان كنت عجزت واستحمقت"

انس بن سیرینؒ کہتے ہیں میں کہا کیا تم اسے جو حالت حیض میں طلاق دی تھی شمار کی تھی۔ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اسے شمار نہ کروں؟ اگر میں عاجز آ جاؤں اور حماقت کا ثبوت دوں تو کیا یہ فریضہ لاگو نہ ہوگا۔

سنن دار قطنی اور بیہقی کی روایت میں کہ:

"فقال عمر يا رسول الله افتحتسب تلك التطليقة؟ قال نعم"

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول کیا آپ یہ طلاق شمار کریں گے آپ نے فرمایا: ہاں۔

(٦) سعید بن جبیرؒ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ: "حسبت علي بتطليقة" مجھ پر وہ طلاق شمار کی گئی۔

(صحیح البخاری(٥٢٥٣)تغلیق التعلیق٤٣٤/٤ المسند المستخرج لابی نعیم٣٥٢/٩إرواء الغلیل للشیخ الألبانیؒ ١٢٨/٧)

(٧) امام عامر شعبیؒ نے کہا:

"طلق ابن عمر امرأته وهي حائض واحدة فانطلق عمر الى رسول الله ﷺ فأخبره فأمره اذا طهرت ان يراجعها ثم يستقبل الطلاق في عدتها ثم تحتسب بالتطليقة التي طلق اول مرة"

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو دوران حیض ایک طلاق دی عمر رضی اللہ عنہ نے جا

کر رسول اللہ ﷺ کو خبر کر دی آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ رجوع کر لے جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو اس کی عدت کی ابتداء میں اسے طلاق دے دے پھر جو پہلی طلاق دی تھی اسے شمار کر لے۔(بیھقی ۳۲۶/۷ واللفظ له دار قطنی(۳۸۷۳)

علامہ البانیؒ نے فرمایا ہے کہ:

"هذا اسناد صحيح رجاله ثقات على شرط الشيخين"

یہ سند صحیح ہے اس کے رجال بخاری و مسلم کی شرط پر ثقہ و قابل اعتماد ہیں۔

(إرواء الغليل ۱۳۱/۷)

(۸)امام دار قطنی نے ابو بکر از عیاش بن محمد از ابو عاصم از ابن جریج از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے:

"ان رسول الله ﷺ قال "هي واحدة"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ایک طلاق ہے۔(دار قطنی(۳۸۷۰)

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صرف ابن جریج کی تدلیس کا خدشہ ہے کیونکہ انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

(۹)اسی طرح امام دار قطنی نے ابو بکر از محمد بن علی السرخسی از علی بن عاصم از خالد وھشام از محمد از جابر الحذاء روایت کی ہے کہ:

"قلت لابن عمر رجل طلق حائضا؟ قال أتعرف ابن عمر؟ فإنه طلق حائضا فسأل عمر النبي ﷺ فقال "قل له ليراجعها فاذا حاضت ثم طهرت فان شاء طلق وإن شاء امسك قلت: اعتددت بتلك التطليقة؟ قال نعم"

"میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ایک آدمی نے دوران حیض عورت کو طلاق دے دی اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا کیا تم ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پہچانتے ہو اس نے بھی اپنی اھلیہ کو دوران حیض طلاق دی تو عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا آپ

نے فرمایا: اسے کہو کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر جب وہ حیض سے پاک صاف ہو جائے تو چاہے تو طلاق دے ڈالے چاہے تو رکھ لے میں نے کیا کہا تم نے یہ طلاق شمار کی تھی تو انہوں نے کہا ہاں۔"

(دار قطنی (۳۸۷۱)

تنبیہ

(۱) اصل دار قطنی میں خالد الحذاء راوی ہے جب کہ شیخ البانی فرماتے ہیں یہ جابر الحذاء ہے اور یہ تصحیح ثقات لابن حبان اور الأنساب للسمعانی سے کی گئی ہے اور یہ اس سند کے علاوہ معروف نہیں۔

(۲) اس کی سند میں علی بن عاصم الواسطی ہے جسے کئی ایک ائمہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(الکاشف للذھبی وغیرہ)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے غلام نافع بیٹے سالم' یونس بن جبیر' انس بن سیرین' سعید بن جبیر' عامر شعبی اور بروایت ضعیفہ جابر الحذاء رحمھم اللہ اجمعین نے دوران حیض دی گئی طلاق کو شمار کرنا بیان کیا ہے بلکہ بطریق نافع اور عامر شعبی رسول اللہ ﷺ تک یہ بات مرفوعا پہنچتی ہے کہ آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس طلاق کو شمار کیا اور ایک طلاق قرار دیا اس صحیح وصریح نص کے مقابلے میں کوئی بھی ایسی صحیح حدیث نہیں جو اس کا معارضہ کر سکے لہٰذا یہی مؤقف قوی اور دلائل صحیحہ صریحہ کے اعتبار سے درست ہے اب ذیل میں حیض کی طلاق کو شمار نہ کرنے والوں کے دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۔

ابوداؤد نے احمد بن صالح از عبدالرزاق از ابن جریج از ابوالزبیر روایت بیان کی ہے

کہ عبدالرحمٰن بن ایمن مولیٰ عروہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کر رہے تھے اور ابو الزبیر سن رہے تھے انہوں نے کہا "جو آدمی حالت حیض میں عورت کو طلاق دے دیتا ہے اس کے متعلق آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کہنے لگے ابن عمر نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں اپنی اھلیہ کو دوران حیض طلاق دے دی تو عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دوران حیض اھلیہ کو طلاق دے دی ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

" فردها علي ولم يرها شيئا "

رسول اللہ ﷺ نے اسی عورت کو مجھ پر لوٹا دیا اور اس طلاق کو درست نہ سمجھا۔

اور فرمایا: جب عورت حیض سے پاک ہو جائے پھر طلاق دے یا روک رکھے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے قرات کی "اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کی ابتداء میں طلاق دو۔"

(ابو داود(٢١٨٥)المسند المستخرج(٣٤٧١)٤/١٥٢ بیهقی ٧/٣٢٧مسند الشافعی ٢/٣٣'٣٤مسند احمد ٩/٣٧٠(٥٥٢٤)عبدالرزاق(١١٠٠٣)٦/٣٠٩) علاوہ ازیں یہی حدیث صحیح مسلم ١٤٧١/١٤ سنن النسائی (٣٣٩٢)تفسیر النسائی(٦٢١) ٢/٤٤١ مختصراً المنتقی لابن الجارود(٧٣٣)شرح السنة ٩/٢٠٣(٢٣٥٢) طحاوی ٣/٥١ میں بھی موجود ہے لیکن ان کتب میں "ولم یرھا شیئا" کے الفاظ نہیں ہیں۔

وضاحت

(۱) یہ روایت اس بات میں صریح نہیں کہ نبی ﷺ نے اس طلاق کو شمار کیا جب کہ اوپر ذکر کردہ احادیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک طلاق شمار کیا۔

(۲) خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے ایام حیض میں طلاق دی تھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ طلاق شمار کی گئی اور ثقات ائمہ محدثین نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ

بات نقل کی ہے۔

(۳) امام ابوداؤد اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث یونس بن جبیر، انس بن سیرین، سعید بن جبیر، زید بن اسلم، ابوالزبیر اور منصور عن ابی وائل نے روایت کی ہے۔

سب کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ حالت طہر میں آجائے۔ پھر اگر چاہے تو طلاق دے دے اور اگر چاہے تو روک لے۔

"والاحاديث كلها على خلاف ما قال ابو الزبير"

یہ تمام احادیث ابوالزبیر کے قول کے خلاف ہیں۔

(۴) امام ابن عبدالبر، امام خطابی اور امام شافعی رحمہم اللہ نے "لم يرها شيئا" کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اسے کوئی مستقیم چیز نہیں سمجھا اس لیے کہ یہ سنت کے مطابق واقع نہیں ہوئی۔ اسے درست کام نہیں سمجھا بلکہ ایسے آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس پر قائم نہ رہے بلکہ اپنی اہلیہ سے رجوع کرلے بلکہ یہ اسی طرح ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کام میں غلطی اور خطا کا مرتکب ہو تو اسے کہا جائے: "لم يصنع شيئا" اس نے کچھ نہیں کیا یعنی اس نے درست کام نہیں کیا۔

(فتح الباری ۹/۳۵٤ تعلیق علی مسند احمد۹/۳۷۱،۳۷۲)

لہٰذا یہ حائضہ کی طلاق کے وقوع میں صریح نص نہیں ہے۔

(۵) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری ۹/۳۵۴ میں لکھا ہے کہ "عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا جو یہ فرمان ہے کہ کہ "انها حسبت على بتطليقة" کہ طلاق مجھ پر شمار کی گئی اگرچہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی طرح مرفوع کی گئی ہے لیکن یہ بات مسلم ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ طلاق شمار کی گئی ہے۔

تو ان کا یہ قول "لم يرها شيئا" کے ساتھ اس معنی میں کیسے جمع ہو سکتا ہے جو فریق مخالف

نے لیا ہے کہ طلاق شمار نہیں ہوتی اس لیے کہ ''لم یرھاشیئا'' میں ضمیر اگر نبی ﷺ کی طرف لوٹائی جائے (کہ آپ نے اس طلاق کو شمار نہیں کیا) تو یہ بات لازم آئے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بالخصوص اس قصہ میں جو حکم دیا تھا انہوں نے آپ کی مخالفت کی اس لیے کہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ طلاق شمار کی گئی اور اس طلاق کا شمار کیا جانا ''لم یرھاشیئا'' کے خلاف ہے اور یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہوں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی جبکہ انہوں نے اور ان کے باپ عمر رضی اللہ عنہ نے اہتمام کے ساتھ اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تاکہ وہ آپ کے حکم کے مطابق عمل کر گزریں اور اگر ''لم یرھاشیئا'' میں ضمیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف لوئی جائے (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس طلاق کو کچھ نہ سمجھا) تو اس ایک ہی قصہ میں تناقض لازم آئے گا لہٰذا ترجیح کی حاجت پڑے گی اور بلا شک وشبہ وہ بات جسے اکثر اور احفظ راویوں نے بیان کیا ہے جمع کے متعذر ہونے کی صورت میں لینا جمہور کے ہاں زیادہ اولیٰ و بہتر ہے انتہی۔

بعض لوگوں نے یہاں قیاس سے کام لیا ہے جیسا کہ ابن قیم وغیرہ ہیں لیکن نص کے مقابلے میں قیاس فاسد الاعتبار ہے ملاحظہ ہو (فتح الباری ۹/۳۵۵)

(۶) اصول ترجیح میں جس طرح اوثق واحفظ راویوں کی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے اسی طرح مثبت کو نافی پر بھی ترجیح ہوتی ہے ابوالزبیر کی روایت میں بقول فریق مخالف نفی ہے جبکہ نافع' سالم' یونس بن جبیر' سعید بن جبیر' انس بن سیرین اور شعبی کی روایات میں اثبات ہے لہٰذا ان ثقات رواۃ کی روایت راجح ہوگی۔

(۷) اسی طرح ابوالزبیر کی روایت میں احتمال ہے اور ثقات کی روایت میں تصریح ہے۔ تصریح والی روایت راجح ہوگی۔

اعتراض:

ابوالزبیر اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ ابوالزبیر کی متابعات موجود ہیں۔

پہلی متابعت:

جیسا کہ سنن سعید بن منصور (۱۵۵۲) بطریق عبداللہ بن مالک عن ابن عمر مروی ہے کہ:

" أنه طلق امرأته وهي حائض فانطلق عمر الى رسول الله ﷺ فقال: إن عبد الله طلق امرأته وهي حائض فقال رسول الله ﷺ: ليس ذلك بشيء"

انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی ہے اور وہ حالت حیض میں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کوئی چیز نہیں۔

جواب:

(۱) اس کی سند میں حدیج بن معاویہ ہیں جس کے بارے یحیٰی بن معین فرماتے ہیں: لیس بشئ یہ محض ہیچ ہے امام بخاری فرماتے ہیں: "یتکلمون فی بعض حدیثہ" محدثین اس کی بعض روایات میں کلام کرتے ہیں۔ امام نسائی نے کہا: ضعیف ہے ابن سعد کہتے ہیں" کان ضعیفا فی الحدیث" یہ حدیث میں ضعیف ہے۔ امام ابو داؤد نے کہا زہیر حدیج کو پسند نہیں کرتے تھے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: "غلب علیہ الوھم" اس پر وھم غالب ہے۔ امام بزار نے کہا "سیء الحفظ" یعنی اس کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔ (تھذیب ۱/ ۴۵۳، ۴۵۴)

اسی طرح ابوزرعہ رازی، اور ابن ماکولا نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تحریر تقریب التھذیب ۱/ ۲۵۶)

اس کے برعکس اسے امام احمد اور ابو حاتم نے خیر و بھلائی پر قرار دیا ہے ابو حاتم کا کہنا ہے کہ:

" محله الصدق في بعض حديثه وهم يكتب حديثه"

اس کا مقام صدوق ہے اس کی بعض رواتیوں میں وھم ہے اور اس کی حدیث لکھی

جائیگی یعنی متابعت میں اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیج بن معاویہ جمہور محدثین کے ہاں ضعیف ہے اور سوء حفظ کا مریض تھا اور کم روایات بیان کرنے کے باوجود کثیر الوهم بھی تھا اور کثیر الوهم جرح مفسر ہے۔

اس روایت میں حدیج بن معاویہ کے استاد ابواسحاق السبیعی ہیں اور یہ مدلس راوی ہیں اور روایت عن عن کے ساتھ بیان کرتے ہیں انہوں نے اپنے استاد سے یہ روایت سننے کی صراحت نہیں کی اور مدلس کے بارے محدثین کا قاعدہ یہ کہ:

"من ثبت عنه التدليس اذا كان عدلا ان لا يقبل منه إلا ما صرح فيه بالتحديث" (شرح نخبة الفكر ص ۷۲ ط۔ بیروت)

جب عادل راوی سے تدلیس ثابت ہو جائے تو اس کی صرف وہی روایت قبول کی جائے گی جس میں اس نے تصریح بالسماع کی ہوگی۔ لہٰذا ان کی روایت معنعن ہونے کی وجہ سے مردود ہوگی۔

(۳) ابواسحاق السبیعی عمرو بن عبداللہ آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔

(نهاية الاغتباط ص ۲۷۳ تا ۲۷۹)

اور یہ بات ثابت نہیں کہ حدیج بن معاویہ نے ان سے اختلاط سے پہلے سنا ہو اختلاط والے راوی کے بارے میں اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جو اس نے اختلاط سے قبل روایت بیان کی ہو وہ قبول کی جائیگی اور جو حالت اختلاط میں بیان کی ہو یا جس کے بارے معلوم نہ ہو کہ اس نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہے یا بعد میں وہ قبول نہیں ہوگی۔

(نهاية الاغتباط بمن روى من الرواة بالاختلاط ص ۳٤)

(۴) اسی طرح ابواسحاق کے استاذ عبداللہ بن مالک الھمدانی کے حالات نامعلوم ہیں لہٰذا یہ روایت ان علل اربعہ کی وجہ سے ضعیف اور نا قابل حجت ہے۔

نوٹ:

مکتبہ قدوسیہ کی مطبوعہ شرح صحیح بخاری ۷/۳۰ میں ابن مالک کی جگہ ابن مبارک غلطی

سے چھپ گیا ہے۔

(۵) یہ روایت دوران حیض دی گئی طلاق کے عدم وقوع کے بارے میں صریح نہیں بلکہ اس روایت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے "لیس ذلک بشی صواب" یعنی یہ طلاق کوئی درست چیز نہیں خلاف سنت ہے اس سے رجوع کر لینا چاہیے اور عورت جب حیض سے پاک ہو جائے تو اس طہر میں طلاق دے جس میں مجامعت نہ کی ہو۔ (دیکھیں بیھقی ۳۲۷/۷)

دوسری دلیل:

شیخ البانیؒ فرماتے ہیں:

" وأما دعوى أبي داؤد أن الاحاديث كلها على خلاف ما قال ابو الزبير فيرده طريق سعيد بن جبير التي قبله فإنه موافق لرواية ابي الزبير هذه فإنه قال" فرد النبي ﷺ ذلك علي حتى طلقتها وهي طاهر"(ارواء الغليل ۱۲۹/۷، ۱۳۰)

امام ابوداؤد کا جو دعویٰ ہے کہ تمام احادیث ابوالزبیر کے قول کے خلاف ہیں: ابوداؤد کے اس دعویٰ کو سعید بن جبیر کے طریق سے مروی روایت رد کرتی ہے وہ ابوالزبیر کی روایت کے موافق ہے اس میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ نے کہا: " نبی ﷺ نے میرے اوپر اسے لوٹا دیا یہاں تک کہ میں نے اسے طلاق دی وہ حالت طہر میں تھی۔

ج: شیخ البانیؒ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی جس روایت کو ابوالزبیر کی روایت کا قوی شاھد ذکر کیا ہے وہ ابوالزبیر کی روایت کی موافقت نہیں کرتی اور نہ ہی اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق کا وقوع نہیں ہوتا بلکہ دوران حیض دی گئی طلاق کے وقوع اور عدم وقوع کے بارے یہ روایت خاموش ہے جب کہ صحیح البخاری میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے طریق سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تصریح ہے کہ " حسبت علي بتطليقه " یہ طلاق مجھ پر شمار کی گئی۔ یہ روایت نص صریح ہے اور ابن عمر رضی

اللہ عنہ کی جانب سے قطعی فیصلہ ہے کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق شمار ہوتی ہے لہٰذا شیخ البانیؒ کا سعید بن جبیر کی مجمل روایت کو ابی الزبیر کی روایت کا قوی شاھد قرار دینا درست نہیں اور ان کا یہ وہم ہے کہ وہ اکیلے اس مسئلہ میں مصیب ہیں۔ بات وہی درست ہے جو امام ابوداوٗد نے کہی ہے اور امام ابن عبدالبرؒ امام خطابیؒ امام شافعی وغیرھم نے جو مفہوم بیان کیا ہے اور امام بخاریؒ بھی حائضہ کی طلاق کے وقوع میں امام شافعیؒ وغیرہ کے ہم نوا ہیں انہوں نے اپنی صحیح میں یوں باب باندھا ہے:

"باب اذا طلقت الحائض تعتد بذلك الطلاق"

جب حائضہ کو طلاق دے دی جائے تو وہ طلاق شمار کی جائے گی۔

تیسری دلیل:

امام ابن حزمؒ نے یونس بن عبیداللہ از احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم از احمد بن خالد از محمد بن عبدالسلام الخشنی از محمد بن بشار از عبدالوھاب بن عبدالمجید الثقفی از عبیداللہ بن عمر از نافع مولی ابن عمر از ابن عمر روایت کی ہے۔

"أنه قال في الرجل يطلق امرأته وهي حائض قال ابن عمر لا يعتد لذلك"(المحلیٰ لابن حزم ١٠/١٦٣)

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے متعلق کہا جو اپنی عورت کو دوران حیض طلاق دے دے: وہ اس کے لیے شمار نہ کرے۔

ج: یہ روایت فریق مخالف کے لیے دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول "لا یعتد لذلک" کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوران حیض دی گئی طلاق کو شمار نہ کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس حیض میں طلاق دے چکا ہے اس حیض کو عدت میں شمار نہ کرے اور قاعدہ ہے کہ "ان الحديث يفسر بعضه بعضاً" ایک حدیث دوسری کی تفسیر کرتی ہے امام ابن ابی شیبہ نے یہی روایت عبدالوھاب الثقفی از عبیداللہ بن عمر از نافع از

ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کی ہے کہ "جو آدمی اپنی اھلیہ کو دوران حیض طلاق دے دے "لا تعتد بتلك الحيضه" کہ اس حیض کو عدت میں شمار نہ کیا جائے۔

(المصنف لابن ابی شیبه كتاب الطلاق باب ٤ ما قالوا فی الرجل يطلق امرأته وهی حائض ٤/٦ بتحقيق الاستاذ سعيد اللحام)

اسی طرح امام ابوسعید ابن الأعرابی نے کتاب المعجم (۱۷۵۱) میں عباس الدوری از یحیٰ بن معین از عبدالوھاب الثقفی از عبیداللہ از نافع از ابن عمر روایت کی ہے کہ "إذا طلقها وهی حائض لم تعتد بتلك الحيضه" جب آدمی عورت کو دوران حیض طلاق دے تو اس حیض کو عدت میں شمار نہ کرے۔ عبدالوھاب الثقفی کے طریق سے مروی یہ روایات اس بات کی توضیح کر دیتی ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہی ہے کہ اس حیض کو عدت میں شمار نہ کرے یہ مطلب نہیں کہ وہ طلاق ہی شمار نہ کرے نیز اسی حدیث کے راوی عبیداللہ کا قول ہے:

"وكان تطليقه إياها فی الحيض واحدة غير أنه خالف السنة"

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حالت حیض میں دی ہوئی ایک طلاق تھی مگر انہوں نے سنت کے خلاف دی تھی۔

چوتھی دلیل:

امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ دوران حیض طلاق کے عدم وقوع کے قائل ہیں وہ امام شعبیؒ کے اس قول سے دلیل لیتے ہیں کہ:

"اذا طلق الرجل امرأته وهی حائض لم يعتد بها فی قول ابن عمر"

جب آدمی اپنی اھلیہ کو طلاق دے اور وہ حالت حیض میں ہو تو ابن عمر کے قول کے مطابق اسے شمار نہ کیا جائے۔

ج: امام ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ اس کا مطلب وہ نہیں ہے جس کی طرف فریق مخالف

گیا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت میں عورت اس حیض کو شمار نہ کرے اور یہ بات امام شعبی سے منصوص ہے کہ طلاق واقع ہو جائیگی اور اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔(ملاحظه هو التمهيد لابن عبد البر ٥/٦٦فتح البارى ٩/٣٥٤)

دوران حیض طلاق کے عدم وقوع کے قائلین کے دلائل کا تجزیہ آپ نے دیکھ لیا ہے ان حضرات کے پاس کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں ہے جس سے پتہ چلے کہ دوران حیض طلاق واقع نہیں ہوتی جب کہ جمہور ائمہ محدثین رحمھم اللہ کے ہاں دلائل کثیرہ موجود ہیں جو اس باب میں صریح نص کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا دوران حیض دی گئی طلاق کا وقوع ہوتا ہے اور یہی مذہب صحیح اور قوی ہے۔

دوران عدت عورت کا لوگوں کے سامنے آنا

س: کیا عورت خاوند کی وفات کے بعد عدت کے دوران ایسے لوگوں کے سامنے آ سکتی ہے جو اس کے ایسے رشتہ دار ہوں جو خونی تو نہ ہوں مگر بیوگی سے قبل رشتہ داری کے سبب آنا جانا تھا اور کیا ایسے رشتہ دار اس سے اظہار تعزیت صبر و تحمل کی تلقین وغیرہ کر سکتے ہیں جبکہ بڑھاپا کی عمر میں وہ بیوہ ہوئی اور مذکورہ رشتہ دار سے پردہ بھی نہ کرتی تھی۔؟

(جمیل۔لاہور)

ج: عورت کو ہر غیر محرم سے پردہ کرنا چاہیئے یہ اسلامی آداب کا حصہ ہے۔صحابیات رضی اللہ عنھن حجاب و پردہ کیا کرتی تھیں۔صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

"كُنَّا نُغَطِّي وُجُوهَنَا مِنَ الرِّجَالِ"

ہم اجنبی وغیر محرم افراد سے اپنے چہروں کو چھپاتی تھیں۔

لہٰذا جو رشتہ دار عورت کے لئے غیر محرم ہے۔اس سے اس کو پردہ کرنا چاہیئے خواہ عدت میں ہو یا نہ ہو۔البتہ جو عورت جوانی سے گزر چکی ہو اور اسے بڑھاپے نے آ لیا ہو وہ

اگر سر سے چادر وغیرہ اتار دیں تو ان کے لئے جائز ہے بشرطیکہ زیب و زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں اور اگر وہ چادر اتارنے سے پرہیز کریں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ (نور ٢٤:٦٠)

''اور جو عورتیں جوانی سے گزر بیٹھی ہوں اور نکاح کی توقع نہ رکھتی ہوں وہ اگر اپنی چادریں اتار دیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ وہ زیب و زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں تاہم اگر وہ (چادر اتارنے سے) پرہیز ہی کریں تو یہی بات ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں کو جو بڑی عمر کی ہوں اور ان کی جنسی خواہشات ختم ہو چکی ہوں حجاب کی رخصت دے دی ہے اور ساتھ یہ شرط بھی عائد کر دی ہے کہ وہ زیب و زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں۔

لہٰذا اگر عورت جوان ہو تو اس کو حجاب شرعی کی رخصت نہیں ہے وہ پردہ میں رہ کر بات کرے گی۔ اور تعزیت کرنے والوں سے گفتگو کرتے وقت حجاب شرعی کا لحاظ ضرور رکھے گی اور عمر رسیدہ عورت سے تعزیت کرتے وقت یہ پابندی اگر نہ ہو تو کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ اس کے حق میں بھی بہتر صورت یہی ہے کہ وہ اپنی چادر نہ اتارے۔

دوران عدت عورت کا زیورات پہننا

﴿س﴾ جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہو تو دوران عدت اگر اس نے زیورات پہنے ہوں تو کیا انہیں اتار دے۔ کئی اہل علم کہتے ہیں کہ کسی بھی قسم کا زیور اس نے پہنا ہو تو اتار دے حتیٰ

کہ ناک میں ڈالا ہوا کوکا بھی اتار دے۔ کانوں میں چھوٹی سے بالیاں بھی ہوں تو اتار دے۔ جو کپڑے اس نے خاوند کے مرنے سے ایک روز پہلے پہنے ہوں وہ بھی اتار کر نہایت ہلکے پھلکے چھوٹے موٹے سادہ سے کپڑے پہنے جو روی کے ہوں؟

(جمیل سبزہ زار)

ج عورت کو شوہر کی وفات کے بعد دوران عدت زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کرنا منع ہے۔ جیسا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((اِنَّ امْرَاَةً تُوُفِّيَ زَوْجُهَا فَخَشُوْا عَلٰى عَيْنَيْهَا فَاَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَاسْتَاْذَنُوْهُ فِي الْكُحْلِ فَقَالَ لَا تَكَحَّلُ قَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ تَمْكُثُ فِيْ شَرِّ اَحْلَاسِهَا اَوْ شَرِّ بَيْتِهَا فَاِذَا كَانَ حَوْلٌ فَمَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ بِبَعْرَةٍ فَلَا حَتّٰى تَمْضِيَ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا)) (صحیح بخاری (۵۳۳۸) صحیح مسلم (۱۴۸۸)

"ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا تو اس کی آنکھیں خراب ہونے کا اس کے گھر والوں کو ڈر لاحق ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور آپ سے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا وہ سرمہ نہ لگائے (کیا وہ دور اچھا تھا کہ جاہلیت کے زمانے میں) عورت ایک سال کے لئے خراب کپڑے یا برے سے جھونپڑے میں پڑی رہتی تھی جب سال پورا ہو جاتا تو وہ اونٹ کی مینگنی اس وقت پھینکتی جب اس کے پاس سے کتا گزرتا (اگر کتا نہ گزرتا تو وہ کم بخت اسی طرح پڑی رہتی) دیکھو چار ماہ تک سرمہ نہ لگائے۔"

زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

((دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوْهَا اَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ اُمُّ حَبِيْبَةَ بِطِيْبٍ فِيْهِ صُفْرَةٌ خَلُوْقٌ اَوْ غَيْرُهُ فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ

وَاللّٰهِ مَا لِیْ بِالطِّیْبِ مِنْ حَاجَةٍ غَیْرَ اَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ لَا یَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰی مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا)) (بخاری ۵۳۳۸'۵۳۳۴) مسلم (۱۴۸۶) ابو داؤد (۲۲۹۹)

''میں نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی جس وقت ان کے باپ ابوسفیان بن حرب فوت ہوئے تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے زرد رنگ کی خوشبو وغیرہ منگوائی تو اس میں سے کچھ ایک چھوٹی بچی کو لگائی پھر اپنے رخساروں پر بھی لگائی۔ پھر کہا: اللہ کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں مگر میں نے اس لیے لگائی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے اوپر سوگ کرے سوائے خاوند پر چار ماہ دس دن۔''

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ چار ماہ دس دن سوگ کر سکتی ہے اور اس عدت کے دوران وہ زیب وزینت سرمہ وخوشبو وغیرہ نہیں لگا سکتی۔

ایک حالت تو عورتوں کی وہ ہوتی ہے جو عموماً گھروں میں کام کاج وغیرہ میں گزارتی ہیں۔ اس میں زیب وزینت نہیں کرتیں' بس یہی حالت دوران عدت رہنی چاہیے۔

اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ میک اپ کر کے تیار ہوتی ہے اور ہر گھر میں یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ آج عورت نے زیب وزینت کیا ہے یا نہیں۔ لہٰذا عورت دوران عدت ایسی معلوم نہ ہو کہ اس نے کوئی زینت لگا رکھی ہے۔

والدین سے جھگڑے کی صورت میں نابالغہ بچی کے خرچے کا حکم

س: اگر والدین میں کسی وجہ سے تنازع طول پکڑ جائے اور علیحدگی ہو جائے اور ان

دونوں میں سے ایک نابالغہ بچی ہے اس کا خرچہ عدالت نے مقرر کیا ہے اور والد آسانی سے وہ ادا کرسکتا ہے مگر ضد کی وجہ سے گریزاں ہے۔ تو کیا عدالت والد کے اس رویہ کی وجہ سے نابالغہ بچی سے اس کے والد کو نہ ملنے کے احکامات دے سکتی ہے نیز عدالت والد کو خرچہ دینے پر مجبور کرسکتی ہے۔ جبکہ والد نے عدالت سے خرچہ مقرر ہونے کے بعد اپنی جائیداد ادھر ادھر کردی ہے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں ہماری صحیح راہنمائی فرمائیں۔ (محمد احمد۔ لاہور)

ج: مذکورہ صورت اگر صحیح رقم کی گئی ہے تو اس میں نابالغہ بچی کا خرچ والد پر واجب ہے اور والد شرعی طور پر پابند ہے کہ وہ اپنی بچی کا نان ونفقہ ادا کرے بچی خواہ والد کے پاس ہو یا والدہ کے پاس سید الفقہاء امام المحدثین امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح میں کتاب النفقات میں یوں تبویب منعقد کی ہے "باب وجوب النفقة على الأهل والعيال" کہ مرد پر بیوی بچوں کا خرچ دینا واجب ہے۔ پھر اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًی، وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ تَقُوْلُ الْمَرْاَةُ اِمَّا اَنْ تُطْعِمَنِیْ وَاِمَّا اَنْ تُطَلِّقَنِیْ وَیَقُوْلُ الْعَبْدُ اَطْعِمْنِیْ وَاسْتَعْمِلْنِیْ وَیَقُوْلُ الْاِبْنُ اَطْعِمْنِیْ اِلٰی مَنْ تَدَعُنِیْ))

(صحیح البخاری کتاب النفقات باب وجوب النفقة علی الاهل والعیال (5355)

"ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے بہترین صدقہ وہ ہے جسے ادا کرنے کے بعد دینے والا مالدار ہی رہے اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور سب سے پہلے اپنے زیر کفالت افراد پر خرچ کرو بیوی کہتی ہے مجھے کھلاؤ یا طلاق دو اور غلام کہتا ہے مجھے کھلاؤ اور کام پر لگاؤ بیٹا کہتا ہے مجھے کھلاؤ۔ مجھے کس کے سپرد کرتے ہو؟"

(۲) اسی طرح ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ"

(صحیح البخاری کتاب النفقات باب وجوب النفقة علی الاهل والعیال (5356) سنن النسائی کتاب الزکاۃ باب ای الصدقة افضل (2543) مسند احمد 301/12 (7348)، 6912 (7155) صحیح ابن حبان (4243) بیهقی 177/4 کتاب العیال (۷) لابن ابی الدنیا حلیة الأولیاء 181/2 تاریخ بغداد 8/481-482)

''بہترین صدقہ وہ ہے جس کے ادا کرنے کے بعد آدمی مالدار رہے اور سب سے پہلے اپنے زیر کفالت افراد پر خرچ کرو۔''

(۳) القعقاع بن حکیم کہتے ہیں: عبدالعزیز بن مروان نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف لکھا کہ:

"إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ إِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ "وَلَسْتُ أَسْأَلُكَ شَيْئًا وَلَا أَرُدُّ رِزْقًا رَزَقَنِيهِ اللّٰهُ مِنْكَ"

''بلاشبہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور جو لوگ تیرے زیر کفالت ہیں ان پر پہلے خرچ کر۔ میں تجھ سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتا اور جو رزق مجھے اللہ نے تجھ سے دیا اسے میں رد نہیں کروں گا۔''

(مسند احمد 50/8 (4474)، 456/10 (6302) طبقات ابن سعد 150/4 مسند ابی یعلی (5730) الجامع الصغیر (10027)

(۴) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ"

(صحیح البخاری کتاب الزکاۃ باب لا صدقة الا عن ظهر غنی (1427) صحیح مسلم

کتاب الزکاۃ باب بیان أن الید العلیاخیر من الید السفلی 1034/95مسند احمد 42/24(15326)ابن ابی شیبہ 211/3مسند الشہاب للقضاعی (1228`1229) بیہقی 177/4)سنن النسائی کتاب الزکاۃ باب أی الصدقۃ افضل(2542)

''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔اور جو تیری زیر کفالت افراد ہیں ان پر پہلے خرچ کرواور بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی مالدار رہے۔اور جو شخص پاکدامنی چاہے گا اللہ اسے پاکدامنی عطا کرے گا اور جو غنا چاہے گا اللہ اسے غنا دے گا۔''

(۵) جابر رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث مسند احمد 403/22(14031) صحیح ابن حبان(3345)وغیرھما میں موجود ہے۔

(۶)ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ ‘وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ ‘وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى "

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی 1036/97‘ مسند احمد 599/36(22265)طبرانی کبیر (7625)جامع الترمذی (2343)بیہقی 182/4اتحاف المہرۃ 229/6)

''اے آدم کے بیٹے! بے شک تیرا زائد مال کو خرچ کرنا تیرے لیے بہتر ہے اور اسے روک کر رکھنا تیرے لیے برا ہے او بقدر ضرورت پر تو ملامت نہیں کیا جائے گا۔اور جو افراد تیرے زیر کفالت ہیں ان پر پہلے خرچ کر۔اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

(۷)طارق المحاربی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔آپ نے فرمایا:

"يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ أُمَّكَ وَأَبَاكَ وَأُخْتَكَ وَأَخَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ "

سنن النسائی کتاب الزکاۃ (2531)صحیح ابن حبان (3330)علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ارواء الغلیل 319/3)

"دینے والا ہاتھ اونچا ہے اور جو تیری زیر کفالت افراد ہیں ان پر پہلے خرچ کر پہلے اپنی ماں اور باپ کو اور بہن کو اور بھائی کو پھر جو ان سے نزدیک ہوں پھر جو ان سے نزدیک ہوں۔"

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان پر اس کے زیر کفالت افراد کا خرچ واجب ہے یہ بھی یاد رہے کہ والد پر اولاد کا نان ونفقہ اس وقت تک واجب ہے جب لڑکا بالغ نہ ہو جائے اور لڑکی کا نکاح نہ کر دیا جائے۔

لڑکے کی بلوغت اور لڑکی کے نکاح کے بعد ان کا نفقہ والد کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ لڑکا کمانے پر قادر ہو معذور نہ ہو حافظ الحدیث حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

" ذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلَى أَنَّ الْوَاجِبَ أَنْ يُنْفِقَ عَلَيْهِمْ حَتَّى يَبْلُغَ الذَّكَرُ أَوْ تَتَزَوَّجَ الْأُنْثَى ثُمَّ لَا نَفَقَةَ عَلَى الْأَبِ إِلَّا أَنْ كَانُوا زَمْنَى فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ أَمْوَالٌ فَلَا وُجُوبَ عَلَى الْأَبِ وَأَلْحَقَ الشَّافِعِي وَلَا الْوَلَدَ وَإِنْ سَفَلَ بِالْوَلَدِ فِي ذَلِكَ "(فتح الباری 500/9`501)

"جمہور ائمہ محدثین رحمہم اللہ اجمعین اس طرف گئے ہیں کہ باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہے یہاں تک کہ لڑکا بالغ ہو جائے اور لڑکی کی شادی ہو جائے اس کے بعد والد پر کوئی نفقہ نہیں اِلَّا یہ کہ اولاد لنگڑی لولی اور معذور ہو پس اگر اولاد صاحب مال ہو تو پھر باپ پر نفقہ واجب نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پوتوں پڑپوتوں کو بھی نیچے تک اس حکم میں اولاد کے ساتھ ملحق کیا ہے۔"

لہٰذا باپ پر اس نابالغہ بچی کا خرچہ واجب ہے اور باپ شرعی طور پر اس حق کی ادائیگی کا پابند ہے بصورت دیگر سخت گناہ گار ہوگا ۔لیکن اس خرچہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ باپ کو اس بچی سے ملنے پر کسی قسم کا حکم امتناعی جاری کر سکے کیونکہ جس طرح نابالغہ بچی کا نفقہ شرعاً باپ پر واجب ہے اسی طرح باپ کو اپنی بچی سے میل ملاقات کا بھی شرعاً حق حاصل ہے اور اس کے اس شرعی حق کو عدالت سلب نہیں کر سکتی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے۔

﴿ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ .﴾(سورۃ البقرہ 233;2)

''ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے۔''

پس عدالت ایسی پابندی لگانے کی شرعاً مجاز نہیں ہاں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نابالغہ بچی کی پرورش کا حق اس کی ماں کو ہی ہے ماں ہی اس کو اپنے پاس رکھے گی اور ہر طرح سے اس کی پرورش کرے گی ۔مگر عدالت یا ماں اس بچی کے والد کو اس سے ملاقات کرنے سے روک نہیں سکتے۔

عدالت نے اگر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے جو اللہ نے سورۃ البقرہ: 233 میں فرمایا کہ:

﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾

ہر ایک نفس کو اس کی ہمت وبساط کے مطابق حکم ہوا کرتا ہے اور:

﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتٰهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا آتٰهَا ﴾(الطلاق 7;65)

''جو وسعت والا ہے وہ اپنی وسعت سے خرچ کرے گا اور جس کا رزق تنگ

ہے وہ بھی اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرے گا اللہ تعالی ہر شخص کو اتنا ہی حکم کرتا ہے جتنی اس کو طاقت دی ہے۔"

تو عدالت بلاشبہ خرچ کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے اور عدالت کو اپنے اختیارات بروئے کار لا کر ایسا بندوبست کرنا چاہیے جس کی وجہ سے باپ یہ خرچ ادا کرنے پر مجبور ہو جائے اور اپنی ذمہ داری نباہ لے۔

والدین سے جھگڑے کی صورت میں اولاد کس کے پاس رہے گی

س اگر خاوند اور بیوی میں کسی جھگڑے کی وجہ سے جدائی ہو جاتی ہے تو اس صورت میں اولاد باپ کے پاس رہے گی یا ماں کے پاس کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں۔

(ابوعبداللہ۔لاہور)

ج مذکورہ بالا صورت کی تقسیم کے لیے درج ذیل احادیث صحیحہ وحسنہ پر غور کیا جائے۔

(ا) نبی کریم ﷺ نے کفار مکہ سے جب صلح کا معاہدہ کیا اور اس کے نتیجے میں آئندہ سال عمرہ کے لیے تشریف لے گئے اور تین دن کی مدت پوری ہوگئی۔تو مکہ والے علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

"قُلْ لِصَاحِبِكَ أُخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْأَجَلُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَتَبِعَتْهُ اِبْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِيْ يَا عَمِّ يَا عَمُّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَأَخَذَ بِيَدِهَا وَقَالَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ دُوْنَكِ اِبْنَةَ عَمِّكِ حَمَلَتْهَا فَاخْتَصَمَ فِيهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ قَالَ عَلِيٌّ أَنَا أَخَذْتُهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّيْ وَقَالَ جَعْفَرٌ هِيَ اِبْنَةُ عَمِّيْ وَخَالَتُهَا تَحْتِيْ وَقَالَ زَيْدٌ اِبْنَةُ أَخِيْ فَقَضَى بِهَا النَّبِيُّ ﷺ لِخَالَتِهَا وَقَالَ "اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ" وَقَالَ لِعَلِيٍّ

"اَنْتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْكَ قَالَ لِجَعْفَرَ "أَشْبَهْتَ خُلْقِي وَخَلْقِي "وَقَالَ لِزَيْدٍ "اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا"وَقَالَ عَلِيٌّ اَلَا تَتَزَوَّجُ بِنْتَ حَمْزَةَ قَالَ "اِنَّهَا اِبْنَةُ اَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ "

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب عمرة القضاء (4251)سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد (2278)مسند احمد 249/2(931) 161'160/2 (770)مستدرك حاکم 120/3مسند بزار (744کشف)ابن حبان (7046)ابن ابی شیبه 105/12بیهقی 6/8)

"اپنے ساتھی سے کہو اب یہاں سے چلے جائیں کیونکہ مدت پوری ہو چکی ہے جب نبی کریم ﷺ مکہ سے نکلے تو حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا کہتے ہوئے آئی علی رضی اللہ عنہ نے اسے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور کہا اپنے چچا کی بیٹی کو لے لو میں اسے اٹھالایا ہوں۔ اس بچی کے بارے علی' زید اور جعفر رضی اللہ عنھم کا اختلاف ہوا علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اسے پکڑا ہے یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔اور جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہیں۔اور زید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے بھائی کی لڑکی ہے۔لیکن نبی ﷺ نے ان کی خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا: خالہ ماں کے درجہ میں ہوتی ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے کہا تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں۔"

جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم شکل وصورت اور عادات واخلاق میں مجھ سے مشابہ ہو۔اور زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم ہمارے بھائی اور مولی ہو۔علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لے لیں لیکن آپ نے فرمایا: کہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔

(۲) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"أنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنِي هٰذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَالَمْ تَنْكِحِي"

(سنن ابی داود کتاب الطلاق باب من احق بالولد (2276)بیهقی 4/8مستدرك حاكم 207/2مسند احمد 11/310'311(6707)عبد الرزاق (12097)سنن الدار قطنی (3766`3767`3768)

''بلا شبہ ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول یہ میرا بیٹا ہے میرا پیٹ اس کے لیے تھیلا تھا اور میرے دونوں پستان اس کے مشکیزہ تھے اور میری گود اس کو سمیٹے رہی اور اب اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور مجھ سے وہ اسے چھینا چاہتا ہے۔''

اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اس کی زیادہ حق دار ہے جب تک تو نکاح نہ کرے۔

(۳) ابو میمونہ کہتے ہیں میں ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا تو ان کے پاس ایک فارسی عورت آئی اس کے ساتھ اس کا بیٹا تھا دونوں (میاں بیوی) نے اس کا دعوی کیا اور شوہر بیوی کو طلاق دے چکا تھا۔ اس عورت نے کہا: اے ابو ھریرۃ۔ عورت نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فارسی میں گفتگو کی۔ میرا شوہر میرا بیٹا لے جانا چاہتا ہے۔

ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس سے فارسی میں بات کرتے ہوئے کہا تم دونوں اس پر قرعہ اندازی کرلو اس عورت کا شوہر آیا تو اس نے کہا: میرے بیٹے کے بارے میں مجھ سے کون جھگڑا کرسکتا ہے؟۔

ابو ھریرہ رضی اللہ نے کہا اے میرے اللہ میں یہ فیصلہ اس لیے دے رہا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ کے پاس ایک عورت آئی اس نے کہا میرا شوہر مجھ سے میرا بیٹا چھینا چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ مجھے ابو عتبہ کے کنویں سے پانی پلاتا ہے اور

اس نے مجھے نفع پہنچایا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِسْتَهِمَا عَلَيْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ يُحَاقِنِي فِي وَلَدِي؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَذَا أَبُوكَ وَهَذِهِ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ فَانْطَلَقَتْ بِهِ"

"تم دونوں اس پر قرعہ اندازی کرو۔ تو اس کے شوہر نے کہا میرے بچے کے بارے میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے۔"

ان دونوں میں سے جس کا چاہو ہاتھ پکڑ لو تو اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا وہ اسے لے کر چلے گئی۔

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد (2277) واللفظ له جامع الترمذی کتاب الاحکام باب ما جاء فی تخییر الکلام بین ابویه اذا افترقا (1357) سنن ابن ماجه کتاب الاحکام باب تخییر الصبی بین ابویه (2351) کتاب الأم 92/5 مسند شافعی 62/2 سنن سعید بن منصور (2270) مسند حمیدی (1083) سنن الدارمی (2298) سنن النسائی کتاب الطلاق باب اسلام احد الزوجین (3496) شرح مشکل الآثار (3080) مسند ابو یعلی (6131) بیهقی 3/8 مسند احمد 480/15 (9771) ابن ابی شیبه 237/5)

(۴) رافع بن سنان سے مروی ہے کہ:

"أَنَّهُ أَسْلَمَ وَأَبَتِ امْرَأَتُهُ أَنْ تُسْلِمَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: ابْنَتِي وَهِيَ فَطِيمٌ أَوْ شَبَهُهُ وَقَالَ رَافِعٌ ابْنَتِي فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أُقْعُدْ نَاحِيَةً" وَقَالَ لَهَا اقْعُدِي نَاحِيَةً وَأَقْعَدَ الصَّبِيَّةَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ قَالَ: "أُدْعُوهَا" فَمَالَتِ الصَّبِيَّةُ إِلَى أُمِّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَللّٰهُمَّ اهْدِهَا" فَمَالَتِ الصَّبِيَّةُ إِلَى أَبِيهَا فَأَخَذَهَا"

(سن ابی داؤد کتاب الطلاق باب اذا اسلم احد الابوین مع من یکون الولد (2244)سنن النسائی کتاب الطلاق باب اسلام احد الزوجین وتخییر الولد (3495)سنن ابن ماجه کتاب الأحکام باب تخییر الصبی بین ابویه (2352)مستدرك حاکم 206/2`207 بیهقی 3/8 مسند احمد 168/39(23757)السنن الکبری للنسائی (6385)شرح مشکل الآثار) اس حدیث کوامام حاکم اورامام ذھبی نے صحیح قرار دیا ہے۔علامہ البانی نے بھی اسے صحیح ابی داؤد میں ذکر کیا ہے۔

''رافع اسلام لے آئے اوران کی بیوی نے اسلام لانے سے انکار کردیا۔وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی۔میری بیٹی دودھ چھوڑنے والی ہے۔یا اس کی مثل ہےاوررافع کہنے لگے میری بیٹی ہے نبی کریم ﷺ نے رافع سے کہا ایک جانب بیٹھ جاؤ اوراس خاتون سے کہا تم بھی ایک جانب بیٹھ جاؤ آپ ﷺ نے بچی کودونوں کے درمیان بٹھا دیا پھر فرمایا:تم دونوں اسے بلاؤ بچی جب ماں کی طرف مائل ہونے لگی تو نبی ﷺ نے دعا کی:اے میرے اللہ اس بچی کوہدایت دے تو وہ اپنے باپ کی طرف مائل ہوگئی تو رافع رضی اللہ عنہ نے اس بچی کو لے لیا۔''

ان احادیث صحیحہ وحسنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خاونداوراس کی بیوی کے درمیان جدائی پڑ جائے تو بچے اگر چھوٹی عمر کے ہوں تو ماں ان کی زیادہ حقدار ہے جب تک وہ نکاح نہیں کرتی ۔ گر بچوں کی ماں موجود نہ ہوتو خالہ کو ماں کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور اگر بچے سن شعور کو پہنچ جائیں تو انہیں والدین کے درمیان اختیار دیا جائے گا وہ جس کے پاس جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔

البتہ والدین میں سے کسی ایک کو بھی اولاد کے ساتھ ملاقات سے روکا نہیں جائے گا۔کیونکہ صلہ رحمی واجب ہے۔حضانت و پرورش میں بچے کی نگہداشت مقصود ہوتی ہے جس سے اس کی جسمانی وروحانی تربیت ہواور جس کے ذریعے یہ اغراض ومقاصد حاصل نہ

ہو سکتے ہوں تو اس کا حق حضانت ختم ہو جائے گا۔

جیسا کہ ماں اگر دوسری جگہ شادی کر لے تو اس کا حق حضانت ختم ہو جائے گا جیسا کہ آپ نے فرمایا "اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَالَمْ تَنْكِحِيْ" "جب تک تو نکاح نہ کرلے اس کی زیادہ حق دار ہے۔ کیونکہ جب دوسرے شخص سے نکاح ہو جاتا ہے تو وہ صحیح طور پر پہلے خاوند کی اولاد کی نگہداشت نہیں کر سکتی۔ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اسی طرح عورت اگر مجنون ہو یا جذام وکوڑھ وغیرہ جیسے امراض میں مبتلا ہو۔ یا کافرہ ہو جس سے بچے کے دین وعقائد خراب ہونے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی عورت کا حق حضانت ختم ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو "اسلامی طرز زندگی" ص 663 اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے حصول کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ اوپر حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ میں بالتصریح موجود ہے۔ اسی طرح ایک صحیح مرسل روایت میں خلیفہ الرسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی فیصلہ موجود ہے۔ قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ کا اپنی اھلیہ ام عاصم بنت عاصم انصاریہ سے بیٹے کے بارے جھگڑا ہو گیا عمر رضی اللہ عنہ نے ام عاصم سے جدائی اختیار کی۔

تو عمر رضی اللہ عنہ قباء تشریف لائے تو اپنے بیٹے عاصم کو مسجد کے صحن میں کھیلتے ہوئے پایا۔ تو اس کے بازو سے پکڑا اور سواری پر اپنے آگے بٹھالیا تو بچے کی نانی نے انہیں آلیا اور ان سے جھگڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ یہ فیصلہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بیٹا ہے اور عورت نے کہا میرا بیٹا ہے تو ابوبکر نے فرمایا:

"رِيْحُهَا وَفِرَاشُهَا وَحِجْرُهَا خَيْرٌ لَّهُ مِنْكَ حَتّٰى يَشُبَّ وَيَخْتَارَ لِنَفْسِهٖ"

"اس عورت کی ہوا، بستر اور گود آپ کی نسبت بچے کے لیے زیادہ بہتر ہے یہاں تک کہ وہ بڑا ہو جائے اور اپنے نفس کا مختار بن جائے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اَلْاُمُّ اَعْطَفُ وَاَلْطَفُ وَاَرْحَمُ وَاَحْنٰی وَاَرْاَفُ هِیَ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا مَالَمْ تَتَزَوَّجْ"

"ماں زیادہ مشفق' لطیف' رحم کرنے والی' مائل ہونے والی اور نرم ہے یہ اپنے بچے کی زیادہ حق دار ہے جب تک شادی نہ کر لے۔"

(ماخوذ از موطا للمالك 2/767`768 بیهقی 5/8 عبد الرزاق ( 2601) 12098 `12600)سنن سعید بن منصور (2272)

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: یہ خبر کئی اسانید منقطعہ ومتصلہ سے مشہور ہے اسے اہل علم کے ہاں قبولیت عامہ حاصل ہے۔(زاد المعاد 5/436)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں اس پر فتویٰ دیتے اور فیصلہ فرماتے رہے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت اس بات میں نہیں کی کہ جب تک بچہ چھوٹا ہو اور سن تمیز تک نہ پہنچا ہو تو وہ ماں کے پاس رہے گا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی ان دونوں کا کوئی مخالف نہیں ہے۔(زاد المعاد 5/436)

مسئلہ طلاق

س: السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کے بعد عرض ہے کہ میرے خاوند نے لڑائی جھگڑے کے دوران مجھے یک مشت ایک ہی سانس میں تین طلاقیں کہہ دیں اور میں دو ماہ سے حاملہ تھی۔ پریشانی کی وجہ سے میں بیمار ہو گئی اور ابارشن کروا دیا۔ طلاق کی مدت چار ماہ ہو گئی ہے۔ اب وہ یعنی کہ میرا خاوند صلح کرنا چاہتا ہے اور میرا بھی ارادہ ہے۔

ہم دو بہنوں کی ایک ہی گھر میں شادی ہوئی ہے۔ میری بہن بھی میرے ساتھ آئی ہوئی ہیں میرے گھر والے اس کی بھی بات ختم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اس کا خاوند اچھا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میری بہن کا گھر نہ اجڑے۔ ہمیں اچھا مشورہ دیجئے تاکہ چار زندگیاں برباد ہونے سے بچ جائیں میں جوابی لفافہ بھیج رہی ہوں۔

(فتاوٰی السلام ایک مسلمان بہن)

ج: شریعت اسلامیہ کی رو سے مجلس واحد کی متعدد یکجائی طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہوتی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

"كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابى بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة...... الحديث"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی تھی۔

یہ حدیث صحیح مسلم، المستدرك على الصحيحين للحاكم، السنن الكبرى للبيهقي، المصنف لعبدالرزاق، فتح الباری شرح صحيح البخاری اور اغاثة اللهفان وغیرہ کتب احادیث میں موجود ہے۔

جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک طلاق ہی شرعی طور پر شمار ہوگی لہٰذا عدت کے دوران تو نیا نکاح کئے بغیر رجوع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عدت ختم ہو جانے کے بعد رجوع کے لئے نئے سرے سے نکاح کر کے اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔ سائلہ بوقت طلاق حاملہ تھی اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"واولات الأحمال اجلهن ان يضعن حملهن" (الطلاق: ٤)

حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے صورت مسئولہ میں دو ماہ کا حمل ضائع ہو گیا۔

ابارشن کروا دیا گیا ہے۔ شوہر کا غصہ اس معصوم جان پر نکالا گیا جو ابھی تخلیق کے مراحل

میں تھی۔ یہ صریحاً قتل ناحق ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔ گھر بسانے کی فکر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگنی چاہیئے اور جتنی معافی مانگی جائے وہ کم ہے۔ اب عدت گزر چکی ہے اور نکاح جدید ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾ (البقرة: ٢٣٢)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم انہیں ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ باہم اچھے طریقہ سے راضی ہوں۔

معلوم ہوا کہ طلاق کے بعد عدت گزر جانے پر عقد ثانی ہوگا لہٰذا سائلہ کو ایک طلاق رجعی پڑ چکی ہے جس کی عدت بھی ختم ہوگئی ہے۔ اب اگر اس شوہر کے ساتھ دوبارہ رہنا چاہتی ہے تو نیا نکاح کر کے اپنے گھر کو آباد کر سکتی ہے۔

كتاب

الاضحيه

عقیقہ مسنون ہے

(س) عقیقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ دور جاہلیت کی رسم ہے اور اس کی ادائیگی نہیں کرنی چاہیے؟ (ایک سائل)

(ج) اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اور ہماری دینی' دنیوی ہر طرح کی راہنمائی کرتا ہے۔ اہل اسلام کے ہاں جب بھی کوئی بچہ جنم لیتا ہے تو اسلام نے اس کے متعلق بھی کئی احکامات جاری کیے ہیں جن میں سے ایک اہم مسئلہ عقیقہ کا بھی ہے۔ عقیقے کی مشروعیت پر کئی ایک احادیث صحیحہ صریحہ دلالت کرتی ہیں۔

ا۔ سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَاهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَاَمِيطُوا عَنْهُ الْاَذٰى))

(صحیح البخاری کتاب العقیقة باب اماطة الاذی عن الصبی فی العقیقة (5472)مسند احمد 18/4'214'215بیهقی 298/9'299کتاب الأضاحی (1515)ابو داؤد (2839)ابن ماجه (3164)ابن خزیمه(2067)مسند حمیدی(823)دارمی 81/2)

''ہر لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ یعنی عقیقہ کرواور اس سے گندگی دور کرو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کا عقیقہ کرنا چاہیے رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور گندگی دور کرنے کا مطلب اس کا سر منڈایا جائے ابو داؤد اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں گندگی دور کرنے سے اگر سر منڈانا مراد نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز ہے؟

۲۔ سیدنا سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ"

(ابو داؤد کتاب الضحایا باب فی العقیقة (2837)ترمذی کتاب الاضاحی باب من العقیقة (1522)(بخاری 5472)نسائی کتاب العقیقة باب متی یعق (4231)ابن ماجه کتاب الذبائح (3165)مسند احمد5/7'12'17'22)دارمی 81/2)

ہر لڑکا اپنے عقیقے کے ساتھ گروی ہے اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے اور اسکا سر منڈایا جائے۔

گروی کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے تو وہ قیامت والے دن سفارش نہیں کرے گا۔ (تحفۃ الاحوذی 97/5 مطبوعہ بیروت)

۳۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

"أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم أَمَرَهُمْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ"

(ترمذی کتاب الضحایا (1513)ابن ماجه کتاب الذبائح (3163)مسند احمد 158'82'31/6)

یقیناً رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں برابر ایک جیسی ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔

۴۔ ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ:

"عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ"

(ابو داؤد کتاب الضحایا باب فی العقیقة (2834)نسائی کتاب العقیقة باب العقیقة عن الجاریة (4227)ترمذی کتاب الاضاحی (1514)ابن ماجه (3162)ابن حبان

(1060)دارمی 81/2مسند حمیدی (345)مسند احمد 422/6)

لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ترمذی کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْأُنْثٰی وَاحِدَةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا أَمْ إِنَاثًا"

لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک ایک بکری اور تمہیں کچھ نقصان نہیں ہوگا۔نر ذبح کرو یا مادہ۔

۵۔ابو بریدۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وُلِدَ لِأَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً وَنَحْلِقُ رَأْسَهُ وَنَلْطَخُهُ بِزَعْفَرَانٍ"

(ابو داؤد کتاب الضحایا (2843)بیہقی 302/9‘303تمہید 319/4)

"زمانہ جاہلیت میں جب ہمارے ہاں کسی کے گھر لڑکا پیدا ہوتا تو وہ ایک بکری ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کا سر رنگتا جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت دی تو ہم بکری ذبح کرتے اور اس کا سر مونڈتے اور اسے زعفران مل دیتے۔"

٦۔ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الْيَهُودَ تَعُقُّ عَنِ الْغُلَامِ كَبْشًا وَلَا تَعُقُّ عَنِ الْجَارِيَةِ فَعُقُّوا وَاذْبَحُوا عَنِ الْغُلَامِ كَبْشَيْنِ عَنِ الْجَارِيَةِ كَبْشًا"

(بیہقی 302/9مسند بزار (کشف الاستار 1233)

''بے شک یہودی لڑکے کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح کرتے اور لڑکی کا عقیقہ نہیں کرتے تھے۔ تم عقیقہ کرو اور لڑکے کی طرف سے دو مینڈھے اور لڑکی کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح کرو۔''

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس کی سند میں ابو حفص الشاعر اور اس کے باپ کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔ (مجمع الزوائد 58/3)

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے عقیقہ کے متعلق ایک صحیح حدیث بھی مروی ہے جس کے راویوں کو علامہ ہیثمی نے صحیح کے راوی قرار دیا ہے۔

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَاهْرِيقُوْا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذٰى"

(مسند بزار 1236 کشف الاستار)

''ہر لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے اذیت دور کرو۔''

۷۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے فرمایا: اللہ عقوق پسند نہیں کرتا گویا کہ آپ نے یہ نام نا پسند کیا اور فرمایا:

" مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ......(الحديث)"

(ابوداؤد كتاب الضحايا (2842)نسائی كتاب العقيقة (4223)بيهقی 300/9)

''جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اس کی طرف سے پسند کرے تو قربانی کرے

لڑکے کی طرف سے دو برابر عمر کی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔"

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْعُقُوْقَ"

"اللہ عقوق پسند نہیں کرتا۔"

حدیث کے اس جملہ میں عقیقہ کی توہین نہیں ہے اور نہ ہی اس کے وجوب کو گرانا ہے صرف آپ نے نام کو ناپسند کیا ہے اور یہ پسند کیا ہے کہ اس کا اس سے کوئی بہتر نام ہو جیسے "نسیکہ" یا "ذبیحہ"

۸۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"اَنَّ النبی ﷺ عَقَّ عن نَفْسِهٖ بَعْدَ مَا بُعِثَ نَبِيًّا"

(مسند بزار (1237 کشف الاستار) عبد الرزاق (7960) طبرانی اوسط 529/1(998)

"بے شک نبی ﷺ نے نبی مبعوث ہونے کے بعد اپنی طرف سے عقیقہ کیا۔"

مسند بزار کی سند میں عبد اللہ بن المحرر ہے جس کے بارے امام بزار فرماتے ہیں: یہ انتہائی کمزور ہے اس کی وہ روایت لکھی جاتی ہے جو اس کے علاوہ کسی کے پاس نہ پائی جائے۔

مجمع الزوائد 59/4 میں علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اسے امام بزار اور امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور طبرانی کے راوی صحیح کے راوی ہیں ہیثم بن جمیل کے علاوہ اور وہ ثقہ ہے اور طبرانی کے شیخ احمد بن مسعود الخیاط المقدسی کا ترجمہ میزان میں نہیں ہے۔

مجمع الزوائد کے محقق علامہ عبد اللہ محمد الدرویش فرماتے ہیں: احمد بن مسعود کا ترجمہ مختصر طور پر ابن عساکر کی تاریخ دمشق 89/2 میں موجود ہے۔

دیکھیں: (سیر الاعلام النبلاء 244/13)(بغیه الرائد فی تحقیق مجمع الزوائد 94/4)

علامہ ذہبی نے اسے المحدث الامام قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس نے عمرو بن ابی مسلمہ التنیسی 'الہیثم بن جمیل الانطا کی اور کئی راویوں سے روایت بیان کی ہے اور اس سے ابو عوانہ الاسفرا ئینی اور ابو القاسم الطبرانی اور دیگر لوگوں نے روایت لی ہے امام طبرانی نے اس سے بیت المقدس میں ملاقات کی ہے۔ واللہ اعلم

(تھذیب سیر الاعلام النبلاء 522/1)

۹۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

"اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه و سلم عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا"

(ابوداؤد کتاب الضحایا (2841)المنتقی لابن الجارود (911'912)النسائی (4230) عبد الرزاق 330/4 مشکل الآثار 457/1 طبرانی کبیر (11838'11856)جلد نمبر 11 بیهقی 299/2'302 حلیة الاولیاء 116/7 اخبار اصبهان 151/2 تاریخ بغداد 151/10

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقے میں ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔"

نسائی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ تعالی عنہما کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کیے۔

علامہ البانی نے اسے صحیح سنن النسائی 885/3(3935)اور ارواء الغلیل 379/4 میں صحیح قرار دیا ہے

۱۰۔انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ

وَالْحُسَيْنِ بِكَبْشَيْنِ " بے شک رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو مینڈھے عقیقہ کیے۔

(مجمع الزوائد (6188)البزار (1235 کشف)مسند ابی یعلی(2945)324/5بیهقی 299/9المطالب العالیه (2261)ابن حبان (1061موارد)طبرانی اوسط (1899)ارواء الغلیل 381/4)اس کی سند میں قتادہ مدلس ہیں۔

۱۱۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ "

(مسند ابی یعلی(1933)المطالب العالیه (2260)مجمع الزوائد (6187)

" بے شک رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسن رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ کیا۔"

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس کی سند میں ابوالزبیر مدلس ہیں:

۱۲۔ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"اَلْعَقِيْقَةُ حَقٌّ عَلَى الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ"

(مجمع الزوائد 6186مسند احمد 456/6طبرانی کبیر 183/24۔)علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس کے راوی قابل حجت ہیں۔

" عقیقہ حق ہے لڑکے کی طرف سے دو مساوی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔"

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ وحسنہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ بچے کی ولادت پر عقیقہ کرنا اسلامی احکامات میں سے ہے اور اس کے متعلق اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے

عقیقے کی مشروعیت پر ائمہ محدثین رحمھم اللہ کا اتفاق ہے صرف اس کے مسنون یا واجب ہونے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔

لہٰذا بعض جدید مفکرین اور نام نہاد دانشوروں نے جو اس کی مشروعیت کا انکار کیا ہے یہ اسلامی احکامات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے یا پھر تجاہل عارفانہ ہے۔ بہر کیف احادیثِ رسول ﷺ اس کی مشروعیت پر بالکل واضح ہیں اور اسی پر امت مسلمہ کا مسلسل عمل چلا آ رہا ہے۔

تنبیہ: حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقے کے متعلق آپ نے مذکورہ روایات میں ملاحظہ کیا ہے کہ بعض میں ہر ایک کی طرف سے ایک مینڈھا اور بعض میں دو مینڈھوں کا ذکر ہوا ہے۔ علامہ البانی فرماتے ہیں: کہ دو مینڈھوں والی بات قابل اخذ واعتماد ہے اس کی دو وجہیں ہیں۔ ۱۔ دو مینڈھوں والی زیادت ثقہ راویوں نے بیان کی ہے اور زیادت ثقہ مقبول ہے خصوصاً جب وہ ایسے طرق سے آئے جن کے مخارج مختلف ہوں (یعنی کئی صحابہ سے مروی ہو)

۲۔ یہ اس مسئلہ میں مروی قولی احادیث کے موافق ہے جو لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کو واجب کرتی ہیں۔ (ارواء الغلیل 384/4)

عائشہ، ام کرز رضی اللہ عنہما کی قولی احادیث تو اوپر ذکر ہو چکی ہیں اس سلسلے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک قولی حدیث موجود ہے جسے امام طحاوی 485/1 امام بزار اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

''لِلْغُلَامِ عَقِيقَتَانِ وَلِلْجَارِيَةِ عَقِيقَةٌ'' لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک عقیقہ ہے۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کی سند میں عمران بن عیینہ میں کمزوری ہے اُسے ابن معین اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے علامہ البانی فرماتے ہیں۔ اس کی سند شواہد میں جید ہے اور طحاوی کی سند عمران بن عینہ سے محفوظ وسالم ہے۔ (إرواء الغليل 392/4)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ عقیقے کے متعلق یہ روایات بیان کر کے فرماتے ہیں:

یہ احادیث جمہور کے مذہب کی دلیل ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں فرق ہے۔ امام مالک سے روایت ہے کہ اس میں لڑکا اور لڑکی برابر ہیں ہر ایک کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کی جائے۔ انہوں نے ابو داؤد کی اس حدیث سے حجت لی ہے جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح کیا۔ یہ دلیل قابل حجت نہیں ہے اس لئے کہ ابوالشیخ نے ایک دوسری سند از عکرمہ از ابن عباس ذکر کی ہے جس میں الفاظ "کبشین کبشین" ہیں۔ یعنی دو دو مینڈھے عقیقے میں ذبح کیے اسی طرح عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بھی اس نے روایت کی ہے۔

ابو داؤد کی روایت کا ثبوت فرض کر لیا جائے تو پھر بھی اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جس کے ساتھ ان متواتر حدیثوں کو رد کیا جائے جو لڑکے کے لئے دو بکریوں پر منصوص ہیں۔ بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ ایک بکری کا عقیقہ جائز ہے۔ اور یہ بھی اسی طرح ہے اس لئے کہ تعداد شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (فتح الباری 592/9)

مولانا عبدالحئی لکھنوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ "لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنے چاہیئے تاہم استطاعت اور قدرت نہ ہونے کی صورت میں ایک پر بھی اکتفاء درست ہے" (فتاوی عبد الحئی ص398)

بہر کیف عقیقہ ایک اسلامی شعار ہے جس کی مشروعیت پر احادیث متواترہ دلالت کرتی

ہیں اس کا انکار کسی طرح بھی درست نہیں یہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا جسے اسلام نے بھی جاری رکھا ہے اور جاہلیت میں جو بکرے کے خون کے ساتھ بچے کا سر رنگتے تھے اسلام میں بچے کا سر منڈانے کے بعد اس پر زعفران لگاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ امام ابن قیم ابن منذر سے نقل کرتے ہیں کہ "عقیقے کی سنت کا اہل رائے نے انکار کیا ہے اور انہوں نے اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت احادیث اور صحابہ وتابعین رحمہم اللہ اجمعین کے آثار کی مخالفت کی ہے۔ (تحفۃ المودود ص 27)

بے نماز کا ذبیحہ

س: بے نماز کے ذبیحے کا کیا حکم ہے؟ بازار میں گوشت فروش قصاب اکثر بے نماز اور دین سے نابلد ہوتے ہیں۔ ان کا ذبیحہ شرعاً کیسا ہے؟

(عبیداللہ طاہر۔ فاروقہ ضلع سرگودھا)

ج: بے نماز شخص اگرچہ مسلمان نہیں ہے لیکن ان کا ذبیحہ حلال ہے اگر وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں کیونکہ غیر مسلموں میں سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی کا ذبیحہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

"الیوم احل لکم الطیبات و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم...... الآیۃ" (المائدہ: ٥)

آج کے دن تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا جنہیں کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ''جلالین'' میں لکھا ہے کہ

''وطعام الذين اوتوا الكتاب اى ذبائح اليهود والنصارى.

اہل کتاب کے کھانے سے مراد یہود ونصاریٰ کے ذبیحے ہیں۔

علامہ عبدالرحمان بن ناصر السعدی فرماتے ہیں

''وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم'' أي: ذبائح اليهود والنصارى حلال لكم يا معشر المسلمين دون باقي الكفار فان ذبائحهم لا تحل للمسلمين وذلك لان اهل الكتاب ينتسبون الى الأنبياء والكتب وقد اتفق الرسل كلهم على تحريم الذبح لغير لأنه شرك فاليهود والنصارى يتدينون بتحريم الذبح لغير الله فلذلك ابيحت ذبائحهم دون غيرهم''

(تیسیر الکریم الرحمن ص ۲۲۹ ج ۱ مطبوعہ دارالسلام ریاض)

اہل کتاب کا کھانا تمہارا لیے حلال ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اے مسلمانوں کے گروہ یہود ونصاریٰ کے ذبیحے تمہارے لیے حلال ہیں باقی کفار کے سواان کے ذبیحے مسلمانوں کے لیے حلال نہیں۔ اہل کتاب کے ذبیحے اس لیے حلال ہیں کہ یہ انبیاء اور کتب ساویہ کی طرف منسوب ہوئے ہیں اور تمام رسل علیہم السلام غیر اللہ کے ذبیحے کی حرمت پر متفق ہیں اس لیے کہ یہ شرک ہے سو یہود ونصاریٰ غیر اللہ کے ذبیحے کی حرمت کو اختیار کرنے والے تھے۔ اس لیے ان کے ذبیحے مسلمانوں کے لیے حلال ٹھہرائے گئے جب کہ دیگر کفار کے ذبیحے حرام ہیں۔

اہل کتاب میں کافر بھی ہیں اور مشرک بھی ہیں اور پاکستان کے قصاب بہرحال اہل کتاب کے کافروں اور مشرکوں سے بہتر ہیں اور یہ کلمہ شریف بھی پڑھتے ہیں۔ لیکن اگر ذبح

کرتے وقت اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا جائے یا یہودی وعیسائی مسیح علیہ السلام کا نام لیں یا کسی اور غیر اللہ کا تو یہ جانور حرام ہوں گے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

"ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وإنه لفسق" (مائدہ)

اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور یہ کھانا گناہ ہے۔

لہٰذا کلمہ گو بے نمازیوں کا ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ اللہ کے قرآن کا انکار نہیں کرتے اور نہ ہی دیگر عقائد دینیہ کے منکر ہیں۔ ان کی گمراہیاں' کفر وشرک الگ ہے۔ ذبیحہ پر اس کا اثر نہیں پڑتا' اگر یہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں۔ واللہ اعلم

کھیرے جانور کی قربانی

(س) کیا ایک سال کا بکری کا بچہ قربانی کے لیے جائز ہے؟ سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے عقبہ بن عامر جہنی سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے ان کو بکریاں دیں قربانی کی انہوں نے بانٹ دیں اپنے ساتھیوں کو۔ ایک عتود رہ گیا (یعنی ایک سال کا بکری کا بچہ) انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا تو اسی کی قربانی کر ہلال سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جائز ہے۔ مہربانی کر کے اس حدیث کی رو سے وضاحت کریں کہ قربانی کے لیے ایک سال کا بکری کا بچہ جائز ہے یا نہیں۔

(عبدالستار انصاری کریانہ سٹور والے چک نمبر 109 روڑا تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد)

(ج) قربانی کے جانور کے لیے جو شرائط شریعت مطہرہ نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قربانی والا جانور دو دانتا ہو اور اگر یہ ملنا مشکل ہو یا اس کے خریدنے کی ہمت نہ ہو تو بھیڑ کا کھیرا قربان کرنا جائز و درست ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا

((لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن))

تم دو دانتے کے سوا ذبح نہ کرو الا یہ کہ تمہارے اوپر عسرت و تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کر لو۔

یہ حدیث صحیح مسلم کتاب الأضاحی باب سن الأضحیه ۱۳/ ۱۹۶۳ ابوداؤد (۲۷۹۷) ابن ماجه (۳۱۴۱) نسائی (۴۳۹۰) صحیح ابن خزیمه (۲۹۱۸) مسند ابی یعلی (۲۳۲۳، ۲۳۲۴) بیهقی ۹/۲۶۹۔ مسند احمد ۳/۳۱۲، ۳۲۷۔ ط قدیم ۲۲/۲۵۱ (۱۴۳۴۸) ط جدید۔ مسند ابی عوانه ۵/۲۲۸ المنتقی لابن الجارود (۹۰۴)

بعض لوگ دو دانتے کی جگہ پر مطلقاً بھیڑ کے کھیرے کی قربانی درست قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کلیب بیان کرتے ہیں

((كنا في سفر فحضر الاضحى فجعل الرجل منا يشترى المسنة بالجذعتين و الثلاثه فقال لنا رجل من مزينة كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فحضر هذا اليوم فجعل الرجل يطلب المسنة بالجذعتين و الثلاثة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ((إن الجذع يوفى مما يوفى منه الثنى))

ہم سفر میں تھے کہ قربانی والی عید کا وقت آ گیا۔ ہم میں سے ہر کوئی دو یا تین کھیروں کے بدلے دو دانتا خریدنے لگا۔ مزینہ قبیلے کے ایک آدمی نے ہم سے بیان کیا کہ ہم رسول ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے یہ دن آ گیا تو ہر شخص دو یا تین کھیروں کے بدلے دو دانتا طلب کرنے لگا۔ تو رسول ﷺ نے فرمایا بلاشبہ کھیرا اس کام پر پورا پورا اترتا ہے جس کام میں دو دانتا پورا ہے۔

یہ روایت سنن النسائی (۴۳۹۵، ۴۳۹۶) مسند احمد ۳/۲۰۴۔ المستدرك للحاكم ۴/۲۲۶۔ بیهقی ۹/۲۷۱۔ ابن ابی شیبه ۱۴/۲۱۰ میں موجود ہے۔ لیکن اسی روایت کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن (۲۷۹۹) میں اور ابن ماجه (۳۱۴۰) طبرانی کبیر

(۲۰/۱/۷٦٤۱) المستدرك للحاكم ٤/۲۲٦۔ بیهقی ۹/ ۲۷۰، ۲۷۱

اور مزی نے تہذیب الکمال میں مجاشع بن مسعود کے ترجمہ میں سفیان ثوری از عاصم بن کلیب از ابیہ کی سند سے ذکر کیا ہے۔اس میں ہے

"کنا مع رجل من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یقال له مجاشع من بنی سلیم فقدت الغنم فأمر منادیا فنادی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یقول ان الجذع یوفی مما توفی منه الثنیة"

ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک آدمی کے ساتھ تھے جسے مجاشع کہا جاتا تھا۔ وہ بنو سلیم میں سے تھا۔ بکریاں کم پڑ گئیں تو آپ ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا۔ اس نے منادی کی کہ اللہ کے رسول فرما رہے ہیں بلا شبہ بھیڑ کا کھیرا اس چیز سے پورا پورا کفایت کرتا ہے جس سے دو دانتا پورا پورا کام آتا ہے۔ اس حدیث نے اس بات کی توضیح کر دی کہ یہ حکم دو دانتا جانور کم ہونے کی صورت میں تھا۔ اس میں اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔ وہ بھی عسرت و تنگی اور دو دانتے کی قلت کی صورت میں بھیڑ کا کھیرا قربانی کرنے پر دلالت کرتی ہے اور اس روایت کا سیاق بھی اسی بات پر دال ہے۔

اسی طرح ابو کباش کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے سوال کیا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے

"نعم او نعمت الأضحية الجذع من الضان"

بہترین قربانی بھیڑ کا کھیرا ہے۔

(مسند احمد ۱۵/ ٤٦۱ مسند اسحاق بن راهویه (٤۰۷) بیهقی ۹/ ۲۷۱۔ ترمذی

۱٤۹۹)

اس کی سند کدام بن عبدالرحمٰن السلمی اور ابو کباش کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ بھی مروی ہے کہ

"الجذع من الضأن خير من السيد من المعز"

بھیڑ کا کھیرا بکری کے دو دانتے سے بہتر ہے

(مسند احمد ١٥/١٢٤ ـ المستدرك ٤/٢٢٧)

اس کی سند میں ابوثفال المتری ثمامہ بن وائل ضعیف ہے۔

ایک اور روایت مسند بزار (۱۲۰۷) بیہقی ۹/۲۷۱۔ المستدرک ۴/۲۲۲۔۲۲۳ میں اسحاق بن ابراہیم الحنینی) از ہشام بن سعد از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ بھی مروی ہے اور اس میں ایک قصہ بھی مذکور ہے۔امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔اس کی سند میں اسحاق ''ھالک'' ہے اور ہشام قابل اعتماد نہیں ہے۔علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ۴/۱۹ میں ذکر کر کے فرمایا ہے: اسے بزار نے روایت کیا ہے اس میں اسحاق الحنینی ضعیف راوی ہے۔

مستدرک حاکم میں قزعہ بن سوید حدثنی الحجاج بن الحجاج عن سلمۃ بن جنادہ عن حنش بن الحارث حدثنی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی اس روایت کو لاتے ہیں

(المستدرك: ٤/٢٢٧)

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: اس میں قزعہ سوید ضعیف ہے۔علامہ ہیثمی فرماتے ہیں یہ حنش العبدی کی روایت ہے مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا (مجمع الزوائد ٤/٢٠)

اور اسی مسئلہ کے متعلق ایک روایت وہ ہے جو سوال میں ھلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"يجوز الجذع من الضأن اضحية"

بھیڑ کا کھیرا قربانی کے لیے جائز ہے

(ابن ماجہ ٣١٣٩۔ مسند احمد ٣٦٨/٦ ط قدیم۔ بیھقی ٢٧١/٩ شرح مشکل الآثار ٥٧٢٣)

یہ روایت بھی ضعیف ہے اس کی سند میں ام محمد بن ابی یحییٰ الأسلمی مجہولہ ہے اور ام بلال بنت ھلال بھی اس روایت کے سوا کہیں معروف نہیں۔

اب رھی عقبہ بن عامر جھنی رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ سنن ابن ماجہ ٣١٣٨۔ صحیح البخاری کتاب الأضاحی ٥٥٥٥۔ صحیح مسلم ١٩٦٥/١٦۔ مسند طیالسی ١٠٠٢۔ مسند احمد ٥٣٨/٢٨۔ سنن النسائی ٢١٨/٧۔ ابن حبان ٥٨٩٨۔ ابی کبیر ٧٦١/١٧۔ بیھقی ٢٦٩/٩۔ ٢٧٠۔ شرح السنة ١١١٦۔ مسند ابو عوانہ ٢١١/٥، ٢١٢۔ مسند ابی یعلی ٧٥٨۔ صحیح ابن خزیمہ ٢٩١٦ وغیرھا میں موجود ھے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں بکریاں دیں انہوں نے اپنے ساتھیوں پر تقسیم کیں تو بکری کا ایک سالہ بچہ باقی رہ گیا۔ انہوں نے رسول ﷺ سے ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ضح به انت“ تو اس کی قربانی کرے۔ یہ حدیث عام نہیں ہے کہ ہر کسی کو اجازت ہو کہ وہ بکری کا ایک سالہ بچہ ذبح کر لے بلکہ یہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی تخصیص کی دلیل یہ ہے کہ امام بیہقی نے السنن الکبری ٢٧٠/٩ میں بطریق ابی عبداللہ البوشنجی ثنا یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر ثنا اللیث بن سعد عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الخیر مرثد بن عبداللہ الیزنی عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ یہ الفاظ بیان کیے ہیں

”ضح بها انت ولا ارخصه لأحد فيها بعد“

تو اسے قربان کردے اس میں کسی اور کے لیے میں رخصت نہیں دیتا۔

یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص معاملہ ہے۔ جیسا کہ آپ نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو رخصت دی تھی دیکھیں صحیح البخاری (٥٥٥٦، ٥٥٥٧) وغیرہ۔

امام بیہقی نے السنن الکبری ۹/ ۲۶۹ میں یوں باب قائم کیا ہے

"باب لا یجزی الجزع إلا من الضان وحدها ویجزی الثنی من المعز والابل والبقر"

کھیرا صرف بھیڑ کا ہی کفایت کرتا ہے اور بکری' اونٹ اور گائے میں سے دو دانتا کفایت کرتا ہے۔

لہٰذا بکری کا کھیرا (ایک سالہ) صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے لیے خاص تھا۔ جن میں سے عقبہ بن عامر' ابو بردہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے بکری کا کھیرا قربانی کرنے کے لیے دیا تھا جیسا کہ مسند احمد ۶ ۳ /۲۰۔ ابن حبان ۵۸۹۹۔ ابوداؤد ۲۷۹۸۔ مسند بزار ۳۷۷۶۔ طبرانی کبیر ۵/ ۲۴۲' ۲۴۳۔ بیہقی ۹/ ۲۷۰ میں موجود ہے۔ یہ معاملات ابتدائی معلوم ہوتے ہیں بعد میں شرع میں اس بات کا تقرر ہو گیا کہ بکری کا کھیرا قربانی کے لیے کفایت نہیں کرتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں

"وفی الحدیث ان الجذع من المعز لا یجزی وهو قول الجمهور" (فتح الباری ۱۰/ ۱۵)

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بکری کا کھیرا قربانی کے لیے کفایت نہیں کرتا اور یہ ہی جمہور علماء کا قول ہے۔

❀❀❀

کتاب البیوع

مکان کو گروی یا رہن رکھ کر رقم لینا

(س) ایک شخص نے اپنا مکان دوسرے کے پاس گروی یا رہن رکھ کر کچھ رقم حاصل کی گروی رکھنے والا مکان اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا ہے اور دوسرا آدمی اس سے کرایہ وصول کرنا چاہتا ہے کیا شریعت کی رو سے ایسا کرنا درست ہے؟

(ج) صورت مذکورہ سود کی قسم سے ہونے کی وجہ سے حرام ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَاكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾

(النساء: ٤ خ ٢٩)

''اے ایمان والو اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔''

رسول کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

((إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيكُمْ))

(صحيح مسلم كتاب الحج باب حجة النبي ﷺ (١٢١٨)من حديث جابر رضى الله عنه)

''بلاشبہ تمہارے خون اور اموال تم پر حرام ہیں''

ان نصوص صریحہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا مال مسلمان پر اصلاً حرام ہے جواز تصرف کے لئے کسی شرعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہےجو یہاں مفقود ہے گروی رکھنے والا شخص اپنی گروی شدہ چیز کا مالک ہے اور اس کا اپنی چیز سے فائدہ اٹھانا تو معقول ہے جب کہ جس کے پاس گروی رکھی گئی ہے اس کی حیثیت امین کی ہے اور اس کے پاس پڑی ہوئی چیز امانت ہے جو کہ رقم کے تحفظ کے لیے ہے کسی کی امانت میں تصرف کرنا خیانت اور ناجائز ہے۔

اور حدیث میں جو خرچ کے عوض جانور کے دودھ اور سواری کرنے کی اجازت موجود ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ یہ حدیث عموی شرعی اصول کے منافی ہے یہ

صرف سواری کے ساتھ خاص ہے۔اس پر عام قیاس کرنا درست نہیں۔صحیح بخاری میں امام بخاری کا فہم بھی یہی ہے حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ جس کے پاس گروی رکھی گئی ہے وہ خرچ کے عوض گروی جانور پر سواری کر سکتا ہے اور دودھ دوھ سکتا ہے اس حدیث کی وجہ سے دو فائدوں کے علاوہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔(فتح الباری ٥/ ١٤٤)

پھر فرماتے ہیں: جمہور اہل علم کا یہی مسلک ہے کہ جس کے پاس گروی رکھی گئی ہے وہ گروی اشیاء سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا سلف صالحین سے کچھ ایسے صریح آثار بھی مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقروض آدمی کے مال سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''میں مدینہ طیبہ آیا تو میری ملاقات عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہوئی انہوں نے کہا آپ میرے گھر آئیں تو میں آپ کو ستو اور کھجور کھلاؤں گا۔اور آپ ایک عظیم گھر میں آئیں گے۔

پھر فرمایا: تم ایک ایسی زمین پر ہو جس میں سود عام ہے جب تمہارا کسی شخص پر حق ہو اور وہ تمہیں بھس' جو اور چارہ کا گھٹا بطور تحفہ دے تو اسے قبول نہ کرنا کیونکہ یہ سود ہے۔''

(صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار باب مناقب عبد الله بن سلام رضی الله عنه (٣٨١٤)

سالم بن ابی الجعد فرماتے ہیں: ہمارا ایک پڑوسی مچھلی فروش تھا اس کے ذمے کسی آدمی کے پچاس درہم تھے وہ قرض دینے والے کو مچھلی ہدیہ بھیجتا تھا ابن عباس رضی اللہ عنہ آئے تو اس نے ان سے اس کے بارے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''جو وہ تجھے تحفے میں دے رہا ہے اسے حساب میں شمار کر۔''

(بیهقی باب کل قرض جر منفعة فهو ربا٥/ ٣٥٠'کتاب التحقیق مع تنقیح ٣/ ٨(١٥٧٢)

ان آثار صحیحہ اور صریحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض لینے والے شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مقروض کی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس کوئی چیز

گروی رکھی گئی ہو تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور اگر وہ فائدہ اٹھائے تو اصل رقم سے حساب کر کے اتنی رقم کم کر دی جائے گی اور اگر حق سے زائد فائدہ اٹھایا تو واپس کرنا ہوگا وگرنہ سود ہوگا۔ واللہ اعلم

زمین پاناجائز قبضہ

(س) اگر کوئی کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرلے تو قرآن وسنت کی روشنی اور فقہ حنفی میں اس کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے لکھیں۔ (عبداللہ محمد جمیل۔ سیالکوٹ)

(ج) کسی مسلمان آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کا مال' جائیداد زمین وغیرہ غصب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون' مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام قرار دیا ہے۔

نبی مکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا تھا:

"فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا' فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا' فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا"

(بخاری کتاب العلم باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع "67 وکتاب الحج باب الخطبة ایام منی : 1739`173`174' مسلم کتاب القسامة باب تغلیظ تحریم الدماء والأعراض والأموال : 31`30`1679/29' مسند احمد 40/5 بیھقی 166/5`19/8 ارواء الغلیل: 278/5)

"بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے یہ تمہارا آج کا دن حرمت والا ہے جو تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر میں واقع ہوا ہے۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المراد بهذا كله بيان توكيد غلظ تحريم الأموال والدماء والأعراض و التحذير من ذالك"

(نووی شرح مسلم 141/11 مطبوعہ بیروت)

اس ساری گفتگو سے مراد مالوں' جانوں اور عزتوں کی حرمت کی شدت کے ساتھ تاکید ہے اوران کی پامالی سے ڈرانا ہے۔ مسلمان کے مال کی حرمت کو مزید واضح کرتے ہوئے ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"لَا يَأْخُذَنَّ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ أَخِيهِ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا وَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيَرُدَّهَا۔"

ابو داؤد کتاب الأدب باب من يأخذ الشيئ على المزاح (5003) ترمذی کتاب الفتن باب ما جاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلما۔"(2160)

"تم میں سے کوئی شخص بھی ہرگز اپنے بھائی کا سامان نہ لے نہ ہنسی و مذاق کرتے ہوئے اور نہ ہی سنجیدگی کے ساتھ اور جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی پکڑ لی اسے چاہیے کہ وہ واپس کردے۔"

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّأْخُذَ عَصَا اَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ قَالَ ذَالِكَ لِشِدَّةِ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ مِنْ مَالِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ۔"

(ابن حبان (موارد 1166) واللفظ لہ۔ مسند احمد 425/5 بیہقی 100/6 مجمع الزوائد 171/4 غاية المرام ص: 262`263)

"مسلمان کیلئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی لاٹھی اس کی رضا مندی کے بغیر لے اللہ تعالی نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کرنے میں جو شدت اختیار کی ہے اس وجہ سے آپ نے یہ فرمایا۔"

اس مفہوم کی کئی ایک روایات صحیحہ اور بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی اور رسول اکرم ﷺ نے بڑی شدت اور سختی کے ساتھ مسلمان کے مال کو مسلمان پر حرام قرار دیا ہے حتی کہ ایک لکڑی بھی مسلمان کی اجازت کے بغیر لینے سے منع کر

دیا ہے۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا آپ کے پاس دو آدمی زمین کے جھگڑے میں آئے۔ایک نے کہا اے اللہ کے رسول! اس نے میری زمین پر زبردستی قبضہ (زمانہ جاہلیت میں) کرلیا تھا۔" (یہ امراء القیس بن عابس الکندی تھے اوران کا مدمقابل ربیعہ بن عبدان تھا) آپ ﷺ نے فرمایا:

"تیرے گواہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا میرے پاس گواہ نہیں۔آپ نے فرمایا پھر اس کی قسم ہوگی۔امراء القیس نے کہا پھر تو قسم کھا کر یہ زمین لے جائیگا آپ نے فرمایا تیرے لئے اس کے سوا کچھ نہیں۔جب وہ قسم کھانے کے لئے کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ظلم سے زمین چھین لی' وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔"

(مسلم کتاب الایمان 129/224'مسند احمد 317/4شرح معانی الآثار 248/4)

سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

"سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا طَوَّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ"

(بخاری کتاب المظالم باب اثم من ظلم شیئا من الأرض 2452'مسلم کتاب المساقاۃ باب تحریم الظلم وغصب الأرض وغیرہ 1610)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"جس نے زمین میں سے کچھ بھی ظلم کیا اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں کا طوق پہنا دے گا"

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے درمیان جھگڑا تھا انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوسلمہ! زمین کے جھگڑوں سے اجتناب کرو۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایک بالشت برابر زمین میں سے ظلم کیا تو زمین کا وہ حصہ سات زمینوں سے اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔''

(بخاری کتاب المظالم '2453)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ أَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى سَبْعِ أَرْضِيْنَ ''(بخاری کتاب المظالم '2454)

''جس شخص نے زمین میں سے کچھ بھی ناحق لیا تو اسے قیامت والے دن اس کے بدلے سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔''

یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ ثُمَّ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔''

(ابن حبان (موارد 1167)طبرانی کبیر 22/ 270`692'مسند احمد 173/4مجمع الزوائد170/4معجم شیوخ ابی یعلی 111)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس بھی شخص نے زمین میں سے ایک بالشت برابر ظلم کیا اللہ تعالی اسے سات زمینوں تک دھنسا دے گا پھر قیامت والے دن وہ اسے لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک طوق پہنائے رکھے گا۔''

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''اَعْظَمُ الْغُلُوْلِ عِنْدَاللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذِرَاعُ اَرْضٍ يَسْرِقُهُ رَجُلٌ فَيُطَوَّقُهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ ''(ابن ابی شیبہ بسند حسن فتح الباری 105/5)

''اللہ کے ہاں قیامت والے دن سب سے بڑی خیانت ایک ہاتھ زمین ہو گی

جسے آدمی چوری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں سے طوق پہنائے گا۔"

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری کتاب المظالم کی مذکورہ احادیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

"وفي الحديث تحريم الظلم والغصب و تغليظ عقوبته و امكان غصب الأرض وأنه من كبائر قاله القرطبي"

"اور حدیث میں ظلم اور غصب کی حرمت اور اس کی سزا کی سختی بیان ہوئی ہے اور زمین کے غصب کا ممکن ہونا اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ یہ بات امام قرطبی نے کہی ہے۔"

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"يأثم الغاصب ويجب عليه رد ما أخذه ولا يحل مال امرئ مسلم الا بطيبة من نفسه" (الدر البهية ص:88 مطبوعه رياض)

"غصب کرنے والا گناہ گار ہے اور وہ چیز جو اس نے غصب کی ہے اسے واپس کرنا اس پر واجب ہے کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔"

نواب صدیق الحسن خان رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"لأنه أكل مال غيره بالباطل أو استولى عليه عدوانا وقد قال الله تعالى: ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (الروضة النديه 149/2)

"غاصب اس لئے گناہ گار ہے کہ اس نے اپنے غیر کا مال باطل طریقے سے کھایا ہے یا اس پر زیادتی کرتے ہوئے غالب ہوگیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔"

اس کے بعد نواب صدیق حسن صاحب نے کئی احادیث اس بارے ذکر کیں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر کے اس میں کاشتکاری کر لے یا مکان تعمیر کر لے تو اسے صرف اس کے اخراجات ملیں گے اور کھیتی سے جو کچھ حاصل

ہواوہ زمین کے مالک کا ہوگا' اس کی دلیل یہ ہے کہ رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ زَرَعَ فِي اَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْئٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ"

(ابو داؤد كتاب البيوع باب في زرع الأرض بغير اذن صاحبها 3303 ترمذی كتاب الأحكام 1366' ابن ماجه كتاب الرهون 2366) مسند احمد 141/4 بیهقی 132/6'137' شرح مشكل الأثار 280/3 ارواء الغليل 1519`350/5`351)

"جس کسی نے دوسرے لوگوں کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر زراعت کی تو اسے اس زراعت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اُسے صرف وہ اخراجات ملیں گے جو اس نے خرچ کئے۔"

بعض محدثین نے اس روایت میں کلام کیا ہے لیکن اس روایت کا ایک قوی شاھد موجود ہے۔ جو ابوداؤد كتاب البيوع (3399) نسائی كتاب الأيمان (3898) وغیرہ میں بسند صحیح موجود ہے۔

امام ابن ابی حاتم رازی نے علل الحدیث 475/1`476 میں اسے ذکر کر کے کہا ہے کہ میرے باپ ابوحاتم رازی نے فرمایا:

"هذا يقوى حديث شريك عن أبي اسحاق"

"یہ حدیث شریک از ابی اسحاق کی حدیث کو تقویت دیتی ہے۔"

علامہ البانی نے بھی اسے ارواء الغلیل اور صحیح ابن ماجہ میں صحیح قرار دیا ہے۔

مولانا صفی الرحمان مبارکپوری حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"کھیتی باڑی سے جو کچھ حاصل ہو وہ زمین کے مالک کا ہوگا بیج بونے والے کے لئے بجز اس بیج کے کچھ نہیں جو اس نے زمین میں بویا یا جو زمین میں صرف ہوئے اسے وہی ملیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ' امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ' اور مدینہ کے اکثر علماء کا یہی مسلک ہے اور یہی راجح مذہب ہے مگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ کھیتی تو غاصب کی ہے اور اس پر زمین کا کرایہ مگر اس قول پر کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس حدیث کے مقابلہ میں پیش ہو سکے۔

(اتحاف الکرام اردو شرح بلوغ المرام 589/2 مطبوعہ دار السلام)

مذکورہ بالا دلائل صحیحہ سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی زمین' اس کے مال ومتاع پر ناجائز تصرف وقبضہ کرنا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی زمین پر قبضہ کر کے کاشتکاری کرے یا مکان تعمیر کر لے تو اس سے زمین واپس لی جائے گی۔ اسے صرف اس کے اخراجات مل سکتے ہیں یہ موقف دلائل کے لحاظ سے قوی اور واضح معلوم ہوتا ہے۔ فقہ حنفی کا موقف یہ ہے کہ:

”ومن غصب ارضا فغرس فيها او بنى قيل له اقلع الغرس و البناء وردها الى مالكها فارغة فان كانت الأرض تنقص بقلع ذلك فللمالك ان يضمن له قيمة البناء و الغرس مقلوعا“

(قدوری کتاب الغصب ص 149 مطبوعہ مکتبہ خیر کثیر کراچی)

”جو شخص زمین غصب کرے اور پھر اس نے اس میں پودے لگا دیے یا وہ تعمیر کر لے تو اس سے کہیں گے کہ یہ پودے اور تعمیر اکھاڑ لے اور زمین کے مالک کو خالی زمین لوٹا دے پس اگر زمین میں اکھاڑنے کی وجہ سے نقص پیدا ہوتا ہو تو مالک کے لئے درست ہے کہ وہ اکھڑے ہوئے پودوں اور تعمیر کی قیمت غصب کرنے والے کو دے دے۔“

منافع کی شرح

(س) رزق کو حلال کرنے کے لئے کتنا منافع لینا جائز ہے اور کتنا منافع ناجائز ہے جس

سے روزی حرام ہو جاتی ہے۔ براہ کرام قرآن و حدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں؟ (ایک سائل: سرگودھا)

ج: اللہ تبارک وتعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے منافع کی شرح ذکر نہیں کی۔ خریدار اور دکاندار جس ریٹ پر رضامندی ظاہر کر دیں' وہ درست ہے۔ بیچنے والے کو خود ہی دیانتداری کے ساتھ منافع طے کرنا چاہئے جس سے ظلم وزیادتی نہ ہو مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے کسی کے سپرد کرتا ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ میں چیزوں کے نرخ اور قیمتیں بڑھ گئیں لوگوں نے کہا' اے اللہ کے رسول ﷺ نرخ بہت بڑھنے لگے ہیں' آپ ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نرخ مقرر کرنے والا ہے وہی مہنگا کرنے والا وہی سستا کرنے والا اور وہی روزی دینے والا ہے۔ میں اس بات کا امیدوار ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کروں گا کہ کوئی آدمی مجھ سے خون یا مال میں ظلم وزیادتی پر مطالبہ کرنے والا نہ ہوگا۔

(ابو داؤد (۳۴۵۱) ترمذی' ابن ماجہ)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت نے اشیاء کی قیمتیں مقرر نہیں کیں۔ بائع اور مشتری جس ریٹ پر راضی ہو جائیں' وہ درست ہے۔

کھانے پینے کی اشیاء ادھار لینا

س: کیا کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ ادھار لی جا سکتی ہیں؟

ج: ایسی اشیاء کے ادھار لینے کا شریعت میں جواز ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار اناج خریدا اور اپنی زرہ بطور رھن اس کے پاس رکھی۔ (بخاری کتاب الرھن)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے کی عام ضرورت والی اشیاء ادھار لی جا سکتی ہیں۔ واللہ اعلم

اشیاء کی قیمت مقرر کرنے کا حکم

(س) کیا مارکیٹ میں اشیاء کی قیمتوں کا تعین کر دینا اسلام کی رو سے درست ہے؟ جیسا کہ آج کل بازاروں میں گورنمنٹ کی طرف سے اشیاء کی قیمتوں کو متعین کر کے دوکانوں پر نصب کیا جاتا ہے۔ قرآن وسنت کی رو سے اس کی وضاحت مطلوب ہے؟

(عبداللہ اسلام آباد)

(ج) بازاروں سے ضرورت کی اشیاء کا غائب ہونا اور مہنگا ہونے کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ حکومت بعض اشیاء پر کنٹرول حاصل کر لیتی ہے اور ضرورت کے مطابق عوام الناس کو مہیا نہیں کر سکتی جس کے نتیجے میں بلیک مارکیٹنگ ہوتی ہے حالانکہ بازار سے کوئی چیز بھی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ خفیہ طریقے سے مہنگے داموں فروخت ہوتی ہے۔ قیمتوں کو کنٹرول کرنے سے نقصانات زیادہ ہو جاتے ہیں اور عوام الناس اشیائے ضرورت کو آسانی حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے مبارک دور میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں اشیاء کے نرخ بڑھ گئے جس پر لوگوں نے آپ سے آ کر شکایت کی جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((غَلَا السِّعْرُ فِی الْمَدِیْنَةِ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ قَالَ النَّاسُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ غَلَا السِّعْرُ فَسَعِّرْ لَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَاِنِّیْ اَرْجُوْا اَنْ اَلْقَی اللّٰهَ وَلَیْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ یَطْلُبُنِیْ بِمَظْلِمَةٍ فِیْ دَمٍ وَلَا مَالٍ))

(ابو داؤد ۳/۲۷۲'۳٤٥۱' ترمذی ۳/٦۰٥'ابن ماجه ۲/۷٦۱(۲۲۰۰) احمد ۳/۱٥٦'٤٨٦ مسند ابی یعلی ٥/۱٦۰' بیهقی ٦/۲۹ دارمی ۲/۲٤۹طبرانی کبیر(۷٦۱)

"نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ میں چیزوں کے نرخ بڑھ گئے' لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ نرخ بہت بڑھنے لگے ہیں آپ ہمارے لئے قیمتوں پر کنٹرول کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نرخ مقرر کرنیوالا ہے۔ وہی مہنگا کرنے والا ہے وہی سستا کرنیوالا ہے اور وہی رزق دینے والا ہے۔ میں اس بات کا امیدوار ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملوں کہ کوئی شخص مجھ سے خون یا مال میں ظلم کی بنا پر مطالبہ کرنیوالا نہ ہو۔"

اس حدیث کے آخری الفاظ قابل توجہ ہیں کہ "اس بات کا امیدوار ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر کسی کا خونی یا مالی حق نہ ہو" اس سے معلوم ہوا کہ قیمتوں کو کنٹرول کرنا گاہک یا دکاندار کسی ایک پر ظلم ہے جس کی ذمہ داری قبول کرنے پر آپ آمادہ نہ تھے۔

حکومت جو اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول حاصل کرتی ہے اس کی ایک صورت یہ ہے کہ حکومت اعلان کر دیتی ہے کہ فلاں فلاں اشیاء کی قیمت یہ ہے۔ اس سے زیادہ قیمت پر یہ اشیاء فروخت نہیں کی جاسکتیں۔ اسی طرح حکومت کی جانب سے اشیاء کی قیمتیں مقرر کر کے باقاعدہ لسٹ دکانوں پر آویزاں کر دی جاتی ہے تاکہ دوکاندار اس سے زیادہ قیمت وصول نہ کر سکے اور اس بات کی چیکنگ کے لیے گاہے بگاہے حکومت چھاپے بھی مارتی ہے لیکن اس کی خرابی یہ ہوتی ہے کہ دوکاندار اس ریٹ پر ردی اور ناکارہ اشیاء فروخت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اگر کوئی خریدار خالص اور عمدہ چیز کا طلبگار ہو تو اس سے علیحدہ ریٹ طے کر لیتے ہیں' البتہ اگر کوئی حکومتی آدمی آ کر دوکاندار سے اس مقررہ ریٹ پر چیز طلب کرے تو دوکاندار اسے خالص چیز مہیا کرتا ہے تاکہ کہیں وہ پکڑا نہ جائے اور جرمانہ یا سزا

سے بچ جائے۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ دوکاندار اپنی کمیٹی کے افراد کے ذریعہ یا کسی اور واسطے سے حکومتی عملہ کو رشوت دے کر بددیانتی پر مبنی حرکات رذیلہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور گاہک کو ناخالص، ردی، بےکار اور گھٹیا اشیاء فروخت کرتے ہیں۔

ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ حکومت جس چیز پر کنٹرول کرتی ہے ملک کے مختلف حصوں میں اس کے ڈپو مقرر کر دیتی ہے تاکہ ان ڈپوؤں سے وہ چیز مقرر ریٹ پر حاصل کی جا سکے۔ اس میں بھی کئی ایک بددیانتیاں جنم لیتی ہیں بلکہ ڈپو ہولڈرز کئی بددیانتیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ اپنے واقف کار، عزیز و اقارب وغیرہ کو تو اشیاء فراہم کرتے ہیں جب کہ دیگر بہت سے افراد کو محروم رکھتے ہیں بلکہ بہت سے افراد اس طرح کے ڈپوؤں پر ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

عورتیں اور بچے سارا دن لائنوں میں لگے ذلت و خواری کو اپنا مقدر بنا رہے ہوتے ہیں اور اکثر ڈپو ہولڈرز ایسے افراد سے رشوت وصول کر کے اشیاء کو بچا کر بازار میں مختلف دوکانداروں کو بلیک کرتے ہیں۔ اس طرح چور بازاری کا نیا دروازہ کھل جاتا ہے۔

بہرکیف اس طرح کی کئی خرابیاں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں جن سے خریدار اور دوکاندار کے درمیان کئی جرائم جنم لیتے ہیں مزید تفصیل کے لیے ''تجارت اور لین دین کے مسائل و احکام'' ملاحظہ کریں قاضی شوکانی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

'' وقال استدل بالحديث وما ورد في معناه على تحريم التسعير وانه مظلمة ووجهه ان الناس مسلطون على اموالهم والتسعير حجر عليهم والامام مامور برعاية مصلحة المسلمين وليس نظرة في مصلحة المشترى برخص الثمن اولى عن نظره في مصلحة البائع بتوفير الثمن واذا تقابل الامران وجب تمكين والفريقين من الاجتهاد لانفسهم والزام صاحب السلعه ان يبيع بمالا يرضى به

منـاف لـقوله تعالىٰ ﴿ الا ان تكون تجارة عن تراض ﴾ والى ذهب جمهور العلماء "(نيل الاوطار ٥/٢٤٨)

اس حدیث اور جو اس معنی کی احادیث وارد ہوئی ہیں ان سے قیمتوں کے کنٹرول کی حرمت میں استدلال کیا گیا ہے اور قیمتوں پر کنٹرول کرنا ظلم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کو اپنے مالوں کے تصرف کا اختیار دیا گیا ہے اور قیمتوں پر کنٹرول ان پر مالی تصرف میں رکاوٹ ہے جب کہ حاکم وقت مسلمانوں کی خیر خواہی کی رعایت پر مامور ہے۔

اس کے لیے گاہک کو سستے داموں اشیاء کی خریداری میں نظر کرنا دوکاندار کے لئے قیمت بڑھانے کی مصلحت میں نظر کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ جب یہ دونوں معاملے آمنے سامنے ہوں تو اس وقت لازم ہے کہ فریقین (دوکاندار اور گاہک) کو اپنے معاملے میں اجتہاد کا اختیار دیا جائے سودا بیچنے والے کو اس کی مرضی کے خلاف بیچنے پر پابند کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے خلاف ہے "اے ایمان والو اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس صورت کے تمہاری آپس میں تجارت رضامندی سے ہو" یہ مذہب جمہور علماء کا ہے۔(نیل الاوطار ٥/٢٤٨)

اسلامی معاشرے میں چونکہ تجارت بالکل آزاد ہے' اس لیے ہر چیز کھلے عام فروخت ہونی چاہیے یہ بات بھی یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تاجر برادری کے لوگ متقی' پرہیزگار اور صالح ہوتے تھے اور وہ مناسب ریٹ پر اشیاء فروخت کرتے تھے۔ قیمتوں کا اتار چڑھاؤ تاجروں کی بدنیتی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ سامان فروخت کی کمی اور اس کی کثرت طلب کی بنا پر قیمتیں چڑھ گئی تھیں۔

(دیکھئے: مجلة البحوث الاسلاميه ج١ عدد رابع ص٢٠٨)

لیکن جب اشیاء خوردنی میں گرانی اور ریٹ کا اضافہ خود تاجروں کا پیدا کردہ ہو اور عامۃ الناس کے پاس اشیاء خوردونوش آسانی سے نہ پہنچنے دیتے ہوں تو یہ تاجر برادری کا ظلم ہے اور عوام الناس کی بھلائی کی خاطر ان کا ظلم روکنا عین انصاف اور حکومت کا حق ہے تو اس

ایک صورت میں اگر کنٹرول ریٹ ہو جائے تو کوئی شرعی قباحت نہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے جب کنٹرول کرنے سے انکار کیا تھا تو اس کے اسباب قدرتی تھے تاجر برادری کے پیدا کردہ نہیں تھے۔ باہر سے غلہ نہیں پہنچ رہا تھا۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''کنٹرول ریٹ بعض صورتوں میں ناجائز اور ظلم ہے اور بعض صورتوں میں عدل وانصاف اور جائز ہے۔''

جب کنٹرول ریٹ ایسی صورت پر مشتمل ہو کہ لوگوں کے اوپر ظلم کیا جائے اور ان کو ناحق کسی چیز کو ایسی قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے جسے وہ ناپسند کرتے ہوں یا جو چیز اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مباح رکھی ہے اس سے انہیں روکا جائے تو یہ حرام ہے۔

جب کنٹرول ریٹ عدل وانصاف پر مبنی ہو جیسا کہ انہیں کسی چیز کا جتنا معاوضہ مناسب ہو اس کے لیے انہیں مجبور کیا جائے اور جو کام ان پر حرام ہے اس کے کرنے سے روکا جائے جیسے مناسب معاوضے سے زیادہ قیمت لینا تو یہ کنٹرول جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

پہلی صورت کی مثال سیدنا انس والی حدیث دلیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

((اذا كان الناس يبيعون سلعهم على الوجه المعروف من غير ظلم قد ارتفع السعر وما لقلة الشي وإما لكثرة الخلق فهذا الى الله فالزام الخلق ان يبيعوا بقيمة بعينها اكراه بغير حق))

''جب لوگ اپنے سودے کو معروف طریقے پر ظلم کئے بغیر فروخت کریں اور قیمت یا تو اشیاء کی کمی کی وجہ سے بڑھ جائے یا لوگوں کی کثرت کی بنا پر تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ایسی صورت میں مخلوق کو مقرر قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کرنا ناحق ہے۔''

((واما الثانی فمثل ان یمتنع ارباب السلع من بیعها مع ضرورة الناس الا بزيادة على القيمة المعروفة فهنا يجب عليهم بيعها بقيمة المثل ولا معنى للتسعير الا الزامهم بقيمة المثل فيجب ان يلتزموا بما الزمهم الله به))

''اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ سودا بیچنے والے افراد لوگوں کی ضرورت کے باوجود زیادہ قیمت کی وصولی کے بغیر بیچنا روک دیں تو ان پر واجب ہے کہ وہ سودے کو مناسب قیمت پر بیچیں ایسی صورت میں (جب وہ زیادہ قیمتیں وصول کریں) انہیں مناسب قیمت کا پابند کر دینا چاہئے ان پر لازم ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے لازم ٹھہرائی ہے اسے لازم پکڑیں۔''

(الحسبة الامام ابن تیمیه ص ۲۰)

تقریباً یہی بات امام ابن قیم نے الطرق الحکمیة ص ۲۴۴'۲۴۵ میں اور الفراسہ میں ذکر کی ہے۔لہٰذا اگر تاجر برادری کی جانب سے ظلم ہو اور عوام الناس کی ضرورت کے باوجود بلاوجہ اشیاء کی فراہمی مناسب ریٹ پر نہ کریں تو انہیں مقررہ قیمت پر فروخت کا پابند کیا جا سکتا ہے اور اگر منڈیاں آزاد ہوں گرانی تاجر برادری کی طرف سے پیدا نہ کی گئی ہو بلکہ قدرتی طور پر اشیاء کی قلت یا عوام کی کثرت کی بنا پر ہو تو اس صورت میں کنٹرول ریٹ درست نہیں ہے۔

مکڑی کو مارنا

(س) کیا مکڑی کو مارنا جائز ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکڑی کے جالا تاننے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ غار ثور میں کفار کے ہاتھ آنے سے بچ گئے تھے۔لہٰذا اسے مارنا جائز نہیں

ہے۔(حنا عبدالرحمٰن۔کراچی)

ج مکڑی کو مارنے کی ممانعت کسی صحیح حدیث میں ہمارے علم کے مطابق وارد نہیں ہوئی۔جو لوگ ہجرت کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ غار ثور میں تشریف لے گئے' اس وقت غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بن دیا تھا' جس کی وجہ سے آپ کفار کے ہاتھوں بچ گئے تھے۔خطباء اور واعظین اس بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔لیکن اہل علم کے ہاں یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

ذیل میں اس واقعہ کے متعلق مروی روایات پر مختصر سا تبصرہ درج کیا جاتا ہے۔

(ا) اس سلسلہ میں ایک روایت ابو مصعب مکی نے بیان کی ہے کہ میں نے انس بن مالک' زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنھم کو گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ غار کی رات اللہ تعالیٰ نے ایک درخت کو غار کے دھانے پر اگنے کا حکم دیا۔تاکہ وہ نبی کریم ﷺ کو کفار سے چھپائے اور مکڑی کو بھیج دیا اس نے وہاں پر جالا بن دیا اور دو جنگلی کبوتروں کو بھی بھیج دیا جب قریش مکہ اپنی لاٹھیوں' تلواروں اور کمانوں سمیت تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچے' نبی اکرم ﷺ اور ان کافروں کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ان میں سے بعض نے غار کے دھانے کی طرف جلدی سے دیکھا تو اس نے وہاں کبوتروں اور جالے کو دیکھا تو واپس پلٹ گیا۔تو اس کے ساتھیوں نے کہا: کیا ہوا تو نے غار نہیں دیکھا؟ اس نے کہا میں نے وہاں دو جنگلی کبوتر دیکھے ہیں جس کی وجہ سے میں پہچان گیا کہ اس غار میں کوئی آدمی نہیں۔اس کی اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے سن لیا جس بناء پر آپ نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیا ہے۔

"کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد 3 صفحہ 422'423۔طبقات ابن سعد جلد 1 ص 228'229۔کشف الاستار جلد 2 ص 299 میزان الاعتدال جلد 3 ص 307 دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 2 ص 482 البدایۃ والنہایۃ جلد 3 ص 158'159

مذکورہ بالا روایت کے اندر دو خرابیاں ہیں:

(۱)اس کو بیان کرنے والا راوی ابومصعب مکی مجہول راوی ہے۔یہ بات امام عقیلی نے اپنی کتاب الضعفاء جلد 3 ص 423 میں امام ذھبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال جلد 3 ص 307 میں تحریر کی ہے۔

(۲)ابومصعب سے روایت کرنے والاعون بن عمرو القیسی بھی قابل حجت نہیں ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث اور امام یحی بن معین نے اسے لاشی ء (کچھ نہیں ہے) کہا۔(میزان الاعتدال جلد 3ص 304)

یہ روایت حسن بصری سے بھی مروی ہے:

(ملاحظه هو البدایه والنهایه جلد 3ص 158۔مسند ابی بکر الصدیق لابی بکر احمد بن علی المروزی ص 118 رقم الحدیث 73۔یہ روایت بھی سنداً کمزور ہے۔اس کے اندر بھی دو خرابیاں ہیں)

(۱) یہ حسن بصری کی مرسل روایت ہے۔اور مرسل حدیث جمہور محدثین' فقہاء اور اصولیین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے۔(اصول الحدیث جلد 1ص 350)

(۲)دوسری خرابی یہ ہے۔اس کی سند میں بشار بن موسی الخفاف ضعیف راوی ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث' امام نسائی نے غیر ثقہ اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے بہت غلطیاں کرنے والا قرار دیا ہے۔المغنی فی الضعفاء جلد 1 ص 150 تقریب۔ص 44

تیسری روایت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مصنف عبد الرزاق جلد 3 ص 389' مسند احمد جلد 1 ص 348 مجمع الزوائد جلد 7 ص 30۔میں مروی ہے اس کی سند میں عثمان بن عمرو الجزری ضعیف راوی ہے۔امام ابو حاتم رازی نے اسے نا قابل حجت اور حافظ ابن حجر نے اسے ضعیف کہا ہے۔الجرح والتعدیل جلد 2 ص 126 تقریب ص 235 امام ازدی فرماتے ہیں کہ محدثین اس کی روایت میں کلام کرتے ہیں۔کتاب الضعفاء والمتروکین لابن جوزی جلد 2 ص 71 ابن حبان کے سوا اسے کسی نے بھی قابل اعتماد قرار نہیں دیا۔لہٰذا یہ روایت بھی قابل حجت نہیں۔

اس سلسلے کی چوتھی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مکڑی کو ہماری جانب سے اچھا بدلہ دے۔ اس نے مجھ پر غار میں جالا بنا تھا۔

(الجامع الصغیر للسیوطی ص218رقم الحدیث(3585)

امام سیوطی نے اس کو مسند فردوس دیلمی کے حوالے سے ذکر کر کے آگے ضعف کی علامت لگائی ہے۔ علامہ البانی حفظہ اللہ نے سلسلہ ضعیفہ جلد 3 ص338 '339 میں اسے نقل کر کے اس کے دو راویوں عبداللہ بن موسیٰ اہلمی اور اس کے استاد ابراہیم بن محمد پر جرح نقل کی۔

مذکورہ بالا توضیح سے واضح ہوا کہ غار ثور کے دھانے پر جالا بننے والی مکڑی کے بارے میں بیان کی گئی روایات صحیح نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ بات درست نہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہجرت کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾(توبة:40)

''اگر تم اس کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ ہی نے اس کی مدد کی۔ اس وقت جب کہ اسے کافروں کے دیس سے نکال دیا تھا۔ وہ دو میں سے دوسرا تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر' اللہ ہمارے ساتھ ہے پس جناب باری نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا بھی نہیں۔ اس نے کافروں کی بات پست کر دی اور بلند و عزیز تو اللہ کا کلمہ ہی ہے۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ نے ہجرت کے دوران مدد کا ذکر کیا ہے ایک سکینہ ہے اور دوسری ایسے لشکروں سے ہے جنہیں دیکھا نہیں گیا جب کہ مکڑی اور کبوتروں کی مدد تو دیکھی جانے والی ہے۔ نہ دیکھی جانے والی مدد اللہ کے فرشتوں سے تھی۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ نَزَلُوا يَصْرِفُونَ وُجُوهَ الْكُفَّارِ وَأَبْصَارَهُمْ عَنْ رُؤْيَتِهِ"

(تفسیر بغوی: جلد 2ص296)

''وہ اللہ کے فرشتے تھے جو اتر کر کافروں کے چہروں اور آنکھوں کو رسول اللہ کی رؤیت سے پھیرتے تھے۔''

اور اس معنی کی تائید اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنھا کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار کے سامنے ایک آدمی دیکھا۔ فرمانے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ ہمیں دیکھنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں بے شک فرشتے اب اسے اپنے پروں سے چھپا رہے ہیں۔ پھر وہ آدمی ان کے سامنے پیشاب کرنے بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر! اگر یہ دیکھ رہا ہوتا تو یہ کام نہ کرتا۔

(مجمع الزوائد جلد 6ص56اور طبرانی کبیر جلد 24ص106(284)

اس کی سند میں یعقوب بن حمید بن کا سب راوی حسن الحدیث ہے۔ ابن حجر نے تقریب میں اسے صدوق (سچا) قرار دیا ہے۔ مندرجہ بالا دلائل سے واضح ہو گیا کہ مکڑی کے جالے والی روایت جو غار ثور کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس روایت سے مکڑی کو نہ مارنے پر استدلال کرنا درست نہ ہوا۔

بنک اکاؤنٹ کی شرعی حیثیت

س: بنک میں روپے جمع کرواتا ہوں یا کھاتا چلتا ہو تو کس اکاؤنٹ میں کھاتہ ہونا چاہئے؟ میں سرکاری ملازم بھی ہوں اور ہماری تنخواہیں بھی بنک میں سے آتی ہیں تو کس

اکاؤنٹ میں روپے جمع کروانا چاہیں؟ (رضاء اللہ بیگ۔شاھکوٹ)

ج: بنک کا نظام بلاشبہ سودی کاروبار پر مشتمل ہے۔اس میں دوطرح کے اکاؤنٹ ہوتے ہیں (۱) سیونگ اکاؤنٹ (۲) کرنٹ اکاؤنٹ۔سیونگ کا ناجائز ہونا تو واضح ہے کہ وہ سود ہے اور سود لینے دینے پر مشتمل ہے اور سود لینا یا دینا حرام ہے۔اللہ تعالیٰ نے سود کی حرمت قرآن حکیم میں واضح کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿واحل الله البيع و حرم الربوا فمن جاء ه موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف وامره الى الله ومن عاد فاولئك اصحاب النار هم فيها خالدون﴾

(بقرہ) اللہ نے بیع حلال کی ہے اور سود حرام کیا ہے پس جن کے پاس نصیحت آ گئی اس کے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا اس کے لیے وہ ہے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو کوئی واپس پلٹا وہی آگ والے ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے کھلانے والوں پر لعنت کی ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا و موكله و كاتبه و شاهديه و قال هم سواء"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے۔اور فرمایا یہ لعنت میں برابر ہیں۔

(صحيح مسلم كتاب المساقاة باب لعن آكل الربا و موكله۱۰۶/۱۵۹۸)

اور کرنٹ میں رقم جمع کروانے سے اگر چہ سود لینا دینا نہیں لیکن سودی کاروبار میں تعاون ہے کرنٹ والے کی

﴿علی البر و التقویٰ ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾(مائدہ)

اور نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔

اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر غور کریں کہ سود کھانے اور کھلانے والے پر تو لعنت ہوئی کہ انہوں نے کچھ لیا اور دیا ہے جب کہ سود لکھنے والے اور گواہ بننے والوں نے کچھ لیا اور نہ دیا ہے ان پر لعنت کیوں اور یہ گناہ میں ان کے برابر کیوں؟ صرف اسی لیے کہ یہ سود پر معاون بن رہے ہیں۔لہٰذا ہر وہ معاملہ جس میں سود پر معاونت ہوتی ہے اس سے مکمل اجتناب کریں اور بنک کاری کے نظام سے بچیں۔ آپ کی تنخواہ جو آپ کو بنک کے ذریعہ سے ملتی ہے اس کو وصول کریں وہاں جمع نہ کروائیں۔

كتاب

الحدود

بیٹے کے قصاص میں باپ کو قتل کرنا

س: باپ جب کسی وجہ سے بیٹے کو قتل کر دے تو قصاص میں باپ کو قتل کیا جائے گا یا نہیں۔ کتاب و سنت کی رو سے واضح کریں؟

(ایک سائل: فورٹ عباس)

ج: باپ اگر کسی وجہ سے اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو قصاص میں باپ کو قتل نہیں جائے گا یہی بات جمہور فقہائے شافعیہ 'حنابلہ اور حنفیہ نے کہی ہے۔ جیسا کہ: الشرح الکبیر علی متن المقنع ۵/۱۷۵ المهذب ۲/۱۷۴ بدایة المجتهد ۲/۴۰ بدائع الصنائع ۷/۲۳۵ میں مذکور ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾ (سورۃ الاسراء: ۲۳٬۲۴)

"اور تیرا پروردگار حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو اگر تیرے ہاں ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو اور نہ ہی انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرو اور ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات کرو اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کے بازو پست کرو اور کہو اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان

دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ عزوجل نے والدین کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور ان کے سامنے عاجزی اور تواضع کے بازو پست کرنے کا حکم دیا ہے اور انہیں جھڑکنے اور ایسی بات کہنے سے منع کیا ہے جس سے انہیں تکلیف ہو خواہ وہ چھوٹی سی بات ہی کیوں نہ ہو۔

جب انہیں جھڑکنا اور اف تک کہنا منع ہے تو یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ انہیں قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ اسی طرح دیگر حسن سلوک والی آیات سے یہی بات اخذ کی گئی ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو مدلج کے ایک شخص کے پاس ایک باندی تھی۔

اس سے اس شخص کا بیٹا تھا۔ وہ اس سے خدمت لیتا تھا۔ جب لڑکا جوان ہو گیا تو ایک دن اس شخص نے اس باندی کو بلایا اور کہا اس طرح کام کرو۔ لڑکے نے کہا وہ میرے پاس نہیں آئے گی جب تک تو اسے غلام بنائے رکھے گا۔ لڑکے کے باپ نے غصے میں آ کر تلوار اس کی طرف پھینکی جس سے اس کی ٹانگ کٹ گئی اس لڑکے کا خون بہہ گیا اور وہ فوت ہو گیا تو وہ شخص اپنی قوم کے ایک گروہ کے ہمراہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا:

((يَا عَدُوَّ نَفْسِهِ اَنْتَ الَّذِىْ قَتَلْتَ ابْنَكَ؟ لَوْلَا اَنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ لَا يُقَادُ الْاَبُ بِابْنِهٖ لَقَتَلْتُكَ هَلُمَّ دِيَتَهٗ قَالَ فَاَتَاهُ بِعِشْرِيْنَ اَوْ ثَلَاثِيْنَ وَمِائَةَ بَعِيْرٍ قَالَ فَتَخَيَّرَ مِنْهَا مِائَةً فَدَفَعَهَا اِلٰى وَرَثَتِهٖ وَتَرَكَ اَبَاهُ))

"اے اپنی جان کے دشمن تو وہ ہے جس نے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے

اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ باپ سے بیٹے کے بدلے قصاص نہ لیا جائے تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ اس کی دیت لاؤ۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ ۱۲۰ یا ۱۳۰ اونٹ لایا عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے ۱۰۰ اونٹ لے کر اس لڑکے کے وارثوں کے حوالے کر دیئے اور اس کے باپ کو چھوڑ دیا۔ (المنتقی لابن الجارود (۷۸۸) بیہقی ۸/ ۳۸ دار قطنی ۳/ ۱۴۰۔۱۴۱)

یہ روایت حسن ہے علامہ البانی نے اسے مختلف طرق کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔(ارواء الغليل (٢٢١٤)٧/٢٦٩تا ٢٧٢)

یہی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے:

(ابـن مـاجـه (٢٦٦١) بـاب لا يقتل والد بولده ترمذی((١٤٠١)دار قطنی ٣/ ١٤١'١٤٢ حلية الاولياء ٤/ ١٨ بيهقى ٨/ ٣٩مسند دارمى (٢٤٠٢)حاكم ٤/ ٣٦٩ابن ابی شیبه ١٠/ ٤٣(٨٧٠٠)تاريخ جرجان للسهمى ص ٤٣٠)

میں موجود ہے اس کی سند میں اگرچہ اسماعیل بن مسلم المکی کمزور راوی ہے لیکن مختلف طرق اور شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد ۱/ ۲۲'۴۹ مسند عبد بن حمید (۴۱) ترمذی (۱۴۰۰) میں بھی موجود ہے۔ عقلی طور پر اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ باپ بیٹے کے وجود کا سبب ہے اس لئے مناسب نہیں کہ بیٹا باپ کے فنا اور خاتمے کا سبب بنے اور دوسری بات یہ ہے کہ قصاص زجر و توبیخ کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔ یہاں پر بیٹے کے قتل کی وجہ سے باپ کو زجر کی حاجت نہیں اس لئے کہ والدین کی اولاد کے بارے میں شفقت و رافت معروف ہے اور یہ شفقت انہیں ظلم و عدوان کے ساتھ قتل کرنے سے مانع ہوتی ہے۔(عقوبة الاعدام :ص ١٩٥)

پس معلوم ہوا کہ والد کو بیٹے کے بدلے قتل نہ کیا جائے بعض اہل علم

قصاص کی عمومی آیات اور احادیث سے استدلال کرتے ہوئے باپ کو قصاص میں قتل کرنے کے قائل ہیں لیکن مختار قول وہی ہے جو ہم نے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے تفصیل کے لئے:

(عقوبة الاعدام للشیخ محمد بن سعد جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة اور القصاص فی النفس للدکتور عبد الله العلی استاذ جامعة الامام محمد بن سعود)

ملاحظہ ہوں۔

مرتد اور اس کی سزا کا حکم

(س) مرتد کسے کہتے ہیں اس کی شرعی سزا کیا ہے؟ کتاب و سنت کی رو سے ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں؟ (ایک سائل۔ ٹاؤن شپ لاہور)

(ج) مرتد اسم فاعل ہے: ''اِرْتَدَّ یَرْتَدُّ اِرْتِدَادًا'' جس کا لغوی معنی ہے پھرنے والا' پلٹنے والا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ ﴾ (محمد ٢٥)

''بے شک وہ لوگ جو اپنی پیٹھ کے بل الٹے پھر گئے۔''

اس طرح ایک مقام پر فرمایا:

﴿ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾

(کهف: ٦٤

(موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) ''یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس پلٹے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ ....﴾(المائدة:٥٤)

''اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی۔''

ان تین آیات میں ارتد فاتدا اور یرتدا ایک باب کے مختلف صیغے ہیں جس کا بنیادی مادہ ''رد'' ہے اور اس کا معنی ہے پھیرنا' واپس کرنا وغیرہ اور اصطلاحی طور پر اس کی تعریف یہ ہے ''ایسا مسلمان جو اپنے اسلام کو اختیار کرنے والا ہو اس کا کسی قول' فعل' کفریہ عقیدہ یا ضروریات دینیہ سے کسی کے ساتھ شک کی بنیاد پر دین اسلام سے کٹ جانا مرتد ہوتا ہے''(عقوبة الاعدام ص ٣٤٩)

بعض ائمہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے:

''الراجع عن دين الاسلام الى الكفر'' (القاموس الفقهي ص١٤٧)

''دین اسلام سے کفر کی طرف پلٹنے والا۔''

گویا مرتد ایسا شخص ہے جو اسلام لانے کے بعد واپس کفر کی طرف پلٹ گیا۔ یہ ارتداد اس کے اندر خواہ عقیدے کی بنا پر پیدا ہو یا کسی قول' فعل اور شک و شبہ کی بنا پر۔ خواہ سنجیدگی سے ہو یا مذاق و ٹھٹھہ سے کیونکہ ارتداد جیسے سنجیدگی سے ہوتا ہے' استہزاء و ہزل' ٹھٹھہ و مذاق سے بھی واقع ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ٥ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ﴾(التوبة: ٦٥'٦٦)

''کہہ دیجئے! کیا اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ ہی

تمہاری ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً اپنے ایمان کے بعد کفر کر چکے ہو۔"

مرتد آدمی پکا جہنمی ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾(البقرة: ٢١٧)

"یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑائی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں گے اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور اسی کفر کی حالت میں مر گیا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں غارت ہو جائیں گے' یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔"

مرتد کی دنیوی سزا قتل ہے:

پہلی دلیل:

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((عَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَرَّقَ قَوْمًا فَبَلَغَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحَرِّقْهُمْ لِاَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ))

(بخاری کتاب الجهاد والسير :٣٠١٧'وکتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم: باب حكم المرتد (٦٩٢٢)مسند حمیدی: ٥٣٣'بیهقی٨/١٩٥ابن ماجه کتاب الحدود باب المرتد عن دينه ٢٥٣٥ مسند احمد١/٢٨٢' دار قطنی ٣/١١٣ ابو داؤد کتاب الحدود باب الحكم فيمن ارتد(٤٣٥١)نسائی کتاب تحریم الدم ٧/١٠٤ترمذی کتاب الحدود باب ما جاء في حكم المرتد(١٤٥٨)شرح السنة (٢٥٦٠)مسند ابی یعلی ٤/٤٠٩'٤١٠(٢٥٣٣)

''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو آگ میں جلایا۔ یہ بات عبداللہ بن عباس کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر میں ہوتا تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو البتہ میں انہیں قتل کر دیتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنا دین بدل لیا' اسے قتل کر دو۔''

۲۔ دوسری دلیل: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالْمُفَارِقُ لِدِيْنِهٖ اَلتَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ))

(بخاری کتاب الدیات(٦٨٧٨)مسند احمد(١/٣٨٢'٤٢٨'٤٤٤'٤٦٥'٤/١٨١)مسلم کتاب القسامة باب ما يباح به دم المسلم (١٦٧٦)ابن حبان (٤٤٠٤) نسائی کتاب القسامة باب القود ٨/١٣ مسند حمیدی(١١٩) دار قطنی ٣/٨٢' بیهقی کتاب الجنایات ٨/١٩ مسند ابی یعلی ٩/١٢٨(٥٢٠٢)

''جو شخص لا الہ الا اللہ اور میرے رسول ہونے کی گواہی دے' اس کا خون حلال نہیں مگر تین کاموں میں سے کسی ایک کی بنا پر نفس نفس

کے بدلے (یعنی قاتل کو مقتول کے بدلے قصاص میں قتل کرنا) ۲۔ شادی شدہ زانی (یعنی اسے رجم کر کے ماردیا جائے)۔"

۳۔ اپنے دین کو چھوڑنے والا' جماعت کو ترک کرنیوالا یعنی مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر کافروں کی جماعت میں شامل ہو جائے اور دین اسلام ترک کر بیٹھے مرتد ہو جائے"

یہ حدیث سیدہ عائشہ سے ابو داود کتاب الحدود باب الحکم فیمن ارتد(٤٣٥٣)مسند احمد٦/٥٨'١٨١'٢٠٥'٢١٤ نسائی کتاب تحریم الدم ٧/٩١۔مسند طیالسی(١٤٧٤) مسند ابی یعلی٨/١٣٦(٤٦٧٦)میں بسند صحیح موجود ہے۔

تیسری دلیل:

سیدنا علی رضی اللہ فرماتے ہیں:

"كُلُّ مُرْتَدٍّ عَنِ الْاِسْلَامِ مَقْتُوْلٌ اِذَا لَمْ يَرْجِعْ ذَكَرًا اَوْ اُنْثٰى"

دار قطنی ٣/٩٣(٣١٥٩)طبع قدیم ٣/١١٩)

اسلام سے مرتد ہونے والا ہر شخص قتل کیا جائے گا جب وہ واپس نہ پلٹے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

اس اثر کی سند حسن ہے عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ المحلی لابن حزم ١٣/ ١١٢۔ امام ابو المظفر یحیی بن محمد بن ہبیرہ فرماتے ہیں:

"واتفقوا على ان المرتد عن الاسلام يحب عليه القتل"

الافصاح عن معانی الصحاح ١/١٨٧ اس بات پر ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ اسلام سے مرتد ہونے والا واجب القتل ہے۔

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

" واجمع اهل العلم علی وجوب قتل المرتد و روی ذلك عن ابی بكر و عمر و عثمان و علی و معاذ و ابی موسیٰ و ابن عباس و خالد و غیرهم ولم ینكر ذلك فكان اجماعا۔" (المغنی ۱۲۳/۸)

"اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرتد واجب القتل ہے اور یہ بات ابو بکر، عمر، معاذ، ابو موسیٰ، عبداللہ بن عباس خالد وغیر ہم سے مروی ہے اس پر انکار نہیں کیا گیا پس اس پر اجماع ہو گیا۔"

یہی اجماع علامہ صنعانی، ابن دقیق العید اور کاسانی حنفی نے نقل کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو سبل السلام ۲۶۳/۳، احکام الاحکام ۸۴/۳، بدائع الصنائع ۱۳۴/۷ بحوالہ عقوبۃ الاعدام ص۔۳۶۸)

پس معلوم ہوا کہ قرآن و سنت اجماع صحابہ کرام اور اجماع اہل علم فقہاء و محدثین کی رو سے مرتد واجب القتل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے شیخ محمد بن سعد کی کتاب عقوبۃ الاعدام کا مطالعہ فرمائیں۔

كتاب
الميراث

جائیداد کی تقسیم کا شرعی طریقہ

﴿س﴾ ایک آدمی اپنی زندگی میں اپنی ساری جائیداد اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد میں کسی قسم کا نزاع اور جھگڑا پیدا نہ ہو تو کیا وہ ایسا کرسکتا ہے؟ اور اس کی تقسیم کا طریق کار کیا ہے؟ (محمد عبداللہ۔ لاہور)

﴿ج﴾ انسان کی جائیداد کی تقسیم دو طرح پر ہے۔1۔اپنی زندگی میں 2۔مرنے کے بعد پہلی صورت میں آدمی اپنی اولاد کو جو جائیداد تقسیم کرتا ہے اسے وراثت نہیں بلکہ ھبہ کرنا یا عطیہ دینا کہا جاتا ہے اور دوسری صورت میں جو مال چھوڑا جاتا ہے اسے ورثہ یا ترکہ کہتے ہیں اس صورت میں جائیداد کی تقسیم کا اللہ تعالی نے اصول وقاعدہ ذکر کردیا ہے کہ للذکر مثل حظ الانثیین کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کی مثل حصہ ملے گا۔

جب کہ پہلی صورت میں اولاد کے درمیان برابری و مساوات ہو گی للذکر مثل حظ الانثیین والا قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَاِذَا اَعْطٰی بَعْضَ وَلَدِهٖ شَيْئًا لَمْ يَجُزْ حَتّٰی يَعْدِلَ بَيْنَهُمْ وَيُعْطِيَ الْآخِرَ مِثْلَهُ“ (بخاری کتاب الھبة باب الھبة للولد)

جب کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کو کوئی چیز عطا کرے تو یہ اس کے لئے اتنی دیر تک جائز نہیں جب تک وہ ساری اولاد کے درمیان عدل نہ کرے' اور دوسرے کو بھی اس کی مثل دے۔اس کی دلیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث پیش کی ہے۔

”عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ ابْنَ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ عَلَی الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ اَعْطَانِيْ أَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا أَرْضٰی حَتّٰی تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اِنِّيْ أَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ

رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ "(بخاری کتاب الھبة باب الاشھاد فی الھبة 2587)

''عامر شعبی نے کہا میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو منبر پر کہتے ہوئے سنا۔ میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحة نے کہا۔ میں اتنی دیر تک راضی نہیں یہاں تک کہ تو رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنالے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا میں نے عمرہ بنت رواحہ میں سے اپنے ایک بیٹے کو عطیہ دیا ہے اے اللہ کے رسول اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اس پر گواہ بنا لوں آپ نے فرمایا کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح عطیہ دیا ہے تو انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو تو وہ واپس لوٹے اور اپنا عطیہ واپس لے لیا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد تمسك به من اوجب التسوية فى عطية الاولاد وبه صرح البخاری وهو قول طاؤس والثوری واحمد و اسحاق وقال به بعض المالكيه ـ"(فتح الباری 214/5)

''جن لوگوں نے اولاد کے درمیان عطیہ کی مساوات کو واجب قرار دیا ہے انہوں نے اس حدیث سے تمسک کیا ہے اور امام بخاری نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے اور یہی قول طاؤس' سفیان ثوری' احمد' اسحاق بن راھویہ اور بعض مالکیہ کا ہے۔''

عطیہ کی تقسیم کے متعلق ابن حجر ان محدثین کے موقف کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لَا فَرْقَ بَيْنَ الذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَظَاهِرُ الْأَمْرِ بِالتَّسْوِيَةِ يُشْهِدُ لَهُمْ وَاسْتَأْنَسُوْا بِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ سَوُّوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ

فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا اَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ اَخْرَجَهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَالْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيْقِهِ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ " (فتح الباری 214/5)

''عطیہ کی تقسیم میں مذکر اور مؤنث کے درمیان فرق نہیں ہے اور حدیث میں جو مساوات کا حکم ہے اس کا ظاہر بھی اس بات پر شاہد ہے اور انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عطیہ کے متعلق اپنی اولاد میں برابری کرو اگر میں کسی کو ترجیح دینے والا ہوتا تو عورتوں کو دیتا۔ اسے سعید بن منصور نے نکالا ہے اور امام بیہقی (177/2) نے اسی کے طریق سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی اپنی اولاد کے درمیان کسی نزاع یا جھگڑے کے خدشے کے پیش نظر یا ویسے ہی اپنی جائیداد اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہے تو اس پر اولاد کے درمیان عدل وانصاف لازم ہے جتنا حصہ لڑکے کو دے اتنا ہی لڑکی کو دے اسے شریعت کی اصطلاح میں ہبہ یا عطیہ کہتے ہیں۔

اگر اولاد کے درمیان عدل سے کام نہیں لے گا تو گناہ گار ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنی کسی اولاد کو کچھ دیا ہے اور دوسروں کو نہیں دیا تو والد کو ایسا ھبہ یا عطیہ واپس لے لینا چاہئے اور اگر دنیا سے رخصت ہو گیا اور کچھ مال چھوڑ گیا تو اسے ترکہ اور وراثت کہا جاتا ہے اس کی تقسیم قانون وراثت کے تحت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

مرحومہ کے ترکہ کا حکم

(س) کیا فرماتے ہیں علماء کرام بیچ اس مسئلے کے:

1۔ ایک خاتون ماہ فروری 1998ء کو رحلت فرما گئی رحلت کے وقت مرحومہ کی عمر (70) سال تھی۔

2۔ مرحومہ کے نام ایک سکنی مکان ہے۔

3۔ مرحومہ کے نہ والد حیات ہیں اور نہ والدہ حیات ہے جو تقسیم ہند کے وقت شہید ہو گئے تھے۔

4۔ مرحومہ کے نہ دادا اور نہ دادی حیات ہیں۔

5۔ مرحومہ کا کوئی چچا نہ تھا۔

6۔ مرحومہ کے نہ نانا اور نہ نانی حیات ہیں۔

7۔ مرحومہ کا نہ ماموں حیات ہے

8۔ مرحومہ کے ماموں کی اولاد حیات نہ ہے

9۔ مرحومہ کے نہ پردادا اور نہ پردادی حیات ہے۔

10۔ مرحومہ کی ایک بہن تھی جو فوت ہو چکی ہے وہ غیر شادی شدہ تھی۔

11۔ مرحومہ کا کوئی بھائی نہ تھا۔

12۔ مرحومہ کا خاوند حیات ہے۔

13۔ مرحومہ کی کوئی اولاد نہ ہے۔

14۔ مرحومہ کی ایک پھوپھی تھی جس کا انتقال قیام پاکستان سے پہلے ہو چکا ہے۔ ان کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں حیات ہیں۔

اندریں حالات مندرجہ بالا افراد سے کون کون سے شرعی وارثان بنتے ہیں۔ اور اگر یہ سب ہی وارثان ہیں ان افراد کا سکنی مکان مذکورہ میں کتنا کتنا شرعی حصہ بنتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العارض۔ صبغت اللہ خان-2000-8-17

﴿ج﴾ بشرط صحت سؤال۔ صورت مذکورہ میں میت کا وارث اصحاب الفروض میں سے اس کا شوہر اور ذوالارحام میں سے پھوپھی اور خالہ کی اولاد ہے شوہر کا حصہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں نصف 1/2 ہے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ﴾

(النساء :4:12)

''اور تمہارے لیے اس ترکے کا نصف 1/2 حصہ ہے جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔''

لہٰذا اس نص قطعی کی بنا پر شوہر کا نصف حصہ ہے باقی نصف پھوپھی اور خالہ کی اولاد میں راجح موقف کی بنا پر تقسیم ہوگا۔ اور ان کی تقسیم میں فرق ہے۔ پھوپھی اور خالہ کی اولاد ذوی الارحام کی صف رابع میں شامل ہیں۔ شیخ صالح بن فوزان ''التحقیقات المرضیہ فی المباحث الفرضیۃ'' ص260 رقمطراز ہیں۔

" الرابع من ينتمي الى احداد الميت وحداته وهم الاعمام للام والعمات مطلقا وبنات الاعمام مطلقا والخؤولة مطلقا وان تباعدوا واولادهم وان نزلوا "

شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' ذوی الارحام کی چوتھی قسم کا بیان:

1۔ اگر قرابت صرف باپ کی طرف سے ہو مثلاً پھوپھیاں اور اخیافی چچے یا صرف ماں کی طرف سے ہو مثلاً ماموں اور خالہ اس صورت میں جس کی قرابت زیادہ قوی ہے وہ بالا تفاق ترکہ کا حقدار ہے۔

(تعلیم الفرائض ص48) آگے جا کر فرماتے ہیں: اگر قرابت مختلف ہے کوئی باپ سے ہے کوئی ماں کی طرف سے تو پھر قوت قرابت کا اعتبار نہیں مثلاً ایک عینی پھوپھی ہے دوسری اخیافی خالہ یا عینی خالہ اور اخیافی پھوپھی اس صورت میں ماں کے قرابت کی ایک تہائی خالہ کے لئے اور باپ کی قرابت کی دو تہائی حصہ پھوپھی کے لئے ہے۔

(تعلیم الفرائض ص48)

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ پھوپھی اور خالہ کی اولاد ذوی الارحام کی چوتھی قسم میں

سے ہیں۔شوہر کا حصہ 1/2 نکالنے کے بعد باقی جائیداد ان میں تقسیم ہوگی۔ان کی قرابت کی جہت چونکہ مختلف ہے پھوپھی کی اولاد کیلئے میت کی جہت قرابت ماں ہے۔

باپ کی جہت قرابت والوں کو دو تہائی 2/3 اور ماں کی جہت قرابت والوں کو ایک تہائی 1/3 حصہ ملے گا۔تفصیل کے لئے تعلیم الفرائض اور التحقیقات المرضیہ فی المباحث الفرضیۃ ملاحظہ ہو۔

پھوپھی اور خالہ کی اولاد کا جو علیحدہ علیحدہ حصہ نکلے گا وہ قرآنی آیت للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم ہوگا۔یعنی دولڑکیوں کو ایک لڑکے کے برابر۔

زندگی میں ہی وراثت کی تقسیم

(س) کیا کوئی وارث اپنی زندگی میں ہی اپنی وراثت اپنے وارثین میں شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق تقسیم کرسکتا ہے۔(ابوعبدالرحمان علی پارک لاہور کینٹ)

(ج) اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے۔

"یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک......" (النساء:١١)

اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے دو تہائی حصہ ہے جو میت نے چھوڑا۔

اسی طرح فرمایا

"للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیباً مفروضا" (النساء:٦)

مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو والدین اور سب سے زیادہ قریبی

رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لیے بھی والدین اور سب سے زیادہ
قریبی رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے میں سے حصہ ہے تھوڑا ہو یا زیادہ' یہ
حصہ (اللہ نے ان کے لیے) مقرر کیا ہے۔

تو ان آیات بینات میں الفاظ "ماترک"، "مماترک" موجود ہیں جو کہ حقیقت میں موت کے بعد چھوڑے ہوئے مال پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح وراثت اور میراث کے الفاظ بھی اختتام زندگی پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا ان دلائل کی رو سے انسان اپنے مال کو اپنی اولاد یا دیگر رشتہ داروں میں وراثت کے طور پر تقسیم نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص اس طرح جائیداد زندگی میں بانٹ دیتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے ہاں اپنے مال میں سے کچھ حصہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو عطیہ یا ہبہ کے طور پر دے سکتا ہے۔ جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے والد ماجد انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام عطا کیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا

"أكل ولدك نحلت مثله"

کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اس جیسا غلام دیا ہے؟

انہوں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "فارجعه" اس کو واپس کر لو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تمھیں یہ بات پسند لگتی ہے کہ وہ سب تیرے ساتھ برابر نیکی کریں؟ تو انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر اجازت نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دیا۔ عمرۃ بنت رواحہ کہنے لگیں میں اس بات پر راضی نہیں یہاں تک کہ تم اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا لو تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا۔ میں نے عمرہ بنت رواحہ میں سے اپنے بیٹے کو ایک عطیہ دیا ہے اس نے مجھے امر کیا ہے کہ اے اللہ کے رسول میں اس پر آپ کو گواہ بنا لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم نے اپنے ساری اولاد کو اس جیسا عطیہ دیا ہے؟ اس نے

کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔

"فاتقوا الله واعدلوا بين اولادكم"

اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔

تو وہ واپس پلٹے اور اپنا عطیہ واپس لے لیا۔

یہ حدیث صحیح البخاری كتاب الهبة باب الهبة للولد (۲۵۸٦) اور باب الإشهاد في الهبة (۲۵۸۷) باب لا يشهد على شهادة جور (۲٦۵۰) صحيح مسلم كتاب الهبات باب كراهة تفضيل بعض الأولاد (۱٦۲۳) میں موجود ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ والد اپنی زندگی میں اپنے مال میں سے کوئی چیز اپنے اولاد کو ہبہ یا عطیہ کے طور پر دے تو سکتا ہے لیکن اس صورت میں اس پر انصاف شرط ہے اور "للذكر مثل حظ الانثيين" کا اصول پیش نظر نہیں ہوگا بلکہ لڑکے اور لڑکی کو برابر برابر دیا جائے گا کیونکہ ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کی مثل ترکہ وراثت میں سے ملے گا جو مرنے کے بعد سے متعلق ہے۔ ان دلائل صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ کوئی بھی آدمی اپنی جائیداد کو شرعاً اپنی زندگی میں اصول وراثت پر تقسیم کرنے کا مجاز نہیں ہے کیونکہ حکم کا تعلق انسان کی وفات کے بعد سے ہے۔

نافرمان اولاد کی وراثت سے محرومی

<س> ایک آدمی اپنی زندگی میں ایک بیٹے کو جائیداد کا حق نہیں دیتا وہ اس لیے کہ وہ بیٹا والدین کی خدمت نہیں کرتا برا سلوک کرتا ہے۔ اس بنا پر وہ آدمی دوسرے بیٹوں میں اپنی ساری کی ساری جائیداد تقسیم کر دیتا ہے اور ایک بیٹے کو حق نہیں دیتا۔ کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے یا غلط؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً

(حاجی محمد اقبال طیبہ زرعی کارپوریشن کیلا سکے ضلع گوجرانوالہ)

﴿ج﴾ انسان کی جائیداد جو وفات کے بعد تقسیم کی جاتی ہے اسے وراثت وترکہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو وہ اپنی زندگی میں تقسیم کرتا ہے' اسے ہبہ کہا جاتا ہے۔ وراثت سے محرومی نافرمانی کی بنا پر نہیں ہوسکتی۔ وراثت سے محرومی یا تو باپ اور بیٹے کے ادیان مختلف ہونے سے ہے جیسے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((لایتوارث اہل ملتین شیئ))

دو مختلف دینوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

(مسند احمد ۲/۱۷۸' ابوداؤد: ۲۹۱۱' ابن ماجه ۲۷۳۱' دارقطنی ٤/۷۵' ابن السکن بحواله التلخیص الحبیر: ۳/۸٤(۱۳۵۷) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ إرواء الغلیل (۱٦٦۸) ٦/۱۲۰-۱۲۱)

اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم))

مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں بنتا۔

(صحیح البخاری ٦۷٦٤' صحیح مسلم ۱/۱٦۱٤' الموطا للمالك ۲/۵۱۹' مسند الطیالسی ۱٤۳۵' مسند احمد ۵/۲۰۰' دارمی ۲/۳۷۰' ابوداؤد ۲۹۰۹' ترمذی ۲۱۰۷' ابن ماجه ۲۷۲۹' دارقطنی ٤/٦۱' بیهقی ٦/۲۱۷)

اسی طرح قاتل مقتول کا وارث نہیں بنے گا۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((لایرث القاتل شیئاً))

قاتل کسی بھی چیز کا وارث نہیں بنے گا۔

(ابوداؤد ٤۵٦٤' نسائی ۸/٤۲-٤۳)

امام ابن عبدالبر نے اس حدیث کو قوی قرار دیا ہے۔

(الروضۃ الندیہ) اور علامہ البانیؒ نے إرواء الغلیل ۱۶۷۱ میں صحیح قرار دیا ہے۔

نافرمان اولاد کو وراثت سے محروم کرنے کی کوئی دلیل راقم کے علم میں نہیں۔ یہ بات بالکل صحیح اور درست ہے کہ اولاد کو اپنے والدین کی خدمت کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے اور نافرمان اولاد کو وعظ و نصیحت اور مختلف مناسب حال احکام سے سمجھانا چاہیے۔ تاکہ اولاد نافرمانی سے باز رہے اور جو مال والا اپنی اولاد میں خود تقسیم کرے اس میں انصاف لازم ہے۔ اگر ایک یا دو بیٹوں کو کچھ مال دیا ہے تو باقی اولاد کو بھی اسی طرح دے ورنہ پہلوں سے بھی واپس لے لے۔ جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے انہیں ایک غلام دیا پھر جب معاملہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں آیا آپ نے فرمایا "أکل ولدک نحلته مثل هذا؟" کیا تم نے اس کی مثل اپنی ساری اولاد کو دیا ہے تو انہوں نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا فارجعه۔ اس کو واپس لے لو۔

(دیکھیں صحیح البخاری ۲۵۸۶، صحیح مسلم ۱۶۲۳/۹، صحیح مسلم ۱۶۲۳/۱۳ میں یہ الفاظ بھی ہیں

"اتقوا الله واعدلوا في أولادكم فرجع أبي في تلك الصدقة"

اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل سے کام کرو تو میرے باپ نے اس صدقہ سے رجوع کر لیا۔

اور صحیح البخاری (۲۵۸۷) میں صدقہ کی بجائے عطیہ کا ذکر ہے۔ اور مسند احمد ۲۶۸/۴ میں ہے آپ نے فرمایا

"لا تشهدني على جور إن لبنيك عليك من الحق أن تعدل بينهم"

تم مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ بلاشبہ تیری اولاد کا تیرے اوپر حق ہے کہ تو ان کے درمیان عدل سے کام لے۔

اس طرح مسند احمد ۲۷۵/۴، ۲۷۸، ۳۷۵ و ابوداؤد ۳۵۴۴، نسائی ۳۶۸۷ میں یوں الفاظ ہیں

"اعدلوا بين ابناء كم بين ابناء كم' اعدلوا بين ابناء كم"

تین مرتبہ آپ نے کہا تم اپنے بیٹوں کے درمیان عدل سے کام لو۔

صحیح مسلم ۱۹/۱۶۲۴ میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ بشیر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا میرے بیٹے کو ایک غلام دو اور میرے لیے رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا لو تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: بے شک فلاں کی بیٹی نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ میں اس کے بیٹے کو اپنا غلام دے دوں آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس لڑکے کے اور بھائی ہیں؟ انہوں نے کہا:

ہاں آپ ﷺ نے فرمایا:

فكلهم أعطيت مثل ما اعطيته؟

کیا جو تو نے اس کو دیا ہے اس کی مثل ان سب کو دیا ہے انہوں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا: یہ درست نہیں ہے اور میں صرف حق بات پر ہی گواہی دیتا ہوں۔

مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہو گیا ہے کہ والد اپنی زندگی میں جو عطیات و ھدایا اپنی اولاد کو دے گا وہ سب میں برابر عدل و انصاف سے تقسیم کرے گا۔ بعض اولاد کو محروم کرنا اور بعض کو دینا ظلم ہے۔ ایسے قضیے اور معاملے پر رسول اللہ ﷺ نے شہادت و گواہی نہیں دی۔ لہٰذا سائل کو یہ شرعی احکامات مدنظر رکھنے چاہئیں اور یہ بھی یاد رہے کہ ہمیں اپنی اولاد کی تربیت ابتدا سے ہی صحیح منہج پر کرنی چاہیے تا کہ وہ بڑے ہو کر والدین کے فرمان بردار بن سکیں اور والدین کو پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

کتاب الاداب

ہاتھ کے اشارے سے سلام کہنا

س: کیا ہاتھ کے اشارے سے سلام کہنا درست ہے۔ سرکاری دفاتر میں تو لوگ اپنے آفیسرز کو سلیوٹ مارتے ہیں جس میں صرف ہاتھ کے ساتھ اشارہ ہی ہوتا ہے زبان سے کلمات بھی ادا نہیں ہوتے کیا یہ یہود و نصاری کی عادات میں سے نہیں ہے؟

(ایک سائل بہاولنگر)

ج: دوران ملاقات ہمیں ایک دوسرے کو سلام کہنا چاہئے تا کہ ہماری محبت میں اضافہ ہو اسی طرح سلام کے ساتھ مصافحہ کرنا بھی مسنون ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَعْبُدُو الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوْ الطَّعَامَ، وَاَفْشُو السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجِنَانَ))

(الأدب المفرد باب افشاء السلام (1010) مطبوعه مکتبه رحمانیه لاهور)

''رحمان کی عبادت کرو اور (مساکین کو) کھانا کھلاؤ، اور سلام کو عام کر دو تم جنتوں میں داخل ہو جاؤ گے۔''

ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا تَحَابُّوْنَ بِهٖ؟ قَالُوْ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اَفْشُو السَّلَامَ بَيْنَكُمْ))

(الادب المفرد باب إفشاء اسلام (1009) صحيح مسلم كتاب الايمان (93)

''تم اتنی دیر تک جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک ایمان نہیں لاؤ گے اور تم ایمان نہیں لاؤ گے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت کرنے لگو کیا میں تمہاری رہنمائی ایسے کام پر نہ کروں کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو انہوں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول آپ ﷺ نے فرمایا: آپس میں

سلام کو پھیلا دو۔“

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ ہمیں آپس میں سلام کو عام کرنے کا حکم ہے اور یہ ہماری محبت کا ذریعہ ہے لیکن صرف ہاتھ کے اشارے کے ساتھ سلام کرنا درست نہیں یہ یہود ونصاریٰ کا فعل ہے جس سے ہمیں روکا گیا ہے اور مختلف محکموں میں جو سیلوٹ کا طریقہ کار رائج ہے یہ بھی انہیں کی تقلید کا نتیجہ ہے مسلمان حکمرانوں اور عامۃ الناس کے لیے درست نہیں۔

”جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:“

((لَا تُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى فَإِنَّ تَسْلِيْمَهُمْ بِالْأَكُفِّ وَالرُّؤُسِ وَالْإِشَارَةِ))

(السنن الکبری للنسائی 92/2(10172)عمل الیوم واللیلۃ (340)سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (1783)

یہود ونصاریٰ کے سلام کی طرح سلام نہ کرو بے شک ان کا سلام ہتھیلیوں سروں اور اشارہ سے ہوتا ہے اس کا ایک شاھد عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے المعجم الاوسط للطبرانی 184/8`185 (7376) میں موجود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری 19/11 میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے یہ حدیث مختلف شواھد کی وجہ سے حسن ہے اور ترمذی کتاب الاستئذان باب ما جاء فی کراھیۃ اشارہ الید بالسلام (2695) میں موجود ہے۔

عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں:

”کَانُوا یکرَھُوْنَ التَّسْلِيْمَ بِالْيَدِ“

(الادب المفرد باب من سلم اشارۃ (1035)

سلف صالحین ہاتھ کے ساتھ سلام کو ناپسند کرتے تھے پس معلوم ہوا کہ ہمیں سلام کے کلمات مسنونہ ادا کرنے چاہیئے ۔صرف ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرنا یا سر ھلانا یا ہتھیلی کے

ساتھ سلام نہیں کرنا چاہئے۔
یہ یہود ونصاریٰ کا طریقہ ہے سلف صالحین اسے پسند نہیں کرتے تھے البتہ حالت نماز میں کوئی سلام کہہ دے یا دور سے کوئی سلام کہے جو سنا نہ جاسکتا ہو تو سلام کے الفاظ کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ویستثنی من ذلك حالة الصلاة فقد وردت احادیث جیدة أنه ﷺ رد السلام وهو یصلی اشارة منها حدیث أبی سعید أن رجلا سلم علی النبی صلی الله علیه وسلم وهو یصلی فرد علیه اشارة ومن حدیث ابن مسعود نحوه وكذا من كان بعیدا بحیث لا یسمع التسلیم یجوز السلام علیه اشارة ویتلفظ مع ذلك بالسلام))(فتح الباری 19/11)

"ہاتھ کے اشارے سے نماز کی حالت میں سلام مستثنیٰ ہے اس لیے کہ جید اور عمدہ حدیثیں مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے حالت نماز میں اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دیا ہے ان میں سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ کو حالت نماز میں ایک آدمی نے سلام کہا آپ نے اشارے سے اس کا جواب دیا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس طرح ہے اسی طرح جو شخص دور ہو سلام کی آواز نہ سنتا ہو اس کو بھی اشارے کے ساتھ سلام کہنا جائز ہے اور اس کے ساتھ سلام کے الفاظ بھی ادا کرے۔" ھذا ما عندی اللہ اعلم بالصواب

عورت کا خاوند کی مرضی کے بغیر ذاتی مال خرچ کرنا

(س) کیا عورت اپنا ذاتی مال خاوند کی مرضی کے بغیر خرچ کر سکتی ہے۔اگر عورت اپنا ذاتی مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہے تو کیا خاوند سے اجازت لے اسی طرح اگر عورت

برائی کے کاموں میں مال صرف کرے تو کیا خاوند اسے منع کر سکتا ہے؟

(نیاز۔ملتان)

ج اللہ تبارک وتعالی نے مرد کو عورت پر حکمران بنایا ہے تا کہ اس کے معاملات کی صحیح نگرانی کرے اور اس کو پیش آنے والے مصائب میں اس کی حفاظت کا موجب بنے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ﴾......(النساء:34)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔اس آیت کریمہ میں مرد کی حاکمیت وقوامیت کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے ایک فضیلت وہی ہے جو مردانہ قوت ودماغی صلاحیت پر مبنی ہے جس میں مرد کو عورت سے خلقی طور پر ممتاز بنایا گیا ہے۔

اسی طرح مجموعی لحاظ سے مرد کو عورت پر فضیلت دیتے ہوئے مرد کی گواہی مکمل اور عورت کی ادھوری رکھی گئی ہے۔ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتیں گواہی دیتی ہیں اور رسول کریم ﷺ نے اسے عورت کے عقل کا نقصان قرار دیا ہے۔

بہر کیف شریعت نے مرد کو عورت پر حکمران بنایا ہے اور اس کی حکمرانی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کو شرع کا پابند رکھے اور جو امور حکمت ومصالح پر مبنی ہوں ان پر عورت کی توجہ کو مرکوز رکھے مرد کو جو عورت پر حقوق عطا کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت کے پاس اگر اپنا ذاتی مال ہو تو وہ اسے خرچ کرتے وقت خاوند سے مشورہ کرے اور اجازت لے کر نیکی کے کاموں میں مال خرچ کرے۔

۱۔عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَایَجُوْزُ لِاِمْرَأَةٍ اَمْرٌفِی مَالِهَا اِذَا مَلَكَ زَوْجُهَا عِصْمَتَهَا"

(ابو داود کتاب الاجارة باب عطية المرأة بغير اذن زوجها (3546)سنن النسائی کتاب العمری باب عطية المرأة بغير اذن زوجها (3765)بیهقی 60/6مستدرك حاكم 47/2مسنداحمد 221/2ابن ماجه (2388)

''عورت کا کوئی اختیار اپنے مال میں جائز نہیں جب خاوند اس کی عصمت کا مالک بن گیا۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

''لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ فِيْ خُطْبَتِهِ لَا يَجُوْزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا''

(سنن النسائی کتاب العمری باب عطية المراة بغير اذن زوجها (3766)وكتاب الزكاة باب عطية المراة بغير اذن زوجها (2539)ابو داود کتاب الاجارة باب فی عطية المرأة بغير اذن زوجها (3547)مسند احمد 207/6بیهقی 60/2شرح السنة 317/4سلسلة الصحيحة (825)

''جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا: عورت کے لئے خاوند کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں۔''

خاوند کی اجازت کے متعلق امام نووی فرماتے ہیں: اجازت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ خرچہ اور صدقہ وخیرات میں صریح اجازت

۲۔ ایسی اجازت جو عرف سے سمجھی جائے جیسے سائل کو روٹی وغیرہ کا ٹکڑا دینا جیسا کہ عام طور پر گھروں میں معروف ہوتا ہے اور خاوند کی رضا اور روزمرہ کے معاملات کی وجہ سے معروف ہوتی ہے ایسے خرچ پر خاوند نہیں بولتا اور سمع ودرگزر میں وہ عام لوگوں کی طرح ہے تو اجازت صریح کی ضرورت نہیں اور اگر خاوند کی رضامندی مشکوک ہو یا اس کا بخل معلوم ہو تو عورت کے لئے خاوند کے مال سے اس کی رضامندی حاصل کئے بغیر صدقہ وغیرہ دینا جائز

نہیں اس میں صریح اجازت کی ضرورت ہے۔

(ملخص از حاشیہ سندھی علی النسائی 5/69'70)

اہل علم کے ہاں یہ بات مختلف فیہ ہے کہ وہ عورت جو رشد و ہدایت والی ہو اور سمجھ بوجھ رکھتی ہو کیا اسے اپنے جمیع مال میں تصرف کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام ابن منذر اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ اسے اپنے مال میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اسے ثلث سے زائد مال خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کرنا چاہیے۔

اور بعض اہل علم جیسے امام طاؤس لیث اور علامہ البانی وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ عورت کو اپنے خاص مال میں تصرف کرنے کے لئے خاوند کی اجازت حاصل کرنی چاہئے اس میں خاوند کی حاکمیت جو اللہ تعالی نے اسے عورت پر عطا کی ہے پوری ہوتی ہے۔ لیکن خاوند کے لئے یہ جائز نہیں جب وہ سچا مسلمان ہو کہ اس حکم میں خیانت کرے اور عورت پر جبر سے کام لے اور اسے اس کے ذاتی مال میں وہاں تصرف کرنے سے روکے جہاں ان دونوں کا کوئی نقصان نہیں اور یہ حق لڑکی کے ولی کے حق کے ساتھ کس قدر مشابہت رکھتا ہے کہ لڑکی کو جائز نہیں کہ وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے جب ولی لڑکی کے لئے نکاح میں رکاوٹ ڈالے تو معاملہ شرعی قاضی کی طرف منتقل کیا جائے گا تا کہ وہ انصاف کرے اسی طرح عورت کے مال کا حکم ہے جب خاوند اس پر ظلم و جبر کرے اور اسے جائز تصرف سے روکے تو قاضی اس کے لئے انصاف مہیا کرے گا۔ (سلسلہ صحیحہ للشیخ البانی 2/420)

جمہور ائمہ نے قرآن حکیم کی اس آیت سے دلیل لی ہے کہ عورت کے اندر اگر سوچ و سمجھ اور مال کے تصرف کرنے میں رشد و ہدایت موجود ہو تو اسے اپنا مال صرف کرنے کا حق حاصل ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ﴾(النساء:6)

"اگر تم ان میں رشد پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔"

اس آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ یتیم بچے بچیاں جن کے کفیل تم بنائے گئے ہو جب وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان میں جب مال خرچ کرنے کے متعلق تم رشد و ہدایت دیکھو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔اس آیت میں رشد کے بعد مطلق طور پر ان کے مال ان کے سپرد کرنے کا کہا جا رہا ہے لہٰذا عورت اصلا اس بات کی مجاز ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کر سکتی ہے۔اس طرح انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صدقہ کے متعلق سوال کیا کہ کیا ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے خاوند پر صدقہ کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔(بخاری وغیرہ)

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اجازت دی اور یہ شرط ذکر نہیں کی۔اس لئے کہ جس فرد کی طرف اس کا مال رشد کی وجہ سے لوٹانا واجب ہے۔اس کے لئے اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز ہے۔مزید دیکھیں۔(المغنی لابن قدامہ 604/6)

بہرکیف یہ دلائل عام ہیں اور ان میں خاوند کی اجازت کا ذکر نہیں اور یہ بات معلوم و معروف ہے کہ عدم ذکر سے نفی ثابت نہیں ہوتی اور اس عموم کی تخصیص اوپر ذکر کردہ احادیث سے ہو جاتی ہے کہ عورت کو مال صرف کرتے وقت عطیہ' صدقہ و خیرات کرتے وقت خاوند کی اجازت حاصل کر لینی چاہیے جہاں خاوند رکاوٹ کا باعث ہو یا معلوم ہو کہ وہ اس بات پر ناراض ہے اور اگر عرف عام کے مطابق عورت صدقہ و خیرات کرتی ہے اور خاوند کو بھی معلوم ہے اور وہ منع نہیں کرتا تو یہ بھی اس کی طرف سے اجازت ہے۔

صحابیات کے صدقہ و خیرات کے جو واقعات ہیں جن میں اجازت کا ذکر نہیں شاید وہ اسی وجہ سے ہیں کہ صحابہ کرام بھی صدقہ و خیرات پسند کرتے تھے اور ان کی طرح ان کی

ازواج بھی نیک اور دیندار تھیں وہ انہیں صدقہ وخیرات سے منع نہیں کرتے ہوں گے۔

اور عورت کو اگر خاوند نیکی کے کاموں میں اس کا ذاتی مال صرف کرنے سے منع کرے تو قاضی کی طرف معاملہ پہنچایا جائے تا کہ وہ انصاف کرے جیسا کہ عورت کے نکاح میں رکاوٹ ہو تو عورت کی رضا حاصل کئے بغیر نکاح نہیں کرنا چاہئے اور مسلمان حکمرن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اگر عورت مال کو تباہ و برباد کرتی ہو تو خاوند کو روکنے کا پورا پورا حق ہے کیونکہ وہ عورت کا حکمران اور راعی ہے اور راعی کا حق ہے کہ وہ اپنی رعایا میں شرعی امور کا نفاذ کرے جیسا کہ حدیث:

"کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ" سے واضح ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

السلام علیکم کہنا

س: موجودہ دور میں کئی لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو السلام علیکم کی بجائے "کی حال اے" وغیرہ کہتے ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسی طرح سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دینا کیسا ہے؟ علاوہ ازیں عورتیں بڑے بڑے ناخن رکھتی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ (محمد عباس، پسرور)

ج: اسلام باہمی اخوت و مروت کا دین ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿انما المومنون اخوۃ﴾

"ایمان والے بھائی بھائی ہیں۔"

ان کی باہمی محبت کو قائم رکھنے کے لئے اسلام نے بہت سارے احکام و آداب بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو "السلام علیکم" کہیں۔ یہ مسلمانوں کے ذمے مسلمانوں کا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ وَإِذَا عَطِسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ))

(صحیح مسلم کتاب السلام باب من حق المسلم للمسلم رد السلام (2162/5)

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں جب تو اس سے ملے تو سلام کہہ اور جب وہ تجھے دعوت دے تو قبول کر' اور جب تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کر' اور جب اسے چھینک آئے وہ اللہ کی حمد کرے تو اسے ''یرحمک اللہ'' کہہ اور جب وہ مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کر' جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ ملاقات کے وقت سلام کہنے کا حکم ہے اگر دوسرا بھائی سلام میں پہل کر جائے تو اس کا جواب کم از کم ''وعلیکم السلام کے الفاظ کے ساتھ دینا چاہئے اور کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جب کوئی سلام کہے تو اس سے بہتر جواب دیں جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾(النساء:86)

''اور جب تمہیں سلام کہا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہیں الفاظ کو لوٹا دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا:

(السلام علیک یارسول اللہ)

تو آپ نے فرمایا:

(وعلیک السلام ورحمۃ اللہ)

پھر ایک اور آیا اس نے کہا:

(السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ)

آپ نے اسے کہا:

(وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

پھر ایک اور آیا اس نے کہا:

(اسلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

آپ نے اسے کہا:

(وعلیک)

اس آدمی نے آپ سے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کے پاس فلاں فلاں آیا انہوں نے سلام کہا آپ نے ان کے جواب میں زیادہ کلمات کہے اس کی نسبت جو آپ نے مجھے جواب دیا ہے۔

آپ نے ﷺ نے فرمایا تم نے ہمارے لئے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا ﴾

"ہم نے تجھ پر اسے لوٹا دیا ہے۔"

یہ روایت نقل کرنے کے بعد امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"وَفِي هٰذَا الْحَدِيْثِ دَلَالَةٌ عَلَى اَنَّهُ لَا زِيَادَةَ فِي السَّلَامِ عَلَى هٰذِهِ الصِّفَةِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اِذَا لَوْ شَرَعَ اَكْثَرَ مِنْ تِلْكَ لَزَادَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "(تفسیر ابن کثیر :583/1)

"اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ سلام کہنے میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وبرکاتہ سے زیادہ کلمات نہیں کہنے چاہئے۔اگر یہ اس سے زائد کلمات مشروع ہوتے تو رسول اللہ ﷺ زیادہ کردیتے۔"

اس مسئلہ کی تائید عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جو ترمذی ابوداؤد اور مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے۔ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہمیں زبان کے ساتھ ملاقات کے وقت سلام کے کلمات کہنے چاہئیں۔

سلام کی جگہ "کی حال اے"(Good Morning) وغیرہ کہنا صحیح نہیں۔سلام کے کلمات کہنے کے بعد اگر "کی حال اے" یا دوسرے کلمات سے حال وغیرہ معلوم کرلیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

سلام کا جواب محض ہاتھ کے اشارے سے دینا بھی درست نہیں سلام کا جواب دینے کے لئے کلمات ہی کہنے چاہئے جیسا کہ مذکورہ احادیث سے واضح ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص دور ہو تو سلام کے ساتھ اگر اشارہ بھی کیا جائے تا کہ اسے معلوم ہو جائے کے مجھے سلام کہا جارہا ہے تو اس کی گنجائش موجود ہے اور امام بخاری نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں اس معنی کے کئی ایک آثار نقل کئے ہیں البتہ حالت نماز میں کوئی سلام کہہ دے تو اس کا جواب زبان سے نہیں بلکہ ہاتھ کے اشارے سے دے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ لوگ نبی ﷺ کو نماز کی حالت میں سلام کہتے تھے؟ تو آپ کس طرح جواب دیتے تھے۔فرمایا آپ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔"

(سنن الترمذی باب ماجاء فی الاشارۃ فی الصلاۃ ابن ماجہ)

ہاتھ کے ساتھ صرف اشارہ یا فقط سر ہلانا یہ یہود و نصاری کا طریقہ جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

(فتح الباری عمل الیوم واللیلۃ وغیرھما)

کافر کی طرف سے عطیہ قبول کرنا

س کیا کسی مشرک و کافر کی طرف سے دیا گیا عطیہ قبول کرنا جائز ہے اسی طرح کسی کافر ومشرک کو عطیہ دیا بھی جا سکتا ہے۔ (قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں؟

(ایک سائل۔لاہور)

ج اگر کوئی کافر ومشرک کسی مسلمان کو ھدیہ یا عطیہ دے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے۔ ایک بات کا لحاظ رکھا جائے کہ وہ چیز اسلام میں استعمال کرنا جائز ودرست ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی کفار کی جانب سے بھیجے گئے ہدایا وتحائف قبول کئے ہیں امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح البخاری کتاب الھبۃ میں باب قبول الھدیۃ من المشرکین منعقد کر کے اس کا جواز ثابت کیا ہے اور درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

(۱) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کے پاس زہر آلود بکری کا گوشت لائی آپ نے اس میں سے کچھ کھایا پھر جب اس عورت کو لایا گیا تو اس نے زہر ڈالنے کا اقرار کیا تو کہا گیا کیوں نہ ہم اسے قتل کر دیں؟ آپ نے فرمایا نہیں انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس زہر کا اثر میں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے تالو میں محسوس کیا۔(صحیح البخاری کتاب الھبة (٢٦١٧)

(۲) مکہ سے مصر جاتے ہوئے سمندر کے کنارے ایلہ نامی ایک بندرگاہ تھی وہاں کے عیسائی حاکم کا نام یوحنا بن ادبہ تھا۔ تو اس حاکم نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سفید خچر اور ایک چادر ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی اور نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف لکھ بھیجا کہ وہ اپنی قوم کے حاکم کی حیثیت سے باقی رہے کیونکہ اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا تھا۔

ملاحظہ ہو:(صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ١٤٨١'مسند الدارمی ٢٥٣٧)

(۳) انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ایک ریشم کا ایک جبہ ہدیہ دیا گیا یہ جبہ دومہ (جو تبوک کے نزدیک ایک مقام ہے) کے ایک عیسائی نے آپ

کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔(صحیح البخاری ٢٦١٥،٢٦١٦)

اور عیاض بن حمار سے جو روایت آئی ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو ایک اونٹنی ہدیہ کی تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اسلام قبول کیا ہے اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا مجھے مشرکین سے ہدیہ لینے سے منع کیا گیا ہے۔

(ابو داود ٣٠٥٧ ترمذی ١٥٧٧ مسند طیالسی ١٠٨٣ المنتقی لابن الجارود ١١١٠ ابن خزیمه بحواله فتح الباری ٥/٢٣١)

یہ قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے۔اسی طرح موسیٰ بن عقبہ نے کتاب المغازی میں جو روایت بیان کی ہے کہ عامر بن مالک مشرک رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے آپ کو ہدیہ پیش کیا آپ ﷺ نے فرمایا: میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے بعض نے اسے زہری سے موصول بھی بیان کی ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔

(فتح الباری ٥/٢٣٠ تحفة الاحوذی ٥/١٨٨)

مزید تفصیل کے لئے تحفۃ الاحوذی اور فتح الباری جیسی کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

اب رہا کافر و مشرک کو ہدیہ دینا اس کے جواز کیلئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ الممتحنۃ کی آیت نمبر ٨ سے استدلال کیا ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ﴾

”جو لوگ تم سے دین کے متعلق لڑتے نہیں اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے معاملہ میں انصاف سے تمہیں نہیں روکتا۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ قتال نہیں کیا اور نہ ہی انہیں ان کے گھروں سے نکالا ہے ان کے ساتھ دنیاوی اخلاق اور سلوک منع نہیں ہے پھر یہ بھی یاد رہے کہ بروصلہ اور نیکی و احسان سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار کو دلی دوست بنالیا جائے اور ان کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانی شروع کر دی جائیں کیونکہ کفار کو دلی دوست بنانا منع ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ﴾(آل عمران: ١١٨)

''اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والو کے علاوہ کسی کو نہ بناؤ۔ کفار تمہاری تباہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے وہ تو چاہتے ہیں کہ تم مصیبت میں مبتلا رہو۔ ان کی دشمنی تو ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی بڑی ہے ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کر دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔''

امام بخاری نے باب الھدیۃ للمشرکین (۲۶۱۹) میں عمر رضی اللہ عنہ کو جو رسول اللہ ﷺ نے جبہ دیا تھا پھر عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے ایک کافر عثمان بن حکیم کو وہ جبہ ہدیہ دے دیا۔ ذکر کر کے استدلال کیا ہے کہ مشرک کو ہدیہ بھی دے سکتے ہیں۔

(بخاری مع فتح الباری :۲۳۲/۵،۲۳۳)

بہرکیف دنیاوی اخلاق وسلوک کے تحت مشرک کو ہدیہ دیا بھی جا سکتا ہے اور اس سے قبول بھی کیا جا سکتا ہے ممانعت والی روایات قابل حجت نہیں ہیں البتہ ان ہدایا و تحائف کی وجہ سے ان سے دلی دوستی اور محبت و مودت قائم نہیں کرنی چاہئے کیونکہ مسلمان کیلئے دوستی و

دشمنی کا معیار اسلام ہے۔ واللہ اعلم

قیامت کے دن کے نام سے پکارا جائے گا

﴿س﴾ قیامت کے دن میدان محشر میں کس کے نام سے انسان کو پکارا جائے گا؟ ماں کے نام سے یا باپ کے نام سے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

(ام اسامہ: لاہور کینٹ)

﴿ج﴾ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْغَادِرُ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ))

"عہد توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا اٹھایا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بن فلاں کی دغابازی ہے۔"

(صحیح بخاری کتاب الادب: ٦١٧٧، ٦١٧٨ ـ مسلم، ابو داؤد وغیرھا)

امام بخاری نے اس حدیث پر یوں باب قائم کیا ہے:

((باب یدعی الناس بآبائهم))

"یعنی لوگوں کو ان کے باپوں کے نام سے قیامت کے دن پکارا جائے گا۔"

اس حدیث کے ان الفاظ "فلاں بن فلاں کی دغابازی ہے۔" سے امام بخاری نے یہ اخذ کیا ہے کہ قیامت والے دن آدمی کو باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔ ماں کے نام سے نہیں کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ یہ فلاں بن فلانہ کی دغابازی ہے۔ امام ابن بطال فرماتے ہیں نبی ﷺ کے اس فرمان میں ایسے لوگوں کا رد ہے جو سمجھتے ہیں کہ قیامت والے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے ہی پکارا جائے گا۔ اس لئے کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ ڈالا جائے گا۔ یہ حدیث ان کے قول کے خلاف ہے۔

(شرح صحیح البخاری ٩/٣٣٥)

اور جو روایات ماؤں کے نام سے پکارنے پر دلالت کرتی ہیں وہ انتہائی ضعیف اور منکر

ہیں۔ملاحظہ ہو۔(فتح الباری ۱۰/ ۵۶۳)

ایک حدیث کی تصحیح

س: کیا یہ حدیث درست ہے کہ آپ نے سیدہ عائشہ یا کسی اور ام المومنین سے یہ فرمایا کہ آپ کی وفات کے بعد سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم کے گھر میں بغیر حجاب کے رہ سکتی ہیں۔اگر یہ بات درست ہے تو انہی مذکور صحابی کے متعلق حدیث ہے کہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پردہ نہ کیا تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ وہ دیکھ نہیں سکتے۔آپ ﷺ تو دیکھ سکتی ہیں۔(ام اسامہ لاہور کینٹ)

ج: ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس تھی اور آپ کے پاس میمونہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں تو عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور یہ معاملہ ہمیں حجاب کا حکم ملنے کے بعد کا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم دونوں اس سے حجاب کرو ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ نابینا نہیں نہ ہمیں دیکھتا ہے اور نہ ہی پہچانتا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں اندھی ہو؟ کیا تم اسے نہیں دیکھتیں؟

(سنن ابی داؤد کتاب اللباس ﷺ ۴۱۱۲)مسند احمد۶/۲۹۶ ترمذی(۲۷۷۸)

یہ روایت نبہان مولی ام سلمہ کی وجہ سے حسن ہے۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوعمر بن حفص رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق بتہ دی (یعنی تیسری طلاق جس کے بعد خاوند بیوی کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے) اور وہ غائب تھا (یمن کی طرف چلے گئے تھے) اس نے فاطمہ کی طرف اپنے وکیل کو بھیجا وہ ناراض ہوگئیں اس نے کہا اللہ کی قسم! تیرا ہمارے اوپر کوئی حق نہیں تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ سے یہ بات ذکر کی آپ نے فرمایا: تیرے لئے اس کے ذمہ کوئی نفقہ وخرچہ نہیں۔

آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گزارے پھر فرمایا: یہ عورت ہے

میرا صحابی اس کے پاس آئے گا۔ تم عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں عدت گزار لو۔ وہ نابینا آدمی ہے۔ تم وہاں اپنے کپڑے اتار سکو گی جب تیری عدت پوری ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا کہتی ہیں جب میں نے عدت پوری کر لی میں نے آپ سے تذکرہ کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے مجھے پیغام نکاح دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ابوجہم تو اپنے کندھے سے اپنی لاٹھی نہیں اتارتا اور معاویہ فقیر آدمی ہے۔ اس کے پاس مال نہیں۔ تو اسامہ بن زید سے نکاح کر لے۔ کہتی ہیں، میں نے اسے ناپسند کیا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تو اسامہ کے ساتھ نکاح کر لے، میں نے اس سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں خیر و برکت ڈال دی اور اس پر میرے ساتھ رشک کیا جانے لگا۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق (١٤٨٠) ابو داؤد (٢٢٨٤) نسائی ٣٢٤٤)

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ نابینے سے حجاب کا جس حدیث میں حکم ہے وہ ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے اور یہ نبی ﷺ کے عہد کا واقعہ ہے۔

نابینے کے ہاں عدت گزارنے کا مسئلہ فاطمہ بنت قیس صحابیہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ وہ ام المومنین نہیں ہیں اب رہا نابینے سے عورت کے حجاب کا مسئلہ تو امام ابوداؤد ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ نابینے سے حجاب کا مسئلہ ازواج النبی ﷺ کے ہاں خاص ہے۔ کیا تم عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں فاطمہ بنت قیس کی عدت گزارنے کی طرف نہیں دیکھتے کہ نبی ﷺ نے فاطمہ بنت قیس سے کہا' تو عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں عدت گزار لے وہ نابینا آدمی ہے۔ تم اس کے ہاں اپنا لباس اتار سکو گی"

(ابو داؤد حدیث (٤١١٢)

گویا امام ابوداؤد کے ہاں نابینے سے حجاب ازواج النبی ﷺ کے ساتھ خاص تھا اور عام عورتوں کے لئے اس کی رخصت ہے علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری فرماتے ہیں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا مطلق

طور پر حرام ہے اور بعض صورتیں خاص ہیں جیسے عورت پر فتنے کا خوف ہوتا کہ اس حدیث اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حبشیوں کا کھیل دیکھنے والی حدیث کے درمیان تطبیق ہو جائے اور جنہوں نے مطلق طور پر حرام کہا ہے وہ کہتے ہین کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ حجاب کی آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ عورت کا مرد کی طرف ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے بلا شہوت دیکھنا جائز ہے اور یہ حدیث ورع وتقویٰ پر محمول ہے۔(تحفة الاحوذی :۸/۶۵)

گویا مولانا مبارکپوری کے ہاں ورع وتقویٰ تو اس میں ہے کہ عورت اجنبی مرد کی طرف دیکھنے سے اجتناب کرے اور نابینے سے بھی حجاب اختیار کرے اور اسے نہ دیکھے اگر چہ شہوت کے بغیر عورت اجنبی کی طرف نظر کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم

عیسائیوں کے ساتھ سلام

﴿س﴾ ہمارے ساتھ عیسائی لڑکے پڑھتے ہیں ہم ان کے ساتھ سلام بھی لیتے ہیں۔ ہمیں بتائیں کہ ان کے ساتھ سلام لینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر نماز پڑھتے وقت ذہن میں کوئی برا یا غلط خیال آ جائے تو کیا نماز ٹوٹتی ہے یا نہیں؟ اگر نماز ٹوٹ جاتی ہے تو ہمیں بتائیں کہ ہم کیا کریں؟ (ابوعبدالرحمٰن: کسووال)

﴿ج﴾ سلام اسلامی آداب میں سے ایک اہم ترین ادب ہے اور یہ ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے حق میں بہترین دعا ہے اس کی تاکید شریعت اسلامیہ میں بہت زیادہ ہے اسے حقوق ستہ میں ذکر کیا گیا ہے اور سلام کہنے میں ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم ہوتی ہے اور عزت وتکریم کے لائق اہل اسلام ہیں۔ کفار نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

(المنافقون:۸)

''اور عزت اللہ کے لیے' اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔''

یہودی اور عیسائی عزت والے نہیں ذلیل ہیں ان کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾(التوبة :٢٩)

''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں جانتے نہ دین حق قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ ذلیل وخوار لوگ ہیں ان کی عزت و تکریم نہیں کرنی چاہیے اسی ذلت اور خواری کا احساس دلانے کے لئے انہیں سلام میں پہل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور انہیں تنگ راستے کی طرف مجبور کر دینے کا حکم دیا گیا ہے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَلاَ تَبْدَءُ وا الْيَهُوْدَ وَلاَ النَّصَارٰى بِالسَّلاَمِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ))

''یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کہنے میں پہل نہ کرو اور جب تم ان میں سے کسی کو راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو۔''

(صحیح مسلم کتاب السلام باب لا تبدؤا الیھود والنصاری بالسلام ١٣/ ٢١٦٧ ابو داود کتاب الادب باب فی السلام علی اھل الذمة ٥٢٠٥ ترمذی کتاب الاستئذان

۱٦٠٢'۲۷۰۰مسند احمد ۲/۲٦٦عبد الرزاق ١٩٤٥٧ سلسله صحيحه ٧٠٤)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی کی تکریم نہیں ہے انہیں سلام میں ابتداء نہیں کرنی چاہئے اور اگر راستے میں مل جائیں تو انہیں تنگ راستے کی طرف گزرنے پر مجبور کر دیا جائے تا کہ وہ ذلیل وخوار ہوں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ راستے میں اگر ان سے ملاقات ہو تو پھر سلام میں پہل نہیں کرنی چاہئے اور اگر وہ گھر یا دوکان وغیرہ پر ہوں تو پھر ممانعت نہیں ہے یہ تاویل فاسد ہے سہیل بن ابی صالح کہتے ہیں میں اپنے باپ کے ساتھ شام کی طرف نکلا شام والے گرجا گھروں میں رہنے والوں کے پاس سے گزرتے تو ان پر سلام کہتے۔ میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا میں نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ:

((لَا تَبْدَءُ وهُمْ بِالسَّلَامِ وَاضْطَرُّوهُمْ اِلَى اَضْيَقِهِ))

''انہیں سلام کہنے میں پہل نہ کرو اور انہیں تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو۔''

(مسند احمد ٨/٣٥٠ تحقيق احمد شاكر)

اس حدیث کے راوی ابو صالح ذکوان ثقہ تابعی ہیں انہوں نے اس حدیث کو پیش کر کے واضح کر دیا ہے کہ یہ نہی کتابی کو شامل ہے خواہ وہ اپنے گھر میں ہی کیوں نہ ہو۔

ابو عثمان النھدی کہتے ہیں: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خط میں ایک راہب کو سلام لکھا تو انہیں کہا گیا:

''اَتُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَهُوَ كَافِرٌ؟''

''کیا تم اس کافر کو سلام کہتے ہو۔'' تو انہوں نے جواب دیا:

'' اَنَّهُ كَتَبَ اِلَيَّ فَسَلَّمَ عَلَيَّ وَرَدَدْتُ عَلَيْهِ ''

''اس نے مجھے خط لکھا اور سلام کہا۔'' میں نے اس کا جواب دیا ہے۔''

(الادب المفرد باب اذا كتب الذمى فسلم يرد عليه ١١٠١)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون میں یہ بات معروف تھی کہ اہل کتاب کو

سلام کہنے میں پہل نہیں کی جاتی تھی خواہ وہ گھر میں ہوتا یا راستے میں تبھی تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ پر نکیر کی گئی اور ابو موسیٰ نے اسے برقرار رکھا۔ اس پر انکار نہیں کیا بلکہ عذر پیش کیا گیا کہ اس راہب نے مجھے اپنے خط میں سلام لکھا تھا میں نے اس کا جواب دیا ہے نبی کریم ﷺ نے جب ہرقل کو خط لکھا تھا تو اس میں اسے سلام لکھنے میں پہل نہیں کی بلکہ یوں لکھا:

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى))

(صحيح بخاری كتاب بدء الوحی ۷ صحيح مسلم كتاب الجهاد والسير ۱۷۷۴ الادب المفرد باب كيف يكتب الى اهل الكتاب ۱۱۰۰۹)

''اگر آپ ﷺ کی یہود و نصاریٰ کو سلام کی ممانعت صرف راستے کے ساتھ خاص ہوتی تو آپ ﷺ ہرقل کو سلام کہنے میں ابتدا کرتے۔ آپ کے عمل سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ سلام کہنے کی یہ ممانعت یہود و نصاریٰ کو ہر مقام پر شامل ہے۔''

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ نے یہودی لڑکے کی عیادت کی تو اسے کہا اسلم۔ اسلام لا۔ (صحيح بخاری كتاب الجنائز: ۱۳۵۶ وغيره)

البتہ یہود و نصاریٰ کو یہ کہہ سکتے ہیں کیا حال ہے تم نے صبح کیسے کی وغیرہ جیسا کہ علقمہ تابعی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک قریہ کے رئیس کو اشارے سے سلام کہا امام بخاری نے الادب المفرد ۲/ ۶۲۰ میں اس اثر پر یہ باب قائم کیا ہے باب من سلم علی الذمی اشارة یعنی اس بات کا بیان کہ جس نے ذمی کو اشارے سے سلام کہا۔''

معلوم ہوا کہ زبان سے السلام علیکم جیسے پیارے الفاظ سے یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل کرنے کی ممانعت ہے۔ البتہ اشارہ جو مسلمانوں کا خاص سلام نہیں ہے یا حال احوال دریافت کرنے کی ممانعت نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر آپ کو عیسائی یا یہودی وغیرہ کفار سلام میں پہل کریں تو آپ انہیں اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"

((اِنَّ الْیَهُوْدَ اِذَا سَلَّمَ عَلَیْکُمْ اَحَدُهُمْ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ السَّامُ عَلَیْکُمْ فَقُوْلُوْا وَعَلَیْکُمْ))

(ابو داؤد کتاب الادب ٥٢٠٦ بخاری کتاب الاستئذان ٦٢٥٧ مسلم ٢١٦٤/٨)

''بلاشبہ یہود میں سے جب کوئی تمہیں سلام کہتا ہے تو وہ کہتا ہے السام علیکم۔ تم پر موت واقع ہو۔ تو تم کہو علیکم اور تم پر بھی۔''

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نبی ﷺ کے پاس سے گزرا تو اس نے کہا السام علیکم تو آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو سلام لوٹایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے السام علیکم کہا ہے وہ یہودی پکڑا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا' آپ نے فرمایا: جو اس نے کہا وہ اس پر لوٹا دو۔ (الادب المفرد ٦٢٠/٢ (١١٠٥) ارواء الغلیل (١٢٧٦)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودی و عیسائی جو کلمہ کہے وہی اس پر لوٹاتے ہوئے وعلیکم کہہ دیں اگر اس نے السام علیکم کہا ہو گا تو خود اس کا مستحق ٹھہرے گا اور اگر دعائیہ کلمہ کہا ہو گا تو پھر اسے بھی دعا مل جائے گی اگر صاف معلوم ہو کہ اس نے السلام علیکم کہا ہے تو اس کے جواب میں اگر کسی نے وعلیکم السلام کہہ دیا تو یہ بھی جائز ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا ﴾

''جب تمہیں تحفہ (سلام) پیش کیا جائے تو اس سے بہتر جواب دو یا وہی لوٹا دو۔''

یہ آیت کریمہ اپنے عموم کی بنا پر غیر مسلمین کو بھی شامل ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مفسر قرآن فرماتے ہیں:

((رُدُّوْا السَّلَامَ عَلٰی مَنْ کَانَ یَهُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا اَوْ مَجُوْسِیًّا ذٰلِکَ

بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا ﴾

(النساء: ٨٦'الادب المفرد باب كيف الرد على اهل الذمة ١١٠٧ تفسير طبرى)

سلام لوٹاؤ خواہ کوئی یہودی ہو یا عیسائی یا مجوسی اس لئے کہ اللہ نے فرمایا:

﴿ واذا حييتم بتحية فحيوا..... ﴾

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

"لَوْ قَالَ لِيْ فِرْعَوْنُ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ قُلْتُ وَفِيْكَ وَفِرْعَوْنُ قَدْمَاتَ"

(الادب المفرد باب كيف يدعو للذمى (١١١٣)

اگر فرعون مجھے کہتا بارک اللہ فیک اللہ تجھ میں برکت ڈالے تو میں کہتا اور تجھ میں بھی اور فرعون بلاشبہ مر چکا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر دعائیہ کلمہ کہنے میں پہل کرے تو اسے جواب دے سکتے ہیں: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

(الممتحنه: ٦٠-٨)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا' ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو کفار مسلمانوں سے لڑائی نہیں کرتے اور ان کے دین میں مداخلت نہیں کرتے تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جا سکتا ہے لہٰذا جب وہ السلام علیکم کہیں تو انہیں وعلیکم السلام کہہ دیں تو جائز ہے۔

(۱) نومولود کے کان میں اذان اور اقامت

س: جب مسلمانوں کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہتے ہیں کیا رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے؟

ج: راقم الحروف کے علم کی حد تک اس کے بارے کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں اس سلسلہ میں جو تین روایات پیش کی جاتی ہیں وہ قابل استناد نہیں ایک روایت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

" رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في اذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمه بالصلاة "

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں اذان کہی جب انہیں فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جنم دیا۔''

(ترمذی ابواب الأضاحی(١٥١٤)ابو داود(٥١٠٥)مسند احمد٦/٩'٣٩١'٣٩٢شعب الایمان (٨٦١٧'٨٦١٨)مستدرك حاكم ٣/١٧٩ بیهقی ٩/٣٠٥)

اس روایت کی سند میں عاصم بن عبیداللہ اصل راوی ہے جس کے ضعف پر تقریباً تمام محدثین متفق ہیں۔ حافظ ابن حجر التلخيص الحبير كتاب العقيقه رقم (۱۹۸۵) ۴/ ۳٦۷ ط جدید میں رقمطراز ہیں:

" ومداره على عاصم بن عبيد الله وهو ضعيف "

اس روایت کا دارومدار عاصم بن عبیداللہ پر ہے اور وہ ضعیف راوی ہے عاصم پر کلام کے لیے دیکھیں: (تهذيب التهذيب ٣/ ٣٥'٣٦)

بعض اہل علم نے اس روایت کی تقویت کے لیے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت پیش کی ہے کہ:

" ان النبي صلى الله عليه وسلم اذن في اذن الحسن بن علي يوم

ولد واقام فی اذنه الیسری "

"بے شک نبی ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں ان کی ولادت کے دن اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔"

(سلسة ضعیفه ۱/ ۳۳۱ارواء الغلیل ٤/ ٤٠١)

علامہ البانیؒ نے اسے ابو رافع رضی اللہ عنہ کی روایت کا شاھد ہونے کی امید ظاہر کی ہے:

نوٹ: سلسلہ ضعیفہ میں اس روایت کے یہ الفاظ طبع ہونے سے رہ گئے ہیں:

" فأذن فی أذنه الیمنی "

"آپ نے حسن رضی اللہ عنہ کے دائیں کان میں اذان کہی۔"

امام بیھقی نے اگرچہ اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن یہ ضعیف کی بجائے موضوع ہے کیونکہ اس میں محمد بن یونس الکدیمی ہے جس کے بارے امام ابن عدی فرماتے ہیں:

" قد اتهم الکدیمی بالوضع "

یہ روایات گھڑنے کے ساتھ متہم ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں اس نے ھزار سے زائد روایات گھڑی ہیں اسی طرح موسیٰ بن ھارون اور قاسم المطرز نے بھی اس کی تکذیب کی ہے۔(میزان ٤/ ٧٤)

امام دارقطنی نے بھی اسے روایت گھڑنے کی تہمت دی ہے لہٰذا یہ روایت موضوع ہونیکی وجہ سے شاھد بننے کے قابل نہیں اسی طرح اس میں کدیمی کا استاذ اور استاذ الاستاذ بھی ضعیف ہیں۔

اسی طرح حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کہ:

" مـن ولـدله مولود فأذن فی أذنه الیمنیٰ واقام فی اذنه الیسری لم تضره ام الصبیان "

"جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان

میں اقامت کہے تو اسے ام الصبیان (بیماری ہے) تکلیف نہیں دے گی۔"

(شعب الایمان ۸۶۱۹)

اس کی سند میں یحیٰ بن العلاء الرازی کذاب راوی ہے لہٰذا بچے کے کان میں اذان اور اقامت والی روایات نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

(۲) نومولود کے کان میں اذان اور اقامت

(ج) نومولود کے کان میں اذان اور اقامت کہنے کے بارے میں راقم الحروف نے مجلّہ الدعوہ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ بمطابق جون ۲۰۰۲ء ص ۵۸ میں لکھا تھا کہ "راقم الحروف کے علم کی حد تک اس کے بارے کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں اس سلسلہ میں جو تین روایات پیش کی جاتی ہیں وہ قابل استناد نہیں" پھر اس کے بعد ان روایات ثلاثہ کا مختصر سا تجزیہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس کے متعلق ہمارے واجب الاحترام محقق العصر فضیلۃ الشیخ حافظ محمد ایوب صابر حفظہ اللہ نے ماھنامہ "دعوت اھلحدیث" جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ میں لکھا کہ "نومولود کے کان میں اذان کہنا مسنون اور معمول بہا ہے اور روایۃ ودرایۃ' نقلا و عقلا کوئی دلیل اور وجہ ایسی نہیں جس کے باعث اسے امر منکر تصور کیا جائے۔"

محترم حافظ صاحب کا اسے مسنون قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ اس عمل کی مسنونیت پر کوئی پختہ اور قابل استناد روایت موجود نہیں نہ ہی روایۃً اور نقلاً یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے اور درایۃً وعقلاً اس میں کوئی وزن نہیں۔ ہم ان روایات پر تبصرہ کرتے ہیں اور انہیں حسن بنانے کے لیے جو دلائل "دعوت اہلحدیث" میں طبع ہوئے ہیں ان کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

پہلی مرفوع روایت

ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة))

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جنم دیا تو رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں نماز والی اذان کہی۔

(ترمذی (١٥١٤) ابو داؤد (٥١٠٥) مسند احمد ٦/٩، ٣٩١، ٣٩٢ شعب الایمان بیهقی (٨٦١٧) المستدرك للحاكم ٣/١٧٩ بیهقی ٩/٣٠٥ عبد الرزاق (٨٠١٦) ٤/٢٥٩ ط جدید) شرح السنة ١١/٢٧٣ (٢٨٢٢) المعجم الكبير للطبراني ١/٣١٥-٣/١٨-١٩)

اس روایت کا دارومدار عاصم بن عبید اللہ پر ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"ومداره على عاصم بن عبيد الله وهو ضعيف"

(التلخيص الحبير ٤/٣٦٧ (١٩٨٥))

اس روایت کا دارومدار عاصم بن عبید اللہ پر ہے اور وہ ضعیف ہے۔

اسی طرح علامہ ابن ترکمانی نے بھی "الجوهر النقی" ٩/٣٠٥ میں رقم کیا ہے کہ:

"في سنده عاصم بن عبيد الله سكت عنه البيهقي هنا وهو ضعيف عندهم وقد ضعفه البيهقي ايضا في باب استبانة الخطاء"

اسکی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے جس کے متعلق یہاں بیہقی نے سکوت اختیار کیا ہے اور وہ محدثین کے ہاں ضعیف ہے اور بیہقی نے خود بھی اسے "باب استبانة الخطاء" میں ضعیف قرار دیا ہے۔

اس راوی کے متعلق:

امام عبدالرحمٰن بن مہدی اس کی روایت کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کرتے تھے امام احمد بن حنبل اس کی اور ابن عقیل کی روایت کو ضعیف گردانتے تھے اور کبھی کہتے تھے کہ عاصم پختہ راوی نہیں ہے امام یحیٰی بن معین نے کہا ضعیف ہے ابن سعد نے کہا کثیر الروایۃ ہے اور

قابل حجت نہیں امام ابن عیینہ نے اس کے حفظ میں طعن کیا ہے امام یعقوب بن شیبہ نے کہا لوگوں نے اس سے روایت لی ہے اور اس کی روایات میں ضعف ہے اور اس کی روایات منکر ہیں ابن نمیر کہتے ہیں عاصم اصل میں منکر الحدیث اور مضطرب الحدیث ہے امام ابو حاتم اور امام ابوزرعہ رازیان نے بھی اسے منکر الحدیث اور مضطرب الحدیث قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا اس کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں۔ امام بخاری نے بھی اسے منکر الحدیث کہا ہے ابن خراش اور بہت سے ائمہ نے اسے ضعیف کہا ہے امام ابن خزیمہ نے کہا میں اس کے سوء حفظ کی وجہ سے اس سے حجت نہیں پکڑتا امام دارقطنی نے اسے متروک قرار دیا ہے امام بزار نے کہا: اس کی روایت میں کمزوری ہے امام ابوداؤد نے اس کی روایت کو قابل حجت قرار نہیں دیا بلکہ یہ بھی کہا "لا یکتب حدیثہ "اس کی روایت کو لکھا نہیں جاتا امام ابن حبان نے کہا یہ سوء الحفظ، کثیر الوھم اور فاحش الخطا ہے اس کو کثرت خطاء کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے ساجی نے اسے مضطرب الحدیث قرار دیا ہے حافظ ابن القطان الفاسی نے اسے منکر الحدیث اور مضطرب الحدیث بتایا ہے علامہ ھیثمی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تھذیب التھذیب (۳۴۵۳) تاریخ کبیر للبخاری (۹۱۵۹) الضعفاء الصغیر للبخاری (۲۸۱) الجرح والتعدیل (۱۹۱۷) الکاشف(۲۵۰۶) میزان الاعتدال (۴۰۵۶) تاریخ یحیی بن معین بروایۃ الدوری (۸۲۲) الضعفاء الکبیر للعقیلی (۱۳۵۵)موسوعۃ اقوال الامام احمد(۱۲۶۳)الکامل لابن عدی ۹/۱۸۶۶'۱۸۶۷ الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۲/۷۰ قبول الأخبار و معرفۃ الرجال لابی القاسم الکعبی ۲/۲۶۱ کتاب المجروحین لابن حبان ۲/۱۲۷ بیان الوھم والایھام لابن القطان ۳/۳۵۸ مجمع الزوائد۳/۲٤٤ علامہ ذھبی نے یہ روایت میزان میں اور ابن حبان نے المجروحین میں ذکر کی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عاصم بن عبید اللہ انتہائی ضعیف راوی ہے جسے متروک' منکر الحدیث' مضطرب الحدیث' سئی الحفظ' کثیر الوہم' فاحش الخطا اور نا قابل حجت قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ امام بخاری جسے منکر الحدیث قرار دیں وہ انتہائی گرا ہوا راوی ہوتا

ہے اس سے روایت لینا بخاری کے نزدیک حلال نہیں ہوتا امام بخاری فرماتے ہیں:

"کل من قلت فیه منکر الحدیث فلا تحل الروایة عنه"

"ہر وہ آدمی جس کے متعلق میں "منکر الحدیث" کہوں اس سے روایت لینا حلال نہیں۔"

(ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ۱/۶-۲۰۲/۲ طبقات الشافعیه للسبکی ۲/۹ فتح المغیث للسخاوی ۱/۴۰۰ تدریب الراوی ۱/۲۹۶ ظفر الامانی ص ۸۲)

بلکہ شیخ احمد شاکر نے الباعث الحثیث ۱/۳۲۰ میں لکھا ہے:

"قوله "منکر الحدیث فانه یرید به الکذابین"

امام بخاری منکر الحدیث سے مراد کذاب راوی لیتے ہیں لہذا جس راوی سے روایت لینا حلال نہ ہو اور تقریباً تمام جلیل القدر محدثین کے ہاں مجروح قرار پا چکا ہو اس کی روایت کس طرح صحیح یا حسن اور قابل حجت ہو سکتی ہے جب کہ اس کا کوئی متابع اور قوی شاھد بھی موجود نہیں۔

امام عجلی کی توثیق

محترم ایوب صاحب نے عاصم کی روایت کو حسن قرار دینے کے لیے امام عجلی کی جو توثیق پیش کی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اولاً جمہور ائمہ محدثین نے اس پر جرح مفسر کر دی ہے ان کے مقابلہ میں اکیلے عجلی کی توثیق قابل حجت نہیں ثانیاً: علامہ البانی کے ہاں عجلی متساھل ہیں فرماتے ہیں:

"وعاصم بن عبید الله اتفقوا علی تضعیفه"واحسن ما قیل فیه" لاباس به" قاله العجلی وهو من المتساهلین ولذلك جزم الحافظ فی التقریب" بضعف عاصم هذا واورده الذهبی فی" الضعفاء" وقال " ضعفه مالك وغیره" وتعقب قول الحاکم " صحیح

الاسناد" بقوله" قلت: عاصم ضعیف"(ارواء الغلیل ٤/١/٤٠١)

عاصم بن عبیداللہ کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے اور سب سے بہتر جو قول اس کے بارے کہا گیا وہ "لا بأس بہ" ہے یہ بات عجلی نے کہی ہے اور وہ متساھلین میں سے ہے اسی لیے حافظ ابن حجر نے تقریب میں عاصم کے ضعف پر جزم کیا ہے اور امام ذھبی نے اسے ضعفاء میں لا کر کہا ہے امام مالک وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے اور حاکم نے جو اس کی حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے اس کا تعاقب امام ذھبی نے یہ کہہ کر کیا ہے "میں کہتا ہوں عاصم ضعیف ہے۔"

شیخ البانی کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ امام عجلی شیخ کے نزدیک متساھل ہیں اور عاصم کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی نے (تقریب مع تحریرا/١٦٧) میں اور امام ذھبی نے (دیوان الضعفاء٢٠٣٤) المغنی فی الضعفاء ١/٥٠٧) میں اسے قطعی طور پر ضعیف قرار دیا ہے امام عجلی کو متساھل قرار دینے میں علامہ البانی نے شاید علامہ عبدالرحمٰن یمانی کی پیروی کی ہے۔ واللہ اعلم

امام ابن عدی کا قول

رہا امام ابن عدی کا قول:

"وھو مع ضعفه یکتب حدیثه"

"ضعف کے باوجود اس کی روایت لکھی جاتی ہے۔"

اولاً: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاصم ابن عدی کے ہاں بھی ضعیف ہے۔

ثانیاً: ابن عدی کا قول "یکتب حدیثه" امام ابوداؤد کے قول "لا یکتب حدیث" کے معارض ہے

ثالثاً: اس کی روایت لکھی جانے کا مفہوم یہ ہے کہ معرفت اور پہچان کے لیے اسے لکھ لیا جاتا ہے جس طرح امام بغوی نے مروان بن سالم کے بارے کہا ہے:

" منكر الحديث لا يحتج بروايته و لا يكتب اهل العلم حديثه الا للمعرفة "(تهذيب)

مروان منکر الحدیث ہے اس کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی اور اہل علم اس کی حدیث صرف معرفت و پہچان کے لیے لکھتے ہیں لہٰذا عاصم جب منکر الحدیث اور ناقابل حجت ہے تو اس کی روایت متابعات وشواھد کی بجائے صرف پہچان کے لیے لکھ لی جاتی ہے۔

رابعا: اگر متابعات وشواھد میں اس کی روایت کو لکھا جاتا ہو تو نومولود کے کان میں اذان ۔ کے متعلق تو کوئی اصل روایت ہے ہی نہیں جس کے لیے اس کی روایت کو شاہد بنایا جائے یا اس کو کسی کا متابع قرار دیا جائے جو شواھد اس کے لیے پیش کیے جاتے ہیں وہ موضوع ہیں جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

خامسا: امام بخاری کے نزدیک اس سے روایت لینا حلال نہیں اور امام دارقطنی نے اسے متروک قرار دیا ہے اور متروک راوی کے متعلق قاعدہ یہ ہے

" واذا قالوا: متروك الحديث أو واهية او كذاب فهو ساقط لا يكتب حديثه"

(تقریب النواوی مع تدریب ۱/۲۹۵)

جب محدثین کسی راوی کو متروک الحدیث یا واھی یا کذاب قرار دیں تو وہ ساقط ہو جاتا ہے اس کی روایت لکھی نہیں جاتی اور علامہ سیوطی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ولا يعتبر به ولا يستشهد"

نہ اس کا اعتبار کیا جاتا ہے اور نہ بطور استشھاد اسے پیش کیا جاسکتا ہے۔

(تدریب الراوی ۱/۲۹۵ نیز ملاحظہ ہو مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح ص ۱۳۵ الشذا الفیاح ص ۱۷۷ وغیرھما) لہٰذا عاصم کی روایت کو بطور شاھد بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

امام حاکم اور امام ترمذی کی تصحیح

یہ بات کسی بھی اہل علم اور ذی شعور پر مخفی نہیں کہ امام حاکم اور امام ترمذی دونوں کسی روایت پر تصحیح یا تحسین کا حکم لگانے میں متساهل ہیں جس پر کئی ایک کبار اہلحدیث علماء بارھا دفعہ تنبیہ کر چکے ہیں اور حنفی علماء نے بھی یہ بات تسلیم کی ہوئی ہے جیسا کہ احسن الکلام اور احکام شریعت از احمد رضا میں موجود ہے میں اس مقام پر صرف امام ذھبی کے اقوال پر اکتفاء کرتا ہوں۔

امام حاکم نے المستدرک میں نومولود کے کان میں اذان والی عاصم کی روایت کو صحیح الاسناد قرار دیا تو امام ذھبی نے کہا: قلت: عاصم ضعیف" میں کہتا ہوں عاصم ضعیف ہے اسی طرح تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۶۴ میں رقمطراز ہیں:

"ولا ریب ان فی المستدرك احادیث کثیرة لیست علی شرط الصحة بل فیه احادیث موصوعة"

بلا شک وشبہ مستدرک حاکم میں بہت ساری روایات صحت کی شرط پر پوری نہیں اترتیں بلکہ اس میں موضوع روایات بھی موجود ہیں میزان الاعتدال ۳/ ۴۰۷ میں کثیر بن عبداللہ المزنی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"لا یعتمد العلماء علی تصحیح الترمذی"

علماء امام ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے محمد بن الحسن الھمدانی الکوفی کے حالات میں لکھتے ہیں:

"حسنه الترمذی فلم یحسن" (میزان الاعتدال ۳/ ۵۱۵)

اسے ترمذی نے حسن قرار دیا ہے اور اچھا نہیں کیا۔

اور یحیی بن یمان العجلی الکوفی کے حالات میں لکھتے ہیں:

"حسنه الترمذی مع ضعف ثلاثة فیه فلا یغتر بتحسین الترمذی"

اس کی روایت کو ترمذی نے حسن کہا باوجود اس کے اس میں تین ضعیف راوی ہیں پس ترمذی کی تحسین سے دھوکا نہ کھایا جائے۔

سکوت ابی داؤد

محترم ایوب صاحب نے ابو رافع سے مروی روایت کو حسن بنانے کے لیے سکوت ابی داؤد کو بھی بطور دلیل ذکر کیا ہے حالانکہ حدیث کے ابتدائی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ کسی روایت پر ابوداؤد کا سکوت اس کے حجت ہونے کی دلیل نہیں جب تک ابوداؤد کی روایت کو چھان بین کر کے دیکھا نہ جائے اتنی دیر تک تصحیح وتحسین اور تضعیف کا فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ مجرد سکوت ابی داؤد حجت نہیں حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"فالصواب عدم الاعتماد على مجرد سكوته لما وصفنا انه يحتج بالأحاديث الضعيفه"

درست بات یہ ہے کہ ابوداؤد کے مجرد سکوت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ ابوداؤد روایات ضعیفہ سے بھی حجت پکڑتے ہیں۔

(النکت علی ابن الصلاح ۱/۴۴۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے النکت میں کئی ایک مثالیں ذکر کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد ضعیف اور متروک راویوں کی روایات پر بھی بسا اوقات سکوت کر جاتے ہیں بلکہ کئی ایسے راوی بھی ہیں جنہیں خود ابوداؤد نے بھی ضعیف قرار دیا ہوتا ہے۔

لہٰذا عاصم بن عبید اللہ کی یہ روایت انتہائی ضعیف ہے کسی طرح بھی قابل حجت نہیں امام ابن القطان الفاسی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

"وذكر من طريق ابى داؤد عن ابى رافع قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وسكت عنه وانما يرويه عنده عاصم بن عبيد الله عن عبيد الله بن ابى رافع عن ابى رافع وعاصم هو

عبید اللہ عن عبید اللہ بن ابی رافع عن ابی رافع و عاصم هو العمری ضعیف الحدیث منکرہ' مضطربه"

(بيان الوهم والإيهام ٥٩٤/٤)

دوسری روایت

عاصم بن عبید اللہ کی روایت کو حسن بنانے کے لیے بطور شاہد حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی پیش کیا جاتا ہے کہ:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" من ولدله مولود فأذن في أذنه اليمنىٰ و اقام في اذنه اليسرى "الحديث

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی تو اسے ام الصبیان (بیماری) تکلیف نہیں دے گی۔

(شعب الإيمان للبيهقي ٣٩٠/٦ (٨٦١٩) عمل اليوم والليلة لابن السني (٦٢٤) مسند ابی یعلی ١٥٠/١٢ (٦٧٨٠) میزان الاعتدال ٣٩٧/٤ الكامل لابن عدی ٢٦٥٦/٧ تاریخ دمشق ٢٨١/٥٧ مجمع الزوائد (٦٢٠٦) اتحاف الخيرة المهرة (٦٥٤٣) الأمالي لابن بشران ٤٩٠/٢١١ بحواله عجالة الراغب المتمنی از سلیم هلالی حفظه الله سلسلة الاحاديث الضعيفه (٣٢١)

یہ روایت موضوع ہے اس کی سند میں تین خرابیاں ہیں:

ا۔ یحیی بن العلاء البجلی الرازی:

امام ابو حاتم اس کے متعلق فرماتے ہیں" لیس بالقوی" امام دارقطنی نے کہا" متروک" امام احمد بن حنبل نے کہا: کذاب یضع الحدیث کذاب ہے حدیث وضع کرتا ہے امام یحیی بن معین نے کہا" لیس بثقہ" ثقہ نہیں ہے عمرو بن علی اور نسائی نے متروک الحدیث کہا۔ امام جوز جانی نے کہا: غیر مقنع' شیخ واھی۔ امام ابو زرعہ' امام ابو داؤد اور امام ابو

امام وکیع نے کہا'' کان یکذب'' جھوٹ بولتا ہے امام ابن حبان نے کہا:

" ینفرد عن الثقات بالمقلوبات لا یجوز الاحتجاج به"

'' ثقہ راویوں سے مقلوب روایات بیان کرنے میں منفرد ہے اس سے احتجاج کرنا جائز نہیں۔''

امام ابن عدی فرماتے ہیں:

" الضعف علی روایاته وحدیثه بین واحادیثه موضوعات"

اس کی روایات اور حدیث میں ضعف واضح ہے اور اس کی روایات موضوع ہیں ساجی نے اسے '' منکر الحدیث'' اور دولابی نے '' متروک فی الحدیث'' کہا ہے۔

(تهذیب التهذیب ٦/١٦٦، ١٦٧ میزان الاعتدال ٤/٢٩٧ المغنی فی الضعفاء ٢/٥٢٥

کتاب المعرفة والتاریخ ٣/١٤١ احوال الرجال (٣٧١)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں'' رمی بالوضع''

(تقریب مع تحریر ٤/٩٧)

لہٰذا یہ راوی متروک' کذاب اور وضاع ہے اور اس کی وجہ سے یہ روایت موضوع ہے۔

۲۔ مروان بن سالم:

یحییٰ بن العلاء کا استاذ مروان بن سالم بھی اسی طرح کذاب وضاع ہے امام احمد نے کہا: لیس بثقه یہ ثقہ نہیں ہے امام عقیلی اور امام نسائی نے بھی اسے غیر ثقہ قرار دیا ہے بلکہ نسائی نے اسے متروک الحدیث بھی قرار دیا ہے امام بخاری اور امام مسلم نے اسے منکر الحدیث کہا ہے امام ابو حاتم نے کہا:

" منکر الحدیث جدا ضعیف الحدیث لیس له حدیث قائم"

ابو عروبہ الحرانی نے کہا:

ابوعروبہ الحرانی نے کہا:

"کان یضع الحدیث"

امام ابواحمد الحاکم نے کہا:

"حدیثہ لیس بالقائم"

ابن عدی نے کہا:

"عامة حدیثه لا یتابعه علیه الثقات"

امام دارقطنی نے کہا:

"متروك الحدیث"

ابن حبان نے کہا:

"یروی المناکیر عن المشاهیر ویاتی عن الثقات بما لیس من حدیث الأثبات فلما کثر ذلك فی روایته بطل الاحتجاج باخباره"

ساجی نے کہا:

"کذاب یضع الحدیث"

امام بغوی نے کہا:

"منکر الحدیث لایحتج بروایته ولا یکتب اهل العلم حدیثه الا للمعرفة"

امام ابونعیم نے کہا:

"منکر الحدیث"

(تهذیب ٥/٤٠٦میزان الاعتدال ٤/٩٠المغنی فی الضعفاء ٢/٣٩٧ کتاب المجروحین لابن حبان ٣/١٣)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

" متروك ورماه الساجي وغيره بالوضع"(تقریب مع تحریر ۳/۳۶۳)

لہٰذا مروان بن سالم متروک وضاع اور کذاب راوی ہے۔

۳۔ طلحہ بن عبید اللہ العقیلی:

مروان کا استاذ طلحہ العقیلی مجہول ہے۔ (تقریب مع تحریر: ۲/۱۶۰)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں دو راوی کذاب وضاع اور ایک مجہول ہے لہٰذا یہ روایت شاہد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

اشکال:

محترم ایوب صاحب لکھتے ہیں: دوسری حدیث سنداً سخت ضعیف ہے البتہ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری نے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے باعث ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کو قوی قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: تحفة الاحوذی ۵/۱۰۸)

ازالہ:

محترم ایوب صاحب کے ہاں جب یہ روایت سنداً سخت ضعیف ہے تو مولانا مبارکپوری کا حوالہ انہیں مفید نہیں کیونکہ ضعف شدید والی روایت شاہد بننے کے لائق نہیں ہوتی علامہ البانی صاحب تحفة الاحوذی کے بارے میں رقمطراز ہیں:

" فتامل كيف قوى الضعيف بالموضوع وما ذلك الا لعدم علمه بوضعه وغتراره با يراد من ذكرنا من العلماء"

(سلسه ضعيفه ۱/۳۳۱)

غور کیجئے کہ علامہ مبارکپوری نے موضوع روایت کے ذریعے ضعیف کو کیسے قوی قرار دے دیا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ انہیں اس کے موضوع ہونے کا علم نہیں ہو سکا اور جن

علماء کا ہم نے ذکر کیا ہے انہوں نے اسے اور دواذ کار کی کتب میں ذکر کیا جس سے علامہ مبارکپوری دھوکا کھا گئے۔

علامہ البانی نے اس سے قبل امام نووی ؒ ابن علان ؒ ابن تیمیہ ؒ اور ابن قیم ؒ پر اس روایت کے وضع کا مخفی ہونا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس روایت میں ضعف شدید ہو وہ شاھد بننے کے قابل نہیں ہوتی لہٰذا جب یہ روایت موضوع ہے تو اس کے ذریعے ضعیف کیسے قوی ہو جاتی ہے۔

تیسری روایت:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

" ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی اذن الحسن بن علی یوم ولد فأذن فی اذنہ الیمنیٰ واقام فی اذنہ الیسریٰ"

(شعب الایمان للبیھقی ٦/٣٩٠(٨٦٢٠)

نبی کریم ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت والے دن ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔

یہ روایت بھی موضوع ہے اس میں تین خرابیاں ہیں۔

۱۔ محمد بن یونس الکدیمی:

امام ابوداؤد نے اس کے کذب کا اظہار کیا ہے اور موسیٰ بن ھارون لوگوں کو کدیمی سے سماع کرنے سے روکتے تھے اور کہتے تھے:

" تفرب الی بالکذب"

"یہ میرے نزدیک جھوٹ کے قریب پہنچ چکا ہے۔"

امام دارقطنی کہتے ہیں:

" کان الکدیمی یتھم بوضع الحدیث"

"کدیمی روایت گھڑنے کے ساتھ متہم ہے۔" مزید کہتے ہیں:" ما احسن القول

فیہ الامن لم یخبر حالہ" "اس کے متعلق اچھا قول اسی نے کہا ہے جو اس کے حالات سے باخبر نہیں۔"

امام ابن حبان نے فرمایا:

"کان یضع الحدیث لعلہ قد وضع الی الثقات اکثر من الف حدیث"

"یہ روایت گھڑتا تھا اس نے ثقہ راویوں پر ہزار سے زائد حدیثیں گھڑی ہیں۔"

امام ابن عدی نے کہا:

"قد اتھم بالوضع و ادعی الروایۃ عمن لم یرھم ترک عامۃ مشائخنا الروایۃ عنہ"

"یہ وضع روایات کے ساتھ متہم ہے اور ایسے لوگوں سے روایت کرنے کا دعوی کرتا ہے جنہیں اس نے دیکھا تک نہیں۔"

ہمارے عام مشائخ نے اس سے روایت کرنا ترک کر دیا ہے۔

امام ابواحمد الحاکم نے کہا:

"ذاھب الحدیث"

علامہ ناصرالدین نے کہا:

"انہ احد المتروکین"

اور قاسم بن زکریا نے اس کی تکذیب کی ہے۔

(تہذیب ٥/٣٤٦-٣٤٧ الکامل لابن عدی ٦/٢٢٩٤ سوالات حمزہ السہمی للدارقطنی ص ١١٢- ٢٧٧٠ الضعفاء والمتروکین للدار قطنی (٤٨٧) کتاب المجروحین لابن حبان ٢/٣١٢ تذکرۃ الحفاظ ٢/١٤٤-١٤٥ سیر اعلام النبلاء ١٣/٣٠٤ الجرح والتعدیل ٨/١٢٢ تاریخ بغداد ٣/٤٣٥-٤٤٥ شذرات الذہب ٢/١٩٤)

امام ذھبی فرماتے ہیں:

"ھالك قال ابن حبان وغيره كان يضع الحديث على الثقات"

(المغنى فى الضعفاء ۲/۳۹۰)

''ھالک ہے ابن حبان وغیرہ نے کہا ہے یہ ثقہ راویوں پر روایات گھڑتا تھا۔''

محدثین رحمھم اللہ اجمعین کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ محمد بن یونس الکدیمی متروک و وضاع ہے لہٰذا اسکی روایت شاہد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

۲۔الحسن بن عمرو بن سیف العبدی:

اسے امام علی بن المدینی اور امام بخاری نے کذاب اور امام ابو حاتم رازی، امام ابو احمد الحاکم اور امام مسلم نے متروک قرار دیا ہے۔

(ميزان الاعتدال ۵۱۶/۱ تاريخ كبير للبخارى(۲۵۳۶) تهذيب ۵۰۸/۱ كتاب الكنى والاسماء لمسلم ص ۷۴ الجرح والتعديل ۲۶/۳ المغنى فى الضعفاء ۲۵۴/۱ ديوان الضعفاء(۹۳۸) الضعفاء الكبير للعقيلى ۲۳۶/۱ الضعفاء والمتروكين لابن الجوزى ۲۰۸/۱)

۳۔القاسم بن مطیب:

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

"يخطئى عمن يروى على قلة روايته فاستحق الترك كما كثر ذلك منه"

''یہ قلت روایت کے باوجود مروی عنہ سے خطا کر جاتا ہے یہ متروک ہونے کا حقدار جیسا کہ اس سے خطا کثرت سے سرزد ہوتی ہے۔''

(كتاب المجروحين ۲۱۳/۲ الضعفاء والمتروكين لابن الجوزى ۱۶/۲ ميزان الاعتدال ۳۸/۳ ديوان الضعفاء (۳۴۲۸) المغنى فى الضعفاء ۲۱۲/۲)

لہٰذا جو راوی قلیل الروایہ ہو اور زیادہ غلطیاں کرتا ہو تو وہ چھوڑ دینے کے لائق ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی مذکورہ تین علل کی بنا پر شاھد بننے کے قابل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ شعیب ارناؤط اور شیخ عادل مرشد کی تحقیق وتخریج سے جو مسند احمد کی جلد نمبر ۳۹ طبع ہوئی ہے اس کے ص ۲۹۷ پر لکھا ہے:

"ولہ شاھد لا یفرح بہ عند البیھقی (۸۶۲۰) من حدیث ابن عباس وفی اسنادہ الحسن بن عمرو بن سیف السدوسی وھو متروک واتھمہ علی بن المدینی والبخاری بالکذب"

بیھقی کے ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث شاھد ہے جس کے ساتھ خوش نہیں ہونا چاہیے اس کی سند میں الحسن بن عمرو بن سیف السدوسی متروک ہے اسے امام علی بن المدینی اور امام بخاری نے جھوٹ کی تہمت دی ہے۔ اسی طرح ڈکتور الحسین آیت سعید نے" بیان الوھم والأیھام "کی تحقیق ۴/۵۹۳ میں اس روایت کو منکر قرار دے کر لکھا ہے کہ:

"وقد حسن الشیخ ناصر حدیث ابی رافع فی الإرواء (٤/٤٠١) بشاھد ابن عباس ولا یظھر لی تحسینہ بہ فلینظر لم حسنہ؟ وھو اضعف منہ لا یصلح لجبرہ ولا للاعتبار بہ"

"شیخ ناصر الدین البانی نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ارواء الغلیل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو شاھد بنا کر حسن قرار دیا ہے میرے لیے اس روایت کی تحسین ظاہر نہیں ہوئی دیکھا جائے کہ شیخ نے اس کو حسن کیوں قرار دیا ہے؟ یہ اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے نہ اس کا نقصان پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ بطور اعتبار اسے پیش کیا جا سکتا ہے۔"

اسی طرح مشہور سلفی محقق شیخ ابو اسحاق الحوینی الأثری حفظہ اللہ بعض علماء سے بچے کے

کان میں اذان دینے کا استحباب نقل کر کے لکھتے ہیں:

"ولکنه حديث ضعيف والاستحباب لا يثبت بالحديث الضعيف اتفاقا ومع بحثي ووكدي لم احد له ما يقويه"

(الانشراح فی آداب النکاح ص۹٦)

"لیکن ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ضعیف ہے اور استحباب بالاتفاق ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتا میں نے اپنی بحث وتمحیص میں ایسی کوئی روایت نہیں پائی جو اسے تقویت دیتی ہو۔"

شیخ ابو اسحاق الحوینی نے ابن المغاربی کی "مناقب علی" (۱۱۳) سے بطریق عبداللہ بن عمر عن القاسم ابن حفص العمری قال حدثنا عبد الله بن دینار عن ابن عمر مرفوعا ایک شاھد ذکر کر کے لکھا ہے:

"وسنده واه وبالحمله: فليس للحديث شاهد يقويه فيما أعلم"

"اس کی سند انتہائی کمزور ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ میرے علم کے مطابق اس روایت کا کوئی ایسا شاھد نہیں جو اسے تقویت دے۔"

اشکال:

لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت کے بارے محترم ایوب صاحب لکھتے ہیں:

تیسری حدیث بھی سنداً ضعیف ہے لیکن علامہ البانی فرماتے ہیں:

"يمكن تقوية حديث ابی رافع بحديث ابن عباس..... الی ان قال فلعل هذا خير من اسناد حديث الحسن بحيث أنه يصلح شاهداً لحديث ابی رافع"

(سلسلة الاحاديث الضعيفه ۱/۳۳۱ رقم الحديث ۳۲۱)

''یعنی ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تقویت ممکن ہے یہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی) سند حسین رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند سے شاید بہتر ہے اور ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کیلئے شاھد کی صلاحیت رکھتی ہے۔''

ازالہ:

اولاً: محترم ایوب صاحب کیلئے شیخ البانی کا یہ قول چنداں مفید نہیں کیونکہ شیخ البانی نے ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لیے حسین رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بطور شاھد پیش کرنے پر علامہ مبارکپوری پر جو تعاقب کیا ہے وہ خود شیخ پر وارد ہوتا ہے کیونکہ شیخ کے نزدیک بھی جو روایت انتہائی ضعیف ہو یا موضوع ہو اس سے ضعیف روایت کو تقویت نہیں ملتی اور نہ ہی وہ شاھد بننے کے قابل ہوتی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کا حال آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اس میں دو راوی وضاع اور ایک ضعیف ہے۔

ثانیا: شیخ البانی کو اس روایت پر تحسین کا حکم لگانے میں تیقن وتثبت نہیں ہے اس لیے انہوں نے ارواء الغلیل میں ''حسن ان شاء الله ''اور آخر میں'' رجوت هناك ان يصلح شاهدا لهذا والله اعلم ''اور'' لا يمكن ''''فلعل'' جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں وگرنہ وہ کھل کر اس کی تحسین کرتے۔

ثالثا: شیخ البانی نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا ہوا ہے فللہ الحمد۔ اس بحث و تمحیص کے دوران راقم نے جب شیخ البانی کی تحقیق شدہ کتب کو دیکھا تو مشکوۃ المصابیح کی تحقیق ثانی میں شیخ نے اس حدیث پر امام ترمذی کی تصحیح کے ضمن میں لکھا:

" وفيه نظر بينته في" الضعيفه"(٣٢١) و " الارواء" (١١٧٣)
وملت فيه الى تحسينه والله اعلم ثم ترجح لی بعد تضعيفه فانظر
" الضعيفه " (٦١٢١)"(تعليق هداية الرواة٤ /١٣٨)

ترمذی کی تصحیح میں نظر ہے میں نے اس کو ''سلسلہ الاحادیث الضعیفہ رقم (۳۲۱) اور ارواء

العلیل رقم (۱۱۷۳) میں بیان کیا ہے اور میں اس کی تحسین کی طرف مائل ہوں۔ واللہ اعلم
پھر اس کے بعد میرے لیے اس روایت کی تضعیف راجح ہوگئی دیکھیں سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ رقم (۶۱۲۱)

لہٰذا شیخ کے اس کلام کے بعد کسی کو ان کی سابقہ کتب کا حوالہ دینا درست نہیں ہے انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کرلیا ہے پس شیخ البانی رحمہ اللہ الف الف مرۃ بعد و کل ذرۃ الی یوم فرقہارے ساتھ اس موقف پر متفق ہیں۔ فللہ الحمد

رہا اس کے بعد شیخ سعد بن عبداللہ بن عبدالعزیز آل حمید کا یہ قول:

"فان کان ضعفه یسیرا فیکون الحدیث حسنا لغیره و الا فبقی علی ضعفه"

(تحقیق علی مختصر المستدرك علی مستدرك ابی عبد الله الحاکم لابن الملقن ٤/١٦٩٩)

تو اوپر ذکر کردہ بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ اس روایت میں ضعیف یسیر نہیں بلکہ ضعف شدید ہے لہٰذا یہ اپنے ضعف پر باقی ہے اور شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ اس روایت کو حسن قرار دینے میں شیخ البانی کے پیرو ہیں جب شیخ البانی نے رجوع کرلیا ہے تو ان کے قول کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی بالخصوص جب کبار محدثین نے اس روایت کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔

کسی ضعیف روایت کو علماء کے عمل سے حسن یا صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا اگر یہ ضابطہ درست مان لیا جائے تو اہل بدعت اور گمراہ فرق کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے وہ اپنی بدعات اور عقائد مخترعہ پر اکثر ضعیف اور موضوع قسم کی روایات بیان کرتے ہیں اور ان کی تقویت کے لیے علماء کے عمل کو پیش کر دیتے ہیں جیسا کہ مفتی احمد یار خاں گجراتی نے "جاء الحق (المعروف جاء الباطل) حصہ دوم مقدمہ ص ۵ میں قاعدہ نمبر ۴ کے تحت لکھا ہے۔ تواتر عملی کے لیے خصوصاً اہل سندھ سید بدیع الدین شاہ راشدی نور اللہ مرقدہ کی کتاب "حیلہ

جدلی'' کا مطالعہ فرمائیں۔

مذکورہ بحث سے ہمارا موقف روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ نومولود کے کان میں اذان کہنے کے بارے کوئی مرفوع صحیح حدیث موجود نہیں۔

هذا ماعندی و الله اعلم بالصواب و علمه اتم و اکمل

❀❀❀

کتاب الاذکار

وظائف کی تعداد معلوم کرنے کا حکم

(س) وظائف کرنا مثلاً ۱۰۰ دفعہ درود شریف پڑھنا' یا مقسط ۷۰۰ مرتبہ پڑھنا' بتائیے ان وظائف یا ان کے علاوہ کے لئے تعداد خود نبی مکرم ﷺ نے مقرر کی ہے یا کسی اور نے جیسے 72 مرتبہ سورہ یٰسین پڑھنا وغیرہ؟ (ذوالفقار احمد۔ راھوالی)

(ج) کتب احادیث میں کچھ وظائف ایسے ہیں جن کی تعداد مقرر ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کی تعداد رسول کریم ﷺ نے مقرر نہیں کی۔

100 مرتبہ درود شریف کے متعلق کوئی صحیح حدیث مجھے معلوم نہیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ نے "پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں" ص45 میں سو بار درود شریف پڑھنے کی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح اور مغرب کی نمازوں کے بعد کلام کرنے سے پہلے سو بار درود پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سو ضرورتیں پوری فرماتا ہے۔ تیس دنیا میں اور ستر آخرت میں۔ لیکن یہ روایت موضوع ہے اس کو احمد بن موسیٰ نے روایت کیا ہے جیسا کہ امام ابن القیم نے "جلاء الافهام "فصل الموطن الثالث والثلاثون من مواطن الصلوة عليه "(ص:245) رقم (298) میں باسند ذکر کیا ہے اور اسی طرح علامہ سخاوی نے "القول البدیع" ص:174 میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند پر ضعف کا حکم بھی لگایا ہے۔

امام حاکم' احمد بن موسیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں "یہ روایات گھڑتا تھا اور اسانید کو متن سے ملا دیتا تھا" حمزہ السہمی فرماتے ہیں "اس نے مجاہیل مشائخ سے منکر روایات بیان کی ہیں جن کو کسی دوسرے نے بیان نہیں کیا۔ اس لئے محدثین نے اسے کذاب کہا ہے۔

(میزان الاعتدال 159/1 المغنی فی الضعفاء 96/1 لسان المیزان 235/1 تنزیہ

الشریعۃ المرفوعہ 311/1)

امام ذھبی فرماتے ہیں: "احد الوضاعین" روایات گھڑنے والوں میں سے ایک ہے۔(دیوان الضعفاء والمتروکین(110)ص10)

اوراس کے دیگر رواۃ بھی مجاہیل قسم کے ہیں علم رجال کی معروف کتب میں ان کا ذکرنہیں ملتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

حافظ ابن مندہ نے اس روایت کو ایک اور سند سے بھی بیان کیا ہے جسے امام ابن القیم نے جلاء الافہام ص242 رقم (300) میں ذکر کیا ہے اس میں فجر اور مغرب کی نماز کی قید نہیں بلکہ مطلق طور پر دن میں 100 بار پڑھنے کا ذکر ہے۔

امام ابن القیم اور علامہ سخاوی نے "القول البدیع" ص128 میں لکھا کہ حافظ ابو موسی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور دونوں بزرگوں نے اسکی تحسین نقل کر کے سکوت کیا ہے۔حالانکہ یہ روایت بھی من گھڑت ہے۔حافظ ابوموسی بذات خود وضاع اور روایت گھڑنے والا ہے۔اس کی تحسین کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟اس کی سند میں عباس بن بکار الضبی ہے جس کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں کذاب:

(المغنی فی الضعفاء 519/1 الضعفاء والمتروکین للدار قطنی 138/424)

علامہ ھیثمی فرماتے ہیں "ضعیف" ہے(مجمع الزوائد 140/10)

امام عقیلی فرماتے ہیں: "اَلْغَالِبُ عَلٰی حَدِیْثِہِ الْوَھْمُ وَالْمَنَاکِیْرُ" اس کی اکثر روایات میں وہم اور نکارت ہے۔(الضعفاء الکبیر 363/3)

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

"لَا یَجُوْزُ الْاِحْتِجَاجُ بِہٖ بِحَالٍ وَلَا کِتَابَۃِ حَدِیْثِہٖ اِلَّا عَلٰی سَبِیْلِ

الْإِعْتِبَارِ لِلْخَوَاصِ "(کتاب المجروحین 190/2)

اس سے کسی حال میں بھی حجت پکڑنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی روایت کو لکھنا جائز ہے سوائے خواص کے لئے' اعتبار کے سبیل پر۔ امام ابن عدی اسے منکر الحدیث قرار دیتے ہیں۔ (الکامل 1665/5)

اسی طرح اس کا استاد ابوبکر الھذلی جو اس کا ماموں بھی ہے' قابل حجت نہیں اور باتفاق محدثین متروک ہے۔ امام یحیٰ بن سعید' امام یحیٰ بن معین' امام ابوزرعہ رازی' امام ابو حاتم رازی' امام نسائی' امام جوزجانی' امام یعقوب بن سفیان' امام ابواحمد الحاکم وغیرھم نے اسے ضعیف' متروک اور غیر ثقہ قرار دیا ہے۔

(تہذیب 316/6 المغنی فی الضعفاء 572/2 میزان الاعتدال 734/4)

۲۔ ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

" مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِائَةً غُفِرَلَهُ "

"جس نے مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا' اس کی بخشش کردی گئی۔"

(تاریخ اصفہان 95/1)

اس روایت کی سند میں سفیان اور اعمش دو مدلس راوی ہیں جن کی تصریح بالسماع موجود نہیں اور احمد بن عبدالرحمٰن بن بحر السعدی کا فی الحال مجھے ترجمہ نہیں ملا۔

۳۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عَشْرًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ مِائَةً وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِائَةً كَتَبَ اللّٰهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ بَرَاءَةً مِنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةً مِنَ النَّارِ وَاَسْكَنَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ

الشُّهَدَاءِ))(طبرانی اوسط (7231)115/8طبرانی صغیر)

''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے اور جس نے مجھ پر دس مرتبہ درود پڑھا اللہ اس پر سو رحمتیں نازل کرتا ہے اور جس نے مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کے درمیان نفاق اور جہنم سے براءت لکھ دیتا ہے اور قیامت والے دن اسے شہداء کے ساتھ جگہ دے گا۔''

امام منذری فرماتے ہیں:

"وَفِیْ اِسْنَادِہٖ اِبْرَاھِیْمُ بْنُ سَالِمِ بْنِ شِبْلِ الْھَجَمِی لَا أعْرِفه بِجَرْحٍ وَلَا عَدَالَةٍ "(الترغیب والترھیب 495/2)

اس کی سند میں ابراہیم بن سالم کے بارے جرح اور تعدیل میں نہیں جانتا۔اس طرح اس کی سند میں عبدالعزیز بن قیس بن عبدالرحمٰن مجہول ہے(تقریب ص215)

4۔علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِائَةَ مَرَّةً جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَعَهٗ نُوْرٌ لَوْ قُسِمَ ذٰلِكَ النُّوْرُ بَیْنَ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ لَوْ سَعَتْهُمْ))

''جس نے جمعہ والے دن مجھ پر سو دفعہ درود پڑھا' وہ قیامت والے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک نور ہوگا اور اگر وہ نور ساری مخلوق پر تقسیم کر دیا جائے تو انہیں کافی ہوگا۔''

(حلیة الاولیاء47/8،ترتیب البغیه للھیثمی327/2)

یہ روایت بھی ضعیف ہے۔اس کی سند میں محمد بن عجلان مدلس ہے اور روایت معنعن

ہے۔اس میں سماع کی تصریح نہیں اوراس میں کچھ مجہول راوی ہیں۔

الغرض مجھے ایسی کوئی صحیح روایت نہیں ملی جن میں درود شریف کے متعلق 100 کے عدد کی تعیین ہوالبتہ رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی پر کثرت کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا حکم احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَكْثِرُو االصَّلٰوةُ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا))(صحيح الجامع الصغير 263/1)

''جمعہ والے دن اور جمعہ والی رات مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرے گا۔''

مزید احادیث صحیح الجامع اور سلسلہ صحیحہ میں ملاحظہ کریں۔البتہ صبح وشام دس دس بار درود پڑھنے کی حدیث موجود ہے جسے امام منذریؒ اور علامہ البانیؒ نے حسن قرار دیا ہے۔

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ حِيْنَ يَصْبِحُ عَشْرًا وَحِيْنَ يُمْسِيْ عَشْرًا اَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس نے مجھ پر صبح وشام دس دس بار درود شریف پڑھا قیامت والے دن اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔''

امام منذری فرماتے ہیں:

'' رواه الطبرانی باسنادین احدهما جید ''

اسے امام طبرانی نے دوسندوں سے روایت کیا ہے ان میں سے ایک جید ہے اور

علامہ البانی بھی اسے حسن قرار دیتے ہیں۔(صحیح الترغیب و الترھیب (1/245'246)
علامہ ھیثمی بھی اس کی ایک سند کو جید قرار دیتے ہیں۔

(مجمع الزوائد 10/123'10/163طبع جدید)

لہٰذا صبح و شام کے اذکار میں 10 بار درود شریف کا عدد صحیح ثابت ہے اسے معمول بنائیں اور پھر چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھتے رہیں بلکہ اگر آپ اپنی ساری دعاؤں کی جگہ درود ہی پڑھتے رہیں تو یہ بھی درست ہے۔ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رات کا دوتہائی حصہ گزر جاتا تو رسول کریم ﷺ کھڑے ہو جاتے اور فرماتے لوگو اللہ کو یاد کرو' اللہ کو یاد کرو۔آ گیا زلزلے کا جھٹکا' اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا۔موت آ گئی اپنی ہولناکیوں کے ساتھ' موت آ گئی اپنی ہولناکیوں کے ساتھ۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا اے اللہ کے رسول:

((إِنِّي أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِي فَقَالَ مَا شِئْتَ قَالَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قَالَ قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذًا تُكْفَى هَمُّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ))

"میں آپ پر کثرت سے درود پڑھا کرتا ہوں۔میں درود کی آپ کے لئے کیا مقدار رکھوں (یعنی اوردعاؤں کے مقابلے میں) آپ نے فرمایا: جس قدر تو چاہے۔عرض کیا کیا ایک چوتھائی؟ فرمایا جتنا تو چاہے۔اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔عرض کیا نصف فرمایا: جتنا تو چاہے۔اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے عرض کیا۔دوتہائی۔فرمایا: جتنا تو چاہے۔اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔میں نے

عرض کیا' میں تمام (وقت) آپ کے درود کے لیے وقف کردوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسی حالت میں تیرے مقاصد کی کفایت کی جائے گی اور تیرے گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

(سنن الترمذی کتاب صفة القیامة (2457) مستدرك حاکم 513/2 مسند احمد 136/5 مسند عبد بن حمید بحواله جلاء الافهام ص 40 رقم (59)

یا مقسط 700 بار اور سورہ یاسین 72 مرتبہ پڑھنا یہ تعداد کہیں ثابت نہیں۔ لوگوں کے اپنے مقرر کردہ اعداد ہیں۔ رسول اکرم ﷺ سے بعض اذکار عدد کے تعین کے بغیر اور بعض عدد کے تعین کے ساتھ ثابت ہیں جن کی تفصیل کے لئے آپ راقم کی کتب ''باغیچہ جنت'' ''حصن المجاہد'' اور ''پریشانیوں سے نجات'' ملاحظہ کریں جن میں احادیث صحیحہ و حسنہ سے اذکار وادعیہ درج کئے گئے ہیں اور جن کی تعداد رسول کریم ﷺ نے مقرر فرمائی ہے' وہ بھی واضح کی گئی ہے اور جو مطلق طور پر دعائیں مذکور ہوئی ہیں' انہیں بغیر تعداد کے ہی تحریر کیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق

●●●

كتاب الجامع

طبلے سارنگیاں اور گانا بجانا

﴿س﴾ بعض تقریبات میں طبلے' سارنگیاں اور فحش قسم کے گانے گائے جاتے ہیں۔ ایسی تقریبات میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾ ایسے گانے گانا یا سننا اور طبلے سارنگیاں بجانا حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِى لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾(لقمان)

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو بے ہودہ باتیں خریدتے ہیں۔''

اس آیت میں لھوالحدیث'' کی تفسیر گانے بجانے اور آلات طرب طبلے سارنگیاں وغیرہ ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی قسم اس آیت میں لھوالحدیث سے مراد گانا بجانا ہے۔''(تفسیر طبری)

معلوم ہوا کہ گانا بجانا' آلات طرب وغیرہ گمراہی کے آلات ہیں اور ایسی تقریبات جہاں ان کا استعمال ہوتا ہے ان میں شرکت نہیں کرنی چاہیے۔

عطیہ خون

﴿س﴾ کسی مسلمان مریض آدمی کو خون دینا کیسا ہے؟

﴿ج﴾ جب بوقت مجبوری ماہر حکماء یا ڈاکٹروں کے کہنے پر مریض کو خون کی ضرورت ہو تو خون کا عطیہ دینا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّ مَ عَلَيْكُمْ اِلاَّ مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ﴾

(الانعام :119)

''جو کچھ تمہارے اوپر حرام کیا ہے اس کی تفصیل اللہ نے بیان کر دی ہے الا یہ کہ تم کسی چیز کے لیے مجبور ہو جاؤ۔''

معلوم ہوا کہ اضطراری حالت میں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے اور یہ بقدر ضرورت ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿غَيْرَ بَاغٍ وَلاَ عَادٍ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ))(متفق علیه)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے جو نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے کسی کے حوالے کرتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت میں لگا ہوتا ہے اللہ تعالی اس کی ضرورت میں ہوتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت مسلمان کی حاجت پوری کرنا جائز اور درست ہے۔اور یہ خون دینا حالت اضطرار میں بالکل صحیح ہے۔ واللہ اعلم

آیت کریمہ کی فضیلت

﴿س﴾ آیت کریمہ پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟ بعض لوگ گھروں میں گٹھلیوں پر آیت کریمہ پڑھواتے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیرا (ذوالفقار۔لاہور)

﴿ج﴾ آیت کریمہ قرآن مجید کی سورۃ الانبیاء رقم 87۔کی مشہور آیت ہے اللہ کے نبی یونس علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد باری تعالی ہے۔

''اور مچھلی والے (نبی یونس ﷺ کو یاد کیجئے جب وہ غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔بالآخر اس نے اندھیروں میں پکارا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو پاک ہے بے شک میں ہی خطا کاروں سے ہوں تو ہم نے اس کی پکار کو قبول کیا اور غم سے نجات دی اور ہم

ایمان والوں کو اس طرح نجات دیتے ہیں۔'' (الانبیاء 87)

قرآن حکیم کی آیت مجیدہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں گرفتار ہو گئے اور مشکلات میں پھنس گئے تو انہوں نے مشکل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ کو ان کلمات کے ساتھ پکارا۔ تو اللہ نے انہیں ان اندھیروں سے نجات دے دی اور بتا دیا کہ مشکلات کو حل کرنے والا' مصائب و بلیات سے نجات دینے والا۔ دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا سب سے بڑا فریادرس غوث اعظم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور مشکل سے نجات صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کوئی بھی ایمان والا اللہ تعالیٰ کو پکارے تو وہ اس کی دعا سنتا اور قبول کرتا ہے۔

جیسا کہ آیت کے آخر میں فرمایا کہ ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔ اس لئے مشکل حالات میں آفات و بلیات کو ٹالنے کے لئے آیت کریمہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ندا کی جائے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" دَعْوَةُ ذِی النُّوْنِ اِذَا دَعَابِهَا وَهُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ ﴿لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين﴾ فَاِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا مُسْلِمٌ رَبَّهُ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا اِسْتَجَابَ لَهُ "

(عمل اليوم والليلة (656) ص416 واللفظ له مسند احمد 170/1 مستدرك حاكم 505/1' 353/2 المختاره للضياء المقدسی۔ ترمذی كتاب الدعوات (3505)

مچھلی والے پیغمبر کی دعا جب انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں پکارا: ﴿لا الـــه الا انـــت سبحانک انی کنت من الظالمین﴾ تھی۔

اس دعا کے ساتھ کوئی مسلمان کسی بھی چیز کے متعلق دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول کیا یہ دعا یونس علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص ہے یا عام مومنین کے لئے بھی ہے تو نبی کریم

ﷺ نے فرمایا:

"اَلَا تَسْمَعُ اِلٰی قَوْلِہٖ تَعَالٰی: فنجیناہ من الغم و کذلك ننجی المومنین"

''کیا تو اللہ تعالی کا یہ فرمان نہیں سنتا: ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیتے ہیں۔''

یعنی یہ دعا صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تمام ایمان والوں کے لئے بھی ہے جب بھی ایمان والے اللہ تعالی کو آفات و بلیات' مشکلات و مصائب' دکھ دآ لام الغرض کسی بھی کام کے لئے پکاریں گے تو اللہ تعالی ان کی دعا سن کر قبول کرے گا اس لئے جو شخص ضرورت مند ہے وہ خود یہ دعا اللہ کے حضور کرے۔ اپنی حاجت اللہ کے سامنے رکھ کر اسے پکارے۔

عامۃ الناس کی اکثریت اس بات میں گرفتار ہے کہ وہ کھجور کی گٹھلیاں یا اس جیسی دیگر اشیاء جمع کر کے لوگوں کو اکٹھا کر لیتے ہیں اور آیت کریمہ پڑھواتے ہیں یہ ایک رواج بن چکا ہے اور بالکل بے ثبوت اور بے بنیاد چیز ہے ہر انسان کو اپنا تعلق اللہ تعالی سے استوار کرنا چاہئے خود اللہ تعالی سے دعا مانگے اس کی عبادات کی طرف متوجہ ہو۔ توبہ و استغفار سے کام لے اللہ تعالی غفور رحیم ہے۔

وہ ضرور معاف کرے گا اور اپنی رحمت بے پایاں سے کرم کرے گا۔ ہاں زندہ انسان سے جا کر دعا بھی کروا سکتا ہے لیکن لوگوں کا ہجوم بلوا کر سنگ ریزوں یا گٹھلیوں پر آیت کریمہ کا ورد کروانا سوائے ایک رواج کے اور کچھ نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی مذکورہ حدیث اور قرآن حکیم کی آیت سے صرف یہی بات واضح ہوتی ہے کہ جس مسلم کو کوئی حاجت ہے وہ خود اللہ تعالی سے ان کلمات کے ذریعے دعا کرے اللہ تعالی ہماری آفات و مشکلات کا ازالہ فرمائے اور قحط سالی' دکھ درد اور ہر قسم کی بیماریوں سے شفا نصیب فرمائے۔

گری پڑی چیز اٹھانے کا حکم

(س) لقطہ یعنی گری پڑی چیز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یعنی سب سے پہلے تو یہ کہ اٹھالینی چاہیے کہ نہیں اگر سرراہ پڑی ہوئی ہو تو؟ دوسرا یہ کہ اگر بالفرض آدمی پکڑ لیتا ہے اور اعلان وغیرہ کرنے کے باوجود اس چیز کا اصل مالک نہیں ملتا تو پھر کیا حکم ہے؟ بعض اوقات یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ چیز شہر میں کسی بارونق بازار میں پڑی ہوئی ملے تو اس صورت میں اعلان کرنے سے اس چیز کے کئی جعلی دعویدار بھی اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں جس سے فتنے کا خدشہ ہوسکتا ہے۔ ان تمام باتوں کے بعد مسئلہ یہ ہے کہ وہ گری پڑی چیز ایک آدمی اٹھالیتا ہے اور وہ اپنے گھر آجاتا ہے تو اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ چیز بھی ہوسکتی ہے اور نقدی وغیرہ بھی ہوسکتی ہے۔ آیا وہ چیز بیت المال میں جمع کروادے یا صدقہ کردے یا اپنے مصرف میں لے آئے یا کسی مسجد مدرسہ کی تعمیر میں لگا دے یا مجاہدین کے فنڈ میں جمع کروادے یعنی کون سی راہ اختیار کی جائے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کا تفصیلی جواب ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(ماسٹر محمد اشفاق مالومہے ڈسکہ۔ سیالکوٹ)

(ج) لقطہ زمین پر گری ہوئی چیز پکڑنے کو کہتے ہیں اس کی تین صورتیں ہیں۔

1۔ وہ چیز بالکل معمولی سی ہو اور کھانے کے کام آنے والی ہو۔ اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اسے اٹھا کر صاف کرکے تناول کر لیا جائے جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ مَسْقُوطَةٍ فَقَالَ لَوْلَا أَنْ تَكُونَ مِنْ صَدَقَةٍ لَأَكَلْتُهَا))

"نبی کریم ﷺ ایک گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو فرمایا: اگر یہ صدقہ کی نہ ہوتی تو میں اسے کھالیتا۔"

(صحیح البخاری کتاب البیوع باب ما یتنزه من الشبهات(2055)

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّی لَأَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِی فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِی فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا ثُمَّ أَخْشَى أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً فَأُلْقِيهَا))

(صحیح البخاری کتاب فی اللقطه باب اذا وجد تمرة فی الطریق(2432)

''ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: (کبھی) جب میں اپنے گھر پلٹتا ہوں تو اپنے بستر پر پڑی ہوئی کھجور کو دیکھتا ہوں اور کھانے کے لئے اس کو اٹھالیتا ہوں لیکن پھر خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو اس لئے اسے پھینک دیتا ہوں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر راستے میں کوئی ایسی گری پڑی چیز مل جائے جو معمولی ہو اور کھانے کے قابل ہو تو اٹھا کر کھا سکتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" ظاهر فی جواز أكل ما يوجد من المحقرات ملقی فی الطرقات لأنه ﷺ ذكر انه لم يمتنع من اكلها الا تورعا لخشية ان تكون من الصدقة التی حرمت عليه لا لكونها مرمية فی الطريق فقط"

(فتح الباری 86/5)

''یہ حدیث راستے میں پڑی ہوئی حقیر چیزوں کو اٹھا کر کھالینے کے جواز میں ظاہر ہے اس لئے کہ نبی ﷺ نے جو ذکر کیا ہے کہ انہیں اس کھجور کے کھانے میں صرف یہ چیز مانع ہوئی کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو جو آپ پر حرام کیا گیا ہے نہ کہ اس کا راستہ میں فقط گرا پڑا ہونا۔ لہٰذا معمولی سی کھانے والی چیز گری پڑی مل جائے تو اسے اٹھا کر کھا سکتے ہیں۔ اس کا اعلان کرنے کی حاجت نہیں۔''

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ چیز ہو تو معمولی نوعیت کی مگر کھانے کے کام آنے والی

نہ ہو جیسے چھری، کوڑا، رسی چاقو وغیرہ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں کہ تین دن تک لوگوں کے اجتماع میں اعلان کرتا رہے یا اتنی دیر اعلان کرے کہ اسے یقین ہو جائے کہ اس کا مالک اس کے بعد اسے تلاش نہیں کرے گا۔

سید سابق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" الشئي الحقير لا يعرف سنة بل يعرف زمنا يظن ان صاحبه لا يطلبه بعده وللملتقط أن ينتفع به إذا لم يعرف صاحبه "

(فقه السنة 233/3)

''حقیری چیز کا سال بھر اعلان نہ کیا جائے بلکہ اتنی دیر اعلان کیا جائے کہ یقین ہو جائے کہ اس کا مالک اس کے بعد اسے تلاش نہیں کرے گا۔ایسی چیز کو اٹھانے والا اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے جب اس کا مالک معلوم نہ ہو۔''

اس کی دلیل بعض روایات وآثار سے ملتی ہے۔جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

" رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَاَشْبَاهِهِ يَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ يَنْتَفِعُ بِهِ "

(ابو داؤد كتاب اللقطة (1717)بيهقي 195/6)

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لاٹھی، کوڑا رسی اور اس جیسی اشیاء میں رخصت دی ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسی چیز گری پڑی اٹھالے تو وہ اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"وفي اسناده ضعف" اس کی سند میں کمزوری ہے۔(فتح الباری 85/5)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"في رفع هذا الحديث شك وفي اسناده ضعف "(بيهقي 195/6)

اس حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔امام ابو داؤد نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ راجح بات یہ ہے کہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں۔اور مرفوع و موقوف دونوں صورتوں میں علت یہ ہے کہ اس کی سند میں ابو الزبیر مدلس راوی ہیں اور انہوں نے اپنے استاذ سے سننے کی وضاحت نہیں کی۔

(ارواء الغلیل 15/6)

علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث ہے کہ انہیں بازار سے ایک دینار ملا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں کہا تین دن تک اس کا اعلان کر۔انہوں نے ایسا ہی کیا تو کوئی شخص ایسا نہ ملا جو اس دینار کو پہچاننے والا ہو۔تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع کر کے آپ کو خبر دی۔آپ نے انہیں کہا' اسے کھا لو۔نبی ﷺ نے اس ایک دینار کو 12 درھم میں توڑا اس میں سے 3 درھم کی کھجوریں' ایک درھم کا زیتون خریدا......الغرض ان کے پاس 3 درھم باقی بچ گئے۔جب انہوں نے ان اشیاء میں سے کچھ حصہ استعمال کر لیا تو اس دینار کا مالک آ گیا۔علی رضی اللہ عنہ نے اسے کہا مجھے نبی کریم ﷺ نے اس کو کھا لینے کا حکم دیا تھا وہ اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے اور یہ بات بیان کی۔

آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا' اس کا دینار اسے ادا کر دو۔انہوں نے کہا ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب ہمارے پاس کوئی چیز آئے گی تو ہم اسے ادا کر دیں گے۔

(عبد الرزاق باب احلت اللقطة الیسیرة 10/142`143 رقم (18637) نصب الرایة 470/3 کشف الاستار 2/131`132 (1368) مسند ابی یعلی 2/332 (1073))

امام بزار فرماتے ہیں' اس کی سند میں ابو بکر ابن ابی سبرة ہے۔وہ لین الحدیث ہے۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں ابو بکر بن ابی سبرة وضاع ہے۔

(مجمع الزوائد 169/4) رقم (6849)

لیکن حافظ ضیاء مقدسی فرماتے ہیں کہ یہ ابو بکر بن ابی سبرة کے علاوہ ہے اور اس

حدیث کو انہوں نے احادیث مختارہ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" مَنِ الْتَقَطَ لُقْطَةً يَسِيرَةً دِرْهَمًا أَوْ حَبْلًا أَوْ شِبْهَ ذٰلِكَ فَلْيُعَرِّفْهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ كَانَ فَوْقَ ذٰلِكَ فَلْيُعَرِّفْهُ سِتَّةً "(مسند احمد 173/4)

"جو شخص کوئی ہلکی سی چیز گری پڑی اٹھالے جیسے درھم یا رسی یا اس جیسی کوئی اور چیز تو وہ تین دن تک اس کا اعلان کرے۔ اگر اس سے اوپر ہو تو ایک سال تک اس کا اعلان کرے۔"

مسند احمد کے مطبوعہ نسخے میں اس حدیث کے آخر میں ایک سال کا ذکر ہے جب کہ مجمع الزوائد ۱۶۹/۴ میں "فليعرفه ستة ايام" کے الفاظ ہیں یعنی چھ دن تک اس کا اعلان کرے۔ مسند احمد کے اطراف 470/5 میں بھی اسی طرح ان الفاظ کو ضبط کیا گیا ہے اور محقق نے مسند احمد کے ترکی اور ہندی مخطوطے سے بھی اسی طرح ثبت کیا ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے یعنی ایسی چیز کا اعلان تین یا چھ دن تک کرے۔ اگر مالک نہ آئے تو استعمال کرلے لیکن اس کی سند میں عمر بن عبداللہ بن یعلی کمزور راوی ہے۔ مذکورہ بالا روایات میں اگرچہ ضعف ہے لیکن ان کی تائید میں آثار صحیحہ موجود ہیں جیسا کہ اسماعیل بن امیہ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" إِذَا وَجَدْتَ لُقْطَةً فَعَرِّفْهَا وَإِلَّا فَشَأْنُكَ بِهَا "

(مصنف عبد الرزاق 136/10)

جب تو کوئی گری پڑی چیز پائے تو مسجد کے دروازے پر تین دن تک اس کا اعلان کر۔ اگر تو اس کو پہچاننے والا آجائے تو اس کے حوالے کر اور اگر نہ آئے تو اسے استعمال کر لے۔ اس لقطہ کو معمولی سی چیز پر ہی محمول کیا جائے گا۔

جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور اثر میں ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا جس کو ایک ستو کی تھیلی ملی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ وہ تین دن تک اس کا

اعلان کرے۔ پھر وہ تین دن کے بعد آیا اس نے کہا: اس کو پہچاننے والا کوئی نہیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا' اے غلام اسے پکڑ لے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے درندے لے جائیں یا ہوائیں اڑا دیں۔ (عبدالرزاق 143/10)

لہٰذا جب کوئی معمولی سی چیز ملے جو کھانے کے کام نہ آنے والی ہو تو اس کا تین دن تک یا اتنے دن تک اعلان کرے کہ یقین ہو جائے کہ اس کا مالک اسے تلاش نہ کرے گا اس کے بعد استعمال کر سکتا ہے۔

3۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ چیز قیمتی ہو۔ اس کا سال بھر اعلان کرتا رہے۔ عصر حاضر میں اخبارات' ریڈیو' بڑے بڑے جلسوں میں اعلان کرایا جا سکتا ہے اور اگر سال تک مالک نہ آئے تو اسے اپنے تصرف میں لا سکتا ہے اگر مالک آ جائے تو اسے وہ چیز واپس کرنی پڑے گی اگر وہ استعمال کر چکا ہو اور اصل چیز موجود نہ ہو تو اتنی قیمت ادا کر دے۔ اور چیز جب ملے تو اس کی علامات اور نشانیاں اچھی طرح ذہن نشین کر لے یا نوٹ کر لے۔

لقطہ اگر حیوان ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو ایسا ہو گا جو اپنا دفاع خود کر سکتا ہو گا جیسے اونٹ' بیل وغیرہ تو ایسے حیوان کو نہ پکڑا جائے اور اگر ایسا حیوان ہو کہ وہ اپنا دفاع خود نہ کر سکتا ہو تو اسے پکڑ لیا جائے جیسے بکری وغیرہ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے گری پڑی چیز کے بارے میں پوچھا' آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا فَشَأْنُكَ بِهَا"

اس کا ڈاٹ اور تسمہ خوب پہچان لے پھر سال بھر اس کا اعلان کرتا رہے۔ پھر اگر اس کا اصل مالک آ جائے تو اس کے سپرد کر دو ورنہ جو چاہو کرو۔ پھر اس نے گم شدہ بکریوں کے بارے میں پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا:

"هِيَ لَكَ اَوْ لِاَ خِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ"

وہ تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیے کے لیے۔ پھر اس نے گم شدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"مَالَكَ وَلَهَا ؟وَمَعَهَا حِذَاءُ هَا وَسِقَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَجِدَهَا رَبُّهَا"

"تجھے اس سے کیا سروکار اس کا پانی' اس کے جوتے اس کے پاس ہیں گھاٹ پر آ کر پانی پی لے گا۔ درختوں کے پتے کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کے پاس پہنچ جائے گا۔"

(صحیح البخاری کتاب اللقطة (2429) صحیح مسلم کتاب اللقطة (1722) الموطاللمالك باب فی اللقطة)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ لقطہ اگر قیمتی چیز ہو یا جانور بکری وغیرہ کی مثل ہو تو اس کو پکڑ لے اس کی علامات ونشانیاں اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔ سال بھر اس کا اعلان کرتا رہے اگر اس کا مالک سال بھر اعلان تک نہ آئے تو اسے اپنے استعمال میں ضمانت وذمہ داری کے ساتھ لے آئے اور اگر اس کا مالک بعد میں آ جائے تو اس کی ملکیت باقی رہتی ہے اور اسے وہ چیز واپس کرنی پڑے گی اور اگر ایسا حیوان ہو جو اپنا دفاع کر سکتا ہو تو اسے نہیں پکڑنا چاہیے۔ گری پڑی چیز جس شخص کو مل جائے اسے وہ چیز غائب یا چھپانی نہیں چاہیے۔

ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے لقطہ کے بارے سوال کیا گیا آپ نے فرمایا:

"تَعْرِفُ وَلَا تَغِيبُ وَلَا تَكْتُمُ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ"

(مجمع الزوائد 4/297 رقم (6839) طبع جدید مسند بزار (1367 کشف الاستار)

"اس کی شناخت کی جائے اور اسے غائب نہ کیا جائے اور نہ چھپایا جائے۔

اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کے حوالے کر دو اور اگر نہ آئے تو وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔"

شناخت و پہچان کا حکم اس لئے ہے کہ اس کے جعلی دعویدار پیدا نہ ہوں بلکہ جو شخص صحیح علامات بیان کر دے اس کے حوالے کی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

سورۃ الواقعہ کے فضائل

(س) سورۃ الواقعہ کے بارے میں ہم نے سنا ہے جو آدمی رات کو پڑھے تو اللہ پاک اس سے رزق کی تنگی ہٹا دیتے ہیں۔ کیا قرضدار آدمی اس کو دن کے اندر بھی پڑھ سکتا ہے۔ مہربانی کر کے قرآن و حدیث سے آگاہ کریں اس کے علاوہ قرضدار کے لئے اور وظیفے جو قرآن و حدیث میں ملتے ہیں ضرور بتائیں۔ (ایک سائل۔ بھکر)

(ج) سورۃ الواقعہ کے بارے مشہور ہے کہ یہ سورت غنی اور تونگری والی ہے جو اسے رات کو پڑھے اپنے اہل وعیال کو پڑھائے اسے فاقہ کبھی نہیں پہنچتا۔ لیکن اس کے متعلق مروی روایات ضعیف اور موضوع ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہوئے سنا:

"مَنْ قَرَءَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةَ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا قَالَ وَقَدْ اَمَرْتُ بَنَاتِيْ اَنْ يَّقْرَاْنَهَا كُلَّ لَيْلَةٍ"

"جس شخص نے ہر رات سورۃ الواقعہ تلاوت کی اسے فاقہ کبھی بھی نہیں پہنچے گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسے ہر رات تلاوت کریں۔"

(عمل اليوم والليلة لابن السنى (680) المطالب العالية (3765) شعب الايمان للبيهقى باب فى تعظيم القرآن (2498) العلل المتناهية 105/1 تفسير ابن كثير سورة الواقعه

ص 1293 مطبوعة مكتبه دار السلام)

ابن کثیر اور شعب الایمان بیہقی میں یہ بھی ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے گئے تو کہا۔ آپ کو کیا شکوہ ہے؟ تو انہوں نے کہا: اپنے گناہوں کا پھر کہا آپ کی کیا خواہش ہے تو انہوں نے کہا: اپنے رب کی رحمت کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کسی طبیب کو بھیج دوں کہنے لگے طبیب نے ہی تو بیمار کیا ہے۔ پھر کہا میں تمہارے لئے کچھ مال کا حکم دوں؟ کہنے لگے ایک دن پہلے آپ نے مجھے اس سے منع کیا ہے۔ مجھے اس کی حاجت نہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اسے اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑ دینا۔ کہنے لگے: میں نے انہیں ایک ایسی چیز کی تعلیم دی ہے جب وہ اسے پڑھیں گے تو فقیر نہیں ہوں گے میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے جس نے ہر رات سورۃ الواقعہ کی تلاوت کی وہ فقیر نہیں ہوگا۔ یہ روایت ضعیف ومضطرب ہے۔

۱۔ اس کی سند میں شجاع یا ابو الشجاع مجہول راوی ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ر:

"هذا حديث منكر 'وشجاع والسرى لا اعرفهما"

یہ روایت منکر ہے اور اس کی سند میں شجاع اور السری کو میں نہیں پہچانتا

(العلل المتناهية 105/1 ميزان الاعتدال 2/265'4/536) لسان الميزان 1392/6

السری کی توثیق میزان وغیرہ میں موجود ہے۔

۲۔ اسی طرح اس کی سند میں ابوطیبہ یا ابوظبیہ بھی مجہول ہے۔

(ميزان الاعتدال 542/4 تقريب ص 413)

۳۔ اس کی سند میں اضطراب بھی ہے السری کے شاگردوں نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ اس کا استاد شجاع ہے یا ابو الشجاع اسی طرح شجاع کے استاذ میں بھی اختلاف ہے کہ وہ ابو فاطمہ ہے یا ابوظبیہ پھر انہوں نے ابوظبیہ کا لفظ ضبط کرنے میں بھی اختلاف کیا ہے کہ وہ ابوظبیہ ہے یا ابوطیبہ؟

۴۔ اور یہ ابوظبیہ عیسی بن سلیمان الجرجانی ہے اور اس کی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

سے روایت منقطع ہے تفصیل کے لئے دیکھیں۔

(لسان المیزان 61/7اور تعلیق العلل المتناھیة ص 105/1)

۵۔علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے ضعف کی چار وجوہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ یہ منقطع ہے جیسا کہ امام دارقطنی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

۲۔اس کا متن منکر ہے جیسا کہ امام احمد نے ذکر کیا۔

۳۔اس کے راوی ضعیف ہیں جیسا کہ امام ابن جوزی نے کہا۔

۴۔ یہ روایت مضطرب ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر امام احمد' امام ابوحاتم' امام ابن ابی حاتم' امام دارقطنی' امام بیہقی وغیرھم کا اجماع ہے۔ملاحظہ ہو۔

(سلسلة الاحادیث الضعیفه 305/1رقم 289)

۲۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت ہے کہ:

"مَنْ قَرَءَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةَ كُلَّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَمَنْ قَرَأَ كُلَّ لَيْلَةٍ ﴿لَا اقسم بيوم القيامة﴾ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ فِيْ صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ"

جس شخص نے ہر رات سورۃ الواقعہ تلاوت کی اسے کبھی بھی فاقہ نہیں پہنچے گا اور جس نے ہر رات ﴿لا اقسم بیوم القیامۃ﴾ کی تلاوت کی وہ اللہ سے قیامت والے دن اس حال میں [illegible] کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا۔

تذکرة الموضوعات ص:78ذیل الاحادیث الموضوعة (177)

اس کی سند میں احمد بن محمد بن عمر الیمامی کذاب راوی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے۔

(سلسلة الاحادیث الضعیفه 305/1(290)کتاب المجروحین 143/1میزان 143/1)

۳۔انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ:

"مَنْ قَرَءَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةَ وَتَعَلَّمَهَا لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَلَمْ يَفْتَقِرْ

هُوَ وَاَهْلُ بَيْتِه "

''جس نے سورۃ الواقعہ کی تلاوت کی اور اسے سیکھا وہ غافل لوگوں میں نہیں لکھا جائے گا اور وہ اور اس کے گھر والے فقیر نہیں ہوں گے۔''

امام سیوطی نے ''ذیل الاحادیث الموضوعہ'' (277) میں اسے ابوالشیخ کی روایت بطریق عبدالقدوس بن حبیب از حسن از انس رضی اللہ عنہ مرفوع بیان کیا ہے اور فرمایا: عبد القدوس بن حبیب متروک ہے امام ابن حبان نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت وضع کرتا تھا امام عبداللہ بن مبارک نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(سلسلة الاحاديث الضعيفه 306/1(391)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سورۃ الواقعہ کے متعلق مروی روایات ضعیف اور موضوع ہیں۔ بہت سارے خطیب اور واعظ اس روایت کو بیان کرتے ہیں اور وظائف و اوراد بتانے والے مشائخ بھی اسے اپنے مریدوں کو تلقین کرتے ہیں اور فراخی رزق کے لئے یہ فضائل کیلنڈروں کی صورت میں شائع بھی کئے جاتے ہیں اس کی وجہ عام طور پر یہ ہے کہ خطباء اور واعظین کو روایت کے صحت وسقم سے کوئی غرض نہیں ہوتی اور کچھ اهل علم اس مسئلہ میں متساہل ہیں وہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت بھی قبول کئے جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک کسی عمل کی فضیلت و استحباب ایک خالص شرعی مسئلہ ہے اس میں ایسی روایت قابل حجت اور لائق استناد ہے جس میں کوئی علت قادحہ نہ ہو جو اسے ضعیف بنا دے۔

ضعف بیان کرنا اہل علم پر لازم ہے اگر وہ ضعف بیان نہیں کریں گے تو عام لوگ اسے صحیح سمجھ کر قبول کرتے جائیں گے۔ اور مسائل کے لئے صحیح اور حسن احادیث کے علاوہ کسی سے حجت نہیں پکڑنی چاہئے اور یہ مذہب بڑے بڑے ائمہ محدثین کا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولا يجوز ان يعتمد في الشريعة على الاحاديث الضعيفه التي

ليست صحيحة ولا حسنة "

(قاعده جليلة في التوسل والوسيلة ص:112'113)

شریعت میں ایسی احادیث ضعیفہ جو نہ صحیح ہیں اور نہ حسن قابل اعتماد نہیں مشہور حنفی عالم محمد زاہد کوثری نے لکھا ہے کہ "ضعیف روایت کو مطلق طور پر نہ لینا۔ امام بخاری' امام مسلم' امام ابوبکر بن العربی جو اپنے دور کے بہت بڑے مالکی تھے امام ابوشامہ المقدسی جو اپنے وقت کے کبیر شافعی عالم تھے' امام ابن حزم اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے اور ان کا اس مسئلہ میں قوی غیر مہمل بیان ہے۔(مقالات کوثری ص:45'46)

مزید تفصیل کے دیکھیں راقم کی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" جلد دوم کا مقدمہ۔ لہٰذا ضعیف روایات مطلق طور پر قابل حجت نہیں۔ فضائل میں اور نہ مسائل میں فقرو تنگ دستی کے لئے اللہ تعالیٰ سے اخلاص سے دعا کریں وہ ضرور دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

﴿رَبِّ اِنِّی لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾(القصص28:24)

"اے میرے پروردگار! تو بھلائی میں سے جو کچھ میری طرف اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔"

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب غلام ان کے پاس آیا اور کہنے لگا میں اپنی مکاتبت سے عاجز آ چکا ہوں آپ میرا تعاون کریں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے تھے اگر تیرے اوپر صیر پہاڑ جتنا بھی قرض ہو اللہ تعالیٰ اسے اتار دے گا پھر انہوں نے یہ دعا بتلائی۔

"اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ"

"اے اللہ اپنے حلال کے ذریعے اپنے حرام سے میری کفایت فرما اور اپنے فضل کے ساتھ مجھے اپنے علاوہ سے غنی کر دے۔"

(ترمذی کتاب الدعوات (3547)مسند احمد 153/1مستدرک حاکم 538/1)

مزید وظائف اوراد کے لئے راقم کی کتاب ''پریشانیوں سے نجات'' ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا طلق بن علی کے واقعہ کی حقیقت

س: سیدنا طلق بن علی کے واقعہ کی حقیقت بیان کریں؟

عام طور پر ذکر واذکار کے موضوع پر مطبوعہ کتب میں ایک روایت درج ہوتی ہے کہ سیدنا طلق فرماتے ہیں کہ ایک شخص سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ کا مکان جل گیا۔ انہوں نے فرمایا نہیں جلا پھر دوسرے شخص نے یہی خبر دی تو فرمایا: نہیں جلا پھر تیسرے شخص نے آ کر کہا:

کہ اے ابو درداء! آگ کے شرارے بہت بلند ہوئے مگر جب آپ کے مکان تک آگ پہنچی تو بجھ گئی فرمایا مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کرے گا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھ لے شام تک اس کو کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی میں نے صبح یہ کلمات پڑھے تھے اس لئے مجھے یقین تھا کہ میرا مکان نہیں جل سکتا۔ وہ کلمات یہ ہیں۔

''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْلَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ''

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ واقعہ صحیح و درست ہے اور اس روایت کی کیا حیثیت ہے؟ (مولوی محمد اسماعیل سلفی آرائیاں والا گاؤں کنگن پور ضلع قصور)

ج: یہ روایت عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (58'57) کنز العمال (3583) الاسماء

والصفات للبیھقی 269/1'270 کتاب الاذکار للنووی (248)ص 116 میں موجود ھے اس کی ایک سند میں الاغلب بن تمیم ہے۔ جسے امام احمدؒ ابن حبان اور امام بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

(التاریخ الصغیر 216/2 کتاب المجروحین /175 اور امام بخاری جسے منکر الحدیث قرار دیں اس سے روایت لینا حلال نہیں۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

"کل من قلت فیه منکر الحدیث فلا تحل الروایة عنه"

(میزان الاعتدال 6/1602/2 قواعد فی علوم الحدیث ص 258 طبقات الشافعیه الکبری للسبکی 9/2 الرفع والتکمیل ص 208 فتح المغیث للسخاوی 400/1 تدریب الراوی 349/1)

ہر وہ شخص جس کے متعلق میں ''منکر الحدیث'' کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔

دوسری سند میں معان ابو عبداللہ اور اس کا استاذ دونوں مجہول راوی ہیں لہٰذا یہ روایت درست نہیں۔

افضل کون

(س) ایک حدیث میں ہے کہ دو صحابی تھے ایک شہید ہو گیا دوسرا چالیس دن بعد طبعی موت مر گیا اور پہلے جنت میں پہنچ گیا کیونکہ اس نے بعد میں زیادہ نیکیاں کر لی تھیں اس حدیث کا کیا مفہوم ہے کہ نمازی آدمی اپنی نمازوں کی وجہ سے شہید سے زیادہ رتبہ پا گیا۔ کئی لوگ یہ حدیث بیان کر کے جہاد کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نمازیں پڑھتے رہو شہید سے بھی زیادہ مقام ملے گا اس حدیث کی صحیح تفہیم کیا ہے؟

(ایک سائل۔ لاہور)

(ج) پہلے اصل حدیث ملاحظہ فرمائیں پھر اس کا مفہوم ذکر کرتا ہوں۔ بتوفیق اللہ تعالی۔

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو قضاعہ میں سے دو آدمی نبی کریم ﷺ کے ساتھ اسلام لائے ان دونوں میں سے ایک اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا اور دوسرا ایک سال بعد اللہ کو پیارا ہوا۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ بعد میں فوت ہونے والا شہید سے پہلے جنت میں داخل ہو گیا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے بڑا تعجب ہوا میں نے صبح رسول اللہ ﷺ کے پاس اس بات کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلَيْسَ قَدْ صَامَ بَعْدَهُ رَمَضَانَ وَصَلَّى سِتَّةَ آلافِ رَكْعَةً أَوْ كَذَا وَ كَذَا رَكْعَةً صَلوٰةَ السَّنَةِ"

"کیا اس نے بعد میں رمضان کے روزے نہیں رکھے اور چھ ہزار رکعات نماز یا اتنی اتنی رکعات سال بھر ادا نہیں کیں۔"

(مسند احمد 333/2 الترغیب والترھیب 244/1 مجمع الزوائد 207/10 طبع جدید 339/10 امام منذری اور علامہ ہیثمی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

اس طرح طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جو خواب دیکھنے والے ہیں ان کی زبانی بھی یہ حدیث موجود ہے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب تعبیر الرؤیا باب تعبیر الرؤیا (3925) بیہقی 372/3 مشکل الآثار للطحاوی 100/3 صحیح ابن حبان)

اس صحیح حدیث سے بعض لوگ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا اور روزہ رکھنے والا شخص شہید سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ لہٰذا نماز روزہ کرتے رہو جہاد کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ فلسفہ بالکل غلط ہے اور نہ ہی حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ نماز روزہ کرتے رہیں اور جہاد نہ کریں بلکہ یہ دونوں شخص مجاہد بھی تھے اور نمازی بھی تھے۔ امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس مسئلہ کو شرح وبسط کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ یہ دونوں شخص مہاجرین میں سے تھے اور دونوں نے اکٹھے ہجرت کی اور دونوں جہاد وغیرہ اعمال میں برابر تھے ایک تو محاذ جنگ میں شہید ہو گیا اور دوسرا مرابط (محاذ جنگ پر پہرہ دار یا ہر وقت جہاد کے لئے تیار) تھا

اور اس کے ساتھ اسے دیگر اعمال صالحہ کا موقعہ بھی مل گیا اور مرابط کے بارے میں یہ حدیث بھی ہے کہ مرابط کا عمل واجر جاری رہتا ہے لہٰذا یہ بعد میں فوت ہونے والا اپنے زائد اعمال کی وجہ سے اپنے بھائی سے آگے نکل گیا۔ ملاحظہ ہو (مشکل الآثار 103/3)

معلوم ہوا کہ یہ دونوں صحابی مہاجر ومجاہد تھے اور ایک مجاہد شہید ہو گیا جب کہ دوسرا مجاہد اپنے سال کے اعمال صالحہ کی وجہ سے آگے نکل گیا۔ لہٰذا بعض متصوفین اور منکرین جہاد کا اس روایت سے استدلال کر کے جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھے رہنا اور اللہ ہو کا تصور باندھ کر مصنوعی ذکر کے طریقوں میں مشغول رہنا اور لوگوں کو جہاد سے روکنا ایک مغالطہ اور دھوکہ ہے اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے اور یہ بھی یاد رہے کہ کچھ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال صالحہ کی بنا پر صدیقیت کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں اور شہداء سے بھی آگے نکل جاتے ہیں لیکن یہ مقام مکمل دین اسلام کو اپنانے اور عمل پیرا ہونے سے ہی ملتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ جیسے عمل صالح اور ایمان کا انکار کر کے نہ صدیقیت کا مقام ملتا ہے اور نہ ہی شہادت کا۔

اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔ عبید اللہ بن خالد السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان مواخات قائم کی ان میں سے ایک شہید کر دیا گیا اور دوسرا اس کے بعد فوت ہوا ہم نے اس کا جنازہ پڑھا نبی ﷺ نے فرمایا تم نے کیا کہا؟ صحابہ نے کہا ہم نے اس کے لئے دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْهُ بِصَاحِبِهٖ"

اے اللہ تو اسے بخش دے اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔ اے اللہ اسے اس کے ساتھی کے ساتھ ملا دے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

"فَاَيْنَ صَلَاتُهٗ بَعْدَ صَلَاتِهٖ وَاَيْنَ عَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ فَلَمَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ"

''اس کی نماز اس کی نماز کے بعد کہاں گئی اور اس کا عمل اس کے عمل کے بعد کہاں گیا؟ ان دونوں کے درمیان آسمان وزمین کا فرق ہے۔''

(سنن النسائی کتاب الجنائز باب الدعا (1984) سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب في النور يرى عند قبر الشهيد (2524 مسند احمد 500/2 کتاب الزهد لابن المبارك (1341) مسند (79) کتاب الزهد للبیهقی (633)

ناراضگی کی حالت میں خاوند کی وفات

س میری والدہ اور میرے والد کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور کئی دن تک ناراضگی چلتی رہی۔ اس دوران والدہ نے والد صاحب کو منانے کی کوشش کی لیکن وہ غصے میں رہے۔ اور اسی دوران اچانک بیمار ہو کر وفات پا گئے۔ اس کے بعد والدہ صاحبہ کافی پریشان رہتی ہیں۔ کیا تلافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ جس کے سبب ان کی بخشش ہو جائے۔

علاوہ ازیں والدہ صاحبہ والد صاحب کے کپڑے وغیرہ دھو کر استری کر کے دیتی رہیں۔ اور ہر طرح سے خیال بھی رکھتی رہیں۔ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ (ا۔ر۔مصری شاہ لاہور)

ج اللہ تعالی نے عورت کو مرد کے لئے سکون بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

(الروم: 21'30)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس میں سے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ۔ اس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قائم کر دی۔ یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالی نے واضح کردیا ہے کہ شوہر کے لئے بیوی سکون واطمینان کا سبب ہے اور مرد وزن کے اس رشتے کو اللہ تعالی نے محبت ورحمت بنایا ہے۔لیکن بسا اوقات شیطان اس رشتے میں رکاوٹ ڈالنے اور اطمینان وسکون کو بے سکونی'بدامنی اور زحمت میں بدلنے کے لئے بھرپور کوشش کرتا ہے۔

جس کی بناء پر ان دونوں کے درمیان محبت منافرت میں بدل جاتی ہے اور لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔یہ گھریلو لڑائی جھگڑے میاں بیوی دونوں کی کسی نہ کسی غلطی کی بناء پر کھڑے ہوتے ہیں۔

اور جب کوئی ایسی غلطی مرد یا عورت سے صادر ہوجائے تو اسے دور کرنے کے ساتھ توبہ واستغفار کو لازم پکڑنا چاہئے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾(نساء :110)

''جس نے کوئی برا عمل کیا یا اپنی جان پر ظلم کیا۔پھر اللہ تعالی سے معافی مانگی تو وہ اللہ تعالی کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔لہذا کسی قسم کی بھی زیادتی خواہ شوہر سے ہوجائے یا اس کی رفیقہ حیات سے'انہیں اس میں توبہ واستغفار کرنا چاہئے اوراس کے علاوہ جو بھی نیکی کرسکے'کرلے کیونکہ نیکیاں بھی گناہوں کو ختم کرتی ہیں۔''

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾(ھود :114)

''نماز قائم کیجئے دن کے دونوں اطراف میں اور رات کی گھڑیوں میں۔بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لئے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ نیکیاں کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔لہٰذا نیکیوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور جس قسم کی بھی نیکی کر سکیں ضرور کریں یعنی صدقہ وخیرات وغیرہ۔ نبی ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَاتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ))

(ترمذی کتاب البر والصلة باب ماجاء فی معاشرة الناس رقم الحدیث : 1994۔مسند احمد جلد 5ص 153‘158‘177 دارمی کتاب الرقاق رقم الحدیث :2791)

''تو جہاں بھی ہو اللہ سے ڈر‘برائی کے پیچھے نیکی لگا دے‘وہ اسے مٹا دے گی اور لوگوں سے اچھا معاملہ اختیار کر''اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نیکی کرنے سے آدمی کی برائی وگناہ ختم ہو جاتا ہے۔''

لہٰذا مذکورہ عورت کا جو اپنے خاوند کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ ہونے کی وجہ سے جھگڑا ہوا یا خاوند کی غلطی کی بناء پر معاملہ بڑھ گیا ہر دوصورتوں میں توبہ واستغفار سے کام لے اور مرنے والے کے حق میں دعائے خیر کرے اور خود توبہ واستغفار کے ساتھ ساتھ نیکی کے کام یعنی نماز‘روزہ‘تلاوت قرآن پاک‘صدقہ وخیرات وغیرہ سے کام لے۔فرائض کی پابندی کرے اور نفلی امور کی طرف رغبت رکھے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

کسی کی چیز اجازت کے بغیر استعمال کرنا

﴿س﴾ کسی بھائی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینا شرعی طور پر کیسا ہے اکثر اوقات دفاتر میں یہ صورت پیش آتی ہے کہ بیت الخلا یا کسی کام کی غرض سے کہیں جاتے ہوئے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کا جوتا پہن لیتے ہیں جس کی وجہ سے کافی پریشانی ہوتی ہے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ (ابومحسن‘لاہور)

﴿ج﴾ مسلمان آدمی کا مال‘خون اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے کسی شخص کی چیز

اس کی اجازت و رضا مندی کے بغیر استعمال کرنا درست نہیں۔ دفاتر یا مساجد وغیرہ میں لوگ جو ایک دوسرے کی جوتیاں اجازت کے بغیر استعمال کرتے ہیں اس میں بہت سی قباحتیں ہیں۔ ا۔ کسی بھائی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر لینا ہی حلال نہیں حتی کہ اس کی لاٹھی بھی اٹھا نہیں سکتا۔ جیسا کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّاخُذَ عَصَاأَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسِهِ مِنْهُ))

(ابن حبان 'موارد ١١٦٦)

''کسی بھی مسلمان کے لیے اپنے بھائی کی لاٹھی اس کی رضا مندی کے بغیر لینا حلال نہیں۔ آپ ﷺ نے مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر حرام قرار دیا ہے اس لیے بغیر اجازت چیز اٹھانے سے ایک تو وہ فعل حرام کا ارتکاب کرتا ہے۔''

(۲) جس شخص کی جوتی اٹھائی جاتی ہے جب وہ اپنی جوتی تلاش کرتا ہے تو نہ ملنے پر وہ کسی دوسرے کی پہن جاتا ہے جس سے یہ عمل مسلسل چل پڑتا ہے اور ایک کی بجائے کئی افراد پریشان ہوتے ہیں اس برے عمل کے جاری کرکے پر پہلا شخص جس نے یہ عمل جاری کیا وہ مسلسل گناہ حاصل کرتا رہتا ہے اس پر اپنے عمل کا بھی گناہ اور اس کی وجہ سے جو لوگ اس فعل میں مبتلا ہوئے ان کا بھی گناہ بغیر اس کے کہ ان کے گناہ میں کمی کی جائے۔ بہت کم ایسے افراد دیکھے گئے ہیں جو اپنی جوتی کے گم ہونے پر کسی دوسرے کی نہ پہنیں۔ واللہ اعلم

(۳) پھر اس عمل سے یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایک جوتا کسی کا پہن لیتے ہیں اور ایک کسی دوسرے کا، جس کی بنا پر اکثر جوتے بیکار سمجھے جاتے ہیں اور انہیں مستقل لاوارث سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہے۔

(۴) اخلاقیات کا انحطاط بڑھتا جاتا ہے اور اچھے بھلے لوگ بدظن ہو جاتے ہیں ایک شخص کی غلطی سے پوری تحریک بدنام کی جاتی ہے۔ بہر کیف ایک چھوٹی سی غلطی بڑے بڑے جرائم کا سبب بن جاتی ہے اور چوری جیسی بدعادت جنم لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عادات قبیحہ اور اخلاق رذیلہ سے محفوظ فرمائے۔ آمین

حرام جانوروں کے اعضاء سے پیوندکاری

(س) کیا حرام جانوروں کے اجسام کے اعضاء انسانی بدن میں لگائے جا سکتے ہیں؟

(ج) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے استعمال کے لئے جو اشیاء بنائی ہیں وہ حلال اور طیب ہیں حرام وخبیث اشیاء ہمارے لئے ناجائز ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی صفات حمیدہ ذکر کرتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾(الاعراف:۱۵۷/۷)

”اور آپ ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں۔“

امام ابن کثیر فرماتے ہیں بعض علماء نے کہا ہے کہ:

”فکل ما احل اللہ تعالیٰ من الماکل فھو طیب نافع فی البدن والدین وکل ما حرمہ فھو خبیث ضار فی البدن والدین“

(تفسیر ابن کثیر ۴۳۹/۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

”کھانے والی اشیاء میں سے جو چیز بھی اللہ نے حلال کی ہے وہ پاک اور جسم و دین میں نفع بخش ہے اور ہر وہ چیز جسے اللہ نے حرام کیا ہے وہ ناپاک اور جسم و دین میں نقصان دہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء میں نفع اور پاکیزگی ہے جب کہ حرام کردہ اشیاء میں

ضرر ونقصان ہے۔رسول کریم علیہ السلام نے بھی حرام اشیاء کو دوا کے لیے استعمال کرنا منع قرار دیا ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيْثِ))

((ابو داؤد كتاب الطب باب في الادوية المكروهة (٣٨٧٠) ترمذی كتاب الطب باب ما جاء فيمن قتل نفسه بسم او غيره (٢٠٤٥) ابن ماجه كتاب الطب باب النهي عن الدواء الخبيث (٣٤٥٩)) بيهقی ١٠/٥، المستدرك للحاكم ٤/٤١٠، مسند احمد ١٣/٤١٦ (٨٠٤٨)، ١٥/٤٧٠، ١٦/١٥٢، ابن ابی شيبه ٨/٥، حلية الاولياء ٨/٣٧٤، ٣٧٥، شعب الايمان بيهقی (٥٦٢٢)) " رسول کریم علیہ السلام نے خبیث دوا سے منع کیا ہے۔"

بعض روایات میں اس کی تفسیر زہر اور خمر سے کی گئی ہے لیکن یہ حدیث عام ہے زہر، شراب اور ہر حرام وخبیث چیز کو شامل ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ

"كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا دَعَا طَبِيْبًا يُعَالِجُ بَعْضَ اَهْلِهِ اِشْتَرَطَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يُدَاوِىَ بِشَيْءٍ مِمَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ" (البيهقی ١٠/١٦٥)

''ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی ایسے طبیب کو بلاتے جوان کے گھر میں سے کسی کا علاج کرتا تو اس پر شرط لگاتے کہ وہ کسی ایسی چیز سے علاج نہیں کرے گا جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔'' اس اثر کی سند صحیح ہے۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ))

(ابو داؤد (٣٨٧٤)، بيهقی ١٠/٥، شرح السنة ١٢/١٣٩)

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا نازل کی اور ہر بیماری کے لئے دوا بنائی پس تم دوا کرو اور حرام سے دوا نہ کرو''

اس کی سند میں گو کہ اسماعیل بن عیاش مدلس اور اس کا استاذ ثعلبہ بن مسلم مستور ہے۔
لیکن حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کا قوی شاہد ہے اور اس کے پہلے حصے کا شاہد ابو داؤ
وکتاب الطب باب فی الرجل یتداوی (۳۸۵۵) حدیث اسامۃ ہے۔

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام اشیاء سے علاج کرنا منع ہے لہٰذا حرام جانوروں کے اعضاء کی پیوندکاری جسم انسانی میں درست نہیں۔ واللہ اعلم

چچازاد بھائی سے پردہ کا حکم

س ہم ایک گھر میں والدین کے زیر سایہ ہیں بھائی شادی شدہ ہیں اور میں غیر شادی شدہ' ایک ہی چولھا ہے اور صحن بھی اب میں اپنی بھابھی سے اور بھابھی مجھ سے کیسے پردہ کرے جب کہ ہم دونوں سگے چچازاد اور خالہ زاد ہیں؟ (طارق اقبال P.A.F سرگودھا)

ج مسلمان عورت کے لئے غیر محرم مرد سے حجاب و پردہ کرنا ضروری ہے شوہر کے بھائی یا چچازاد یا خالہ زاد بیوی کے لئے محرم ہیں لہٰذا وہ ان کے سامنے بے حجاب نہیں رہ سکتی اور جسم کے جو اعضاء وہ اپنے محرم رشتہ دار کے سامنے کھول سکتی ہے وہ ان کے سامنے کھول نہیں سکتی اگرچہ یہ لوگ کتنے ہی پارسا' متقی پرہیزگار اور قابل اعتماد ہی کیوں نہ ہوں۔

عورت جن لوگوں کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ﴾ (النور۔31)

''اور اپنی زیب و زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے

باپوں یا اپنے خسر یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنے میل جول کی عورتوں یا اپنے غلاموں یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے واقف نہیں۔''

خاوند کے بھائی یا اس کے چچازاد ان رشتوں کی وجہ سے بیوی کے محرم نہیں ہیں عزت و آبرو کے تحفظ اور فساد و شر کے ذرائع کو روکنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے صالح اور غیر صالح میں کوئی فرق نہیں کیا اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ شوہر کے بھائی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: الحمو الموت'' خاوند کا بھائی موت ہے۔

(ترمذی کتاب الرضاع ۔مسند احمد ۔49/4)

حمو سے مراد خاوند کے بھائی دیور' جیٹھ وغیرہ ہیں جو کہ بیوی کے لئے محرم نہیں ہیں لہٰذا مسلمان کو دین کے تحفظ اور عزت و آبرو کے بارے میں محتاط رہنا چاہئے جو لوگ اسلامی احکامات کو سچے دل سے قبول کر لیتے ہیں ان کے لئے اس پر عمل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ایک ہی گھر میں رہ کر عورت اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر اپنے گھر کے کام کاج کرے اور دیور' جیٹھ وغیرہ کو بھی چاہئے کہ وہ اس معاملہ میں محتاط رہیں گھر میں کام کاج کے وقت اپنی بھابھی کے لئے پریشانی کا باعث نہ بنیں۔

گھر کے کسی کمرہ میں بیٹھ جائیں۔آمد و رفت کی کثرت نہ کریں اگر کسی ضرورت کے لئے باہر نکلنا ہو تو آواز دے کر متنبہ کر دیں کہ پردہ کر لیں میں نے گزرنا ہے۔لہٰذا میرے بھائی دین کی باتوں پر عمل کرنا اہل اسلام کے لئے کوئی مشکل کام نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی ایسے معاملات تھے لیکن وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سچے نمونے تھے انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں ہی کامیابی نظر آتی تھی اس لئے ہمیں بھی فراخ دلی سے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہئے اور ایسے مسائل کے بارے میں محتاط رہنا چاہئے اللہ توفیق بخشنے والا ہے۔

گھروں میں خواتین کا دوپٹہ اوڑھنا

﴿س﴾ کیا خواتین کو اپنے گھروں میں بھی اپنے سروں پر دوپٹے اوڑھنے چاہئیں کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں؟

﴿ج﴾ مسلمان عورت کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا فیصلہ ہے کہ یہ پردے کے اندر رہنی چاہیے اسے کھلے عام پھرنے کی اجازت نہیں دی گئی عورت کو اپنے گھر میں بھی سر پر دوپٹہ وغیرہ اوڑھنا چاہیے کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ))

''عورت پردہ ہے جب یہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔''

(سنن الترمذی کتاب الرضاع باب نمبر 18 رقم 1173 امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ صحیح ابن خزیمہ (1685`1686`1687) صحیح ابن حبان (329 موارد) المعجم الکبیر للطبرانی 132/10(10115) تاریخ بغداد 451/8 مجمع الزوائد 156/2(2116) علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے ارواء الغلیل 303/1 رقم (273) نصب الرایۃ 298`299)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت ایسی چیز ہے جو چھپانے کے لائق ہے اسی لئے عورت کو بذات خود پردہ قرار دے دیا لہٰذا مسلمان خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنے سارے وجود کو ڈھانپ کر رکھیں سوائے چہرے اور ہاتھوں کے کیوں کہ گھر میں کام کاج کے لئے انہیں کھلا رکھنا ایک ضرورت ہے اور یہ ستر سے مستثنیٰ ہے۔ لیکن غیر مردوں کے آگے ان اعضا کو بھی کھلا نہیں رکھنا چاہیے۔

بیرون ملک ولدیت بدل کر ملازمت کرنا

(س) ہمارے علاقے کے کچھ لوگ آج سے تیس سال پہلے ملازمت کیلئے ہانگ کانگ گئے وہاں پر کاروبار بہت اچھا تھا۔ جب وہاں پر بیرونی لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو وہاں کی گورنمنٹ نے قانون سخت کر دیئے کہ جو لوگ پہلے وہاں سیٹل تھے اب وہی کسی کو اپنا بیٹا بنا کر یا اپنی بیوی کا والد ظاہر کر کے لے جا سکتے تھے۔ اب پہلے سے مقیم لوگوں نے اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کو کاغذات میں اپنا بیٹا بنا کر لے جانا شروع کر دیا۔

ابھی اس طریقہ سے جا کر کئی لوگ وہاں پر ملازمت کر رہے ہیں۔ اس طریقہ سے میرے قریبی عزیز بھی گئے ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں کی یہ دلیل ہے کہ ہم وہاں حقیقت میں تو ان کو باپ نہیں سمجھتے بلکہ صرف وہاں کی غیر مسلم گورنمنٹ کے سامنے ہی کاغذات میں اپنے باپ کے علاوہ دوسرے باپ کے بیٹے بنے ہوتے ہیں۔

اب آپ یہ بتائیں کہ: (۱) کہ غیر مسلم حکومت کے سامنے کاغذات میں اپنے باپ کے علاوہ دوسرے باپ کی طرف نسبت کرنا نبی ﷺ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بیٹا بنانا اور کفار سے جھوٹ بولنے کا جواز جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کافر بادشاہ کے سامنے اصل بات واضح کھل کر نہ کی۔

ان سب باتوں کو مدنظر رکھ کر بتائیں کہ کیا اس طرح کاغذات میں اصل والد کی جگہ دوسرے والد کا نام لکھنا اور کام کرنا جائز ہے۔

(۲) بخاری شریف کی حدیث:

((مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ وَهُوَ یَعْلَمُهُ فَالْجَنَّةُ عَلَیْهِ حَرَامٌ))

مذکورہ معاملے پر فٹ آتی ہے یا نہیں۔

(۳) اگر یہ کام ناجائز ہے تو توبہ کا کیا طریقہ کار ہے۔ کیا وہاں سے واپس آنا ضروری ہے یا نہیں۔ جب کہ وہ لوگ وہاں پر انہی کاغذات پر رہ سکتے ہیں۔ اصل ولدیت کے ساتھ

نہیں رہ سکتے۔

(۴) اس طرح ان کی کمائی کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ایک جگہ سے ہمیں فتویٰ ملا ہے کہ ان کی کمائی حرام ہے کیونکہ اس کمائی کی بنیاد جھوٹ پر ہے۔ کیا جھوٹ کی بنیاد پر کیے ہوئے کام کی کمائی حرام ہے اگر چہ وہ کام فی نفسہ جائز ہو۔

(۵) اگر ان کی کمائی حرام ہے تو ایسے رشتہ داروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں نیز ان کی کمائی سے کھانا پینا وغیرہ کیسا ہے۔

(۶) ایک عالم دین نے ان کو فتویٰ دیا کہ آپ ابھی اسی طرح ملازمت جاری رکھیں صرف اتنی توبہ کافی ہے کہ ہم آئندہ سے کسی کا بیٹا نہیں بنیں گے یعنی ابھی انہی کاغذات پر ملازمت کرتے رہیں کیا یہ مؤقف اور توبہ کا یہ طریقہ شریعت کے موافق ہے۔

(محمد شفیق بن شیر بہادر، ضلع اٹک)

ج زمانہ جاہلیت میں رواج چلا آرہا تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی تھا کہ لوگ لے پالک بیٹوں کو حقیقی بیٹا سمجھتے تھے۔ اور انہیں حقیقی بیٹوں کی مانند حقوق حاصل تھے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں محمد ﷺ نے لے کر پالا تھا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم انہیں زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارتے تھے۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی۔

﴿اُدْعُوهُمْ لِآبَاءِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا آبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

(الاحزاب 5;33)

”لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پورا انصاف یہی ہے اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور جو تم سے بھول چوک میں ہو جائے اس میں تم پر گناہ نہیں البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو اور اللہ تعالیٰ بڑا

ہی بخشنے والا مہربان ہے۔"

(صحیح البخاری کتاب التفسیر باب ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ (4786)صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل زید بن حارثہ و اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہما 2425/62تحفۃ الاحوذی 58/9)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ سھلہ بنت سہیل بن عمرو جو حذیفہ ابن عتبہ کی بیوی تھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی ابوحذیفہ کا غلام سالم ہمارے پاس آتا ہے۔اور میں کام کاج کے لباس میں ہوتی ہوں ہم اسے بیٹا سمجھتے ہیں ابوحذیفہ نے اسے اسی طرح متبنیٰ بنا رکھا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے زید کو بیٹا بنایا ہے تو اللہ نے یہ آیت نازل کر دی۔

﴿اُدْعُوهُمْ لِآبَاءِ هِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾

(المنتقی لابن الجارود (690)صحیح البخاری' کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین (5088)ابو داؤد (2061)موطا مالک 605/2دارمی 81/2عبد الرزاق 409/7مسند احمد 201/6'271صحیح ابن حبان (2'42بیھقی 409/7'460صحیح مسلم (1453)ابن ماجہ (1943)مسند حمیدی (278)

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کو زید بن محمد ﷺ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ انہیں ان کے باپ حارثہ کی طرف منسوب کر کے ہی پکارا جاتا تھا۔اس آیت میں اللہ نے جاہلی رسم کی ممانعت کر دی اور ساری نسبتیں ختم کر کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے بلانے کا حکم دیا ہے اور جس کی نسبت کا علم نہیں تو انہیں بیٹا کہنے کی بجائے بھائی اور دوست کہنا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا تھا۔

((اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا))

"تم ہمارے بھائی اور دوست ہو۔"

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب عمرته القضاء (4251)مسند احمد 115/1شرح السنة 140/14 بیهقی 226/10،6/8المستدرك للحاکم 120/3)

اور جو شخص جان بوجھ کر غلط انتساب کرے گا وہ سخت گنہگار ہوگا۔علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیفے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ:

((وَمَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوِ انْتَمٰى اِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ ،فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ،لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا))

"جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کی طرف نسبت کی یا جس غلام نے اپنے موالی (جنہوں نے اسے آزاد کیا) کے علاوہ نسبت کی اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس سے نفلی اور فرضی کوئی عبادت قبول نہیں کرے گا۔"

(صحیح مسلم ،کتاب الحج باب المدینه حرم بین عیر الی ثور 1370/467ترمذی (2120،2121،2127)ابن ماجه (2609)مسند احمد 328/1مسند ابی یعلی(2540) ابو داؤد (2870) وغیرہ میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے مروی ہے) نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے۔

((مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ))

"جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا اور وہ جانتا بھی ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔"

(صحیح البخاری ،کتاب المغازی (4326،4327)وکتاب الفرائض باب من ادعی الی غیر ابیه(6766)ابن ماجه 2610)مسند طیالسی (199)عبد الرزاق (16310، 16313، 16314)ابن ابی شیبه 825/8مسند احمد 169/1،174،38/5،46)مسند

عبد بن حمید(135)ابوداؤد (5113)مسند ابی یعلی (765'702'700)مسند ابو عوانہ 30'29/1شرح السنۃ (2376)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ لَمْ یَرَحْ رِیْحَ الْجَنَّةِ 'وَاِنَّ رِیْحَهَا لَیُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَةِ خَمْسِ مِئَةِ عَامٍ))

''جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ منسوب کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اور بلاشبہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے پائی جائے گی۔ایک روایت میں 70 سال کا ذکر ہے۔''

(ابن ماجہ (2611)مسند احمد 194'171/2مسند طیالسی(2274)

ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

((لَیْسَ مِنْ رَجُلٍ اِدَّعٰی لِغَیْرِ اَبِیْهِ وَهُوَ یَعْلَمُهُ اِلَّا کَفَرَ بِاللّٰهِ وَمَنِ ادَّعٰی قَوْمًا لَیْسَ لَهُ فِیْهِمْ نَسَبٌ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

''جو شخص جانتے ہوئے بھی اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف نسبت کرے اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے اور جس نے کسی قوم میں سے ہونے کا دعوی کیا جس قوم میں اس کا نسب نہیں ہے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔''

(صحیح البخاری 'کتاب المناقب (8 '35)صحیح مسلم 'کتاب الایمان 61/112مسند احمد 166/5)

مولانا صفی الرحمان مبارکپوری حفظہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

" (ادعی الی غیر ابیه)ای نسبه نفسه الی غیر ابیه (الا کفر) کفرا مخرجا عن الاسلام 'ان کان مستحلالہ 'والافقد کفر النعمة والاحسان وحق اللہ تعالی وحق ابیه 'وهذا کما قال ﷺ عن النساء یکفرن ثم فسره بکفر انهن الاحسان و کفر ان العشیر"

(امنة المنعم 91/1)

"یعنی جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی طرف نسبت حلال سمجھتے ہوئے کی تو اس نے ایسے کفر کا ارتکاب کیا جو اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔ اور اگر ایسے نہیں ہے تو اس نے نعمت' احسان' اللہ کے حق اور اپنے باپ کے حق سے کفر کیا ہے یعنی کفران نعمت کا مرتکب ہوا ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے کفر کے بارے میں فرمایا پھر اس کی تفسیر کفران احسان اور کفران عشیر سے کی۔"

مذکورہ بالا آیت مجیدہ اور احادیث مبارکہ صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ کسی بھی شخص کو اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف نسبت کرنا حلال نہیں جو شخص جانتے بوجھتے اپنے آپ کو کسی کی طرف منسوب کرے تو وہ کفر صریح کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور جس شخص کے باپ کا علم نہ ہو اسے بیٹا کہنے کی بجائے بھائی یا دوست کہا جائے۔ البتہ اگر کوئی کسی چھوٹے کو محبت اور پیار سے بیٹا یا بھتیجا کہے تو وہ الگ بات ہے۔

(۱) مذکورہ بالا آیت اور احادیث اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ انسان جہاں کہیں بھی ہو خواہ اپنے ملک میں یا بیرون ملک' کسی صورت میں بھی اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا اور زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے دلیل لینا بالکل غلط ہے کیونکہ آیت کے نزول کے بعد زید بن محمد ﷺ نہیں کہا جاتا تھا۔ احکامات منسوخہ سے استدلال کرنا بالکل مردود ہے۔ ابراہیم علیہ اسلام کے خلاف ظاہر بات کہنے سے دلیل لینا بھی بالکل غلط اور باطل ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ غیر باپ کی طرف جان بوجھ کر نسبت کرنے والا کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

دوسرے ملک میں کاروبار کی غرض سے ولدیت بدل کر جانے کو ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ سے ذرہ بھر بھی علاقہ نہیں ہے۔

(۲) بخاری شریف کی مذکورہ حدیث اس امر پر بالکل واضح ہے کہ نسبت بدلنا

حرام ہے۔

(۳) توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی اصل ولدیت اپنے کاغذات پر تحریر کرے' اپنے کیے پر ندامت اختیار کرے اور اللہ کے حضور سچے دل سے معافی مانگ لے کیونکہ سچی توبہ کے لیے ضروری ہے کہ پچھے گناہ کو ترک کرے اور آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کر لے اور اپنے کیے پر ندامت اختیار کر کے اللہ سے استغفار کر لے۔

جیسا کہ امام نووی نے ریاض الصالحین میں توبہ کے باب میں ذکر کیا ہے اپنے کاغذات میں اپنی اصل ولدیت تحریر کرنا ضروری ہے۔ جان بوجھ کر غلط ولدیت لکھنے کے متعلق اوپر ذکر کردہ احادیث پر غور کر لیں اگر اصل ولدیت تحریر نہ کر سکے اور وہاں پر رہ کر اسلامی احکامات کا اظہار نہ کر سکے تو پھر اپنے وطن واپس آ جائے۔

(۴) ان کی دیگر ممالک میں رہ کر کمائی کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر وہاں پر رہ کر صحیح حلال کام و تجارت کرتے ہیں تو آمدنی حلال ہے بصورت دیگر حرام۔ غلط ولدیت تحریر کرنے کی وجہ سے احادیث میں مذکور وعید کے مستحق ضرور ہیں لیکن ان کی کمائی پر حرمت کا حکم تب لگے گا جب وہ وہاں پر حرام کام کر کے اجرت لیں کیونکہ فعل حرام پر اجرت حرام ہے۔

جیسے شراب بنانا حرام ہے اور شراب بیچ کر اجرت لینا بھی حرام' سود حرام ہے اور سود کے ذریعے کمائی کر کے کھانا کھلانا بھی حرام سودی معاملات میں تعاون کرنے والے کاتب اور گواہ بھی اسی پر جو اجرت لیں گے وہ حرام ہے۔

اسی طرح زنا حرام ہے اور زنا کی اجرت بھی حرام الغرض فعل حرام پر اجرت درست نہیں اور اگر فعل صحیح جائز اور شرعی ہے تو اس پر لی گئی اجرت درست ہے۔

(۵) اس سوال کا جواب نمبر ۴ میں موجود ہے۔

(۶) کاغذات اپنے فوری طور پر صحیح کروائیں اپنی اصل ولدیت کاغذات میں لکھایا اور تحریر کروایا کریں۔

ھذا ما عندی و اللہ اعلم بالصواب و علمہ اتم و اکمل

مد' رطل' صاع اور وسق کا صحیح وزن

س: مد' رطل' صاع اور وسق کا صحیح وزن کیا ہے۔ نیز کیا پانچ وسق کا وزن 20 من صحیح ہے؟ (احسان اللہ فاروقی۔لاہور)

ج: صاع ماپ کا پیمانہ ہے۔ وزن کا نہیں۔ جب اسے اوزان میں لایا جاتا ہے تو اجناس کی مختلف اقسام کی بنا پر اس میں کمی بیشی ہو جاتی ہے جس کی بنا پر اہل علم میں اس کے متعلق اختلاف ہے ایک صاع میں 4 مد ہوتے ہیں اور یہ بات اہل علم کے ہاں معروف ہے کہ صاع نبوی $5\frac{1}{3}$ لہٰذا ایک مد کا وزن $1\frac{1}{3}$ رطل ہے ایک وسق میں 60 صاع ہوتے ہیں اور 5 وسق کے 300 صاع ہوئے۔ 5 وسق کا وزن صاع کے وزن پر موقوف ہے۔

برصغیر کے عام علماء صاع کا وزن دو سیر گیارہ چھٹانک تین تولے اور چار ماشے بیان کرتے ہیں۔

مولانا عبداللہ محدث روپڑی کے فتاوی اہلحدیث 409/2 میں لکھا ہے کہ ''صاع مدینہ کا معتبر ہے اور اس کا صحیح اندازہ پانچ رطل اور تہائی رطل ہے اور رطل کا مشہور اندازہ ادھ سیر ہے اس حساب سے صاع دو سیر پختہ انگریزی دس چھٹانک تین تولہ چار ماشے ہوتا ہے۔

جب کہ محدث گوندلوی حافظ محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک مد نو چھٹانک کے برابر اور 4 مد 36 چھٹانک کے برابر ہوئے۔ اور ایک صاع پھر سوا دو سیر ہوا۔ 5 وسق کا 16 من 35 سیر ہوا جبکہ صحیح اور اطمینان بخش بات یہ ہے کہ ایک مد میں نصف کلو کے قریب گندم آتی ہے۔ اس لحاظ سے پانچ وسق 300 صاع کا وزن 600 کلو گندم یعنی 15 من کے برابر ہوگا۔

مد۔ یمد۔ مدا۔ کا معنیٰ'' پھیلانا '' ہے۔ لغت کی مشہور کتاب ''لسان العرب''

53/13 مجمع بحار الانوار 568/4 النہایہ فی غریب الحدیث والأثر 308/4 میں ہے
کہ ''إِنَّ أَصلَ الْمُدِّ بِأَن يَّمُدَّ الرَّجُلُ يَدَيْهِ فَيَمْلَأ كفيه طعاما '' مد کی اصل یہ ہے کہ
آدمی اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ہتھیلیوں میں غلہ بھرے۔ القاموس المحیط
ص 407 میں لکھا ہے:

''اَلْمُدُّ بِالضَّمِّ مِكْيَالٌ وَهُوَ رِطْلَانِ أَوْ رِطْلٌ وَثُلُثٌ أَوْ مِلْءُ كَفَّي الْإِنْسَانِ الْمُعْتَدِلِ إِذَا مَلَأَ هُمَا وَمَدَّ يَدَهُ بِهِمَا وَبِهِ سُمِّيَ مُدًّا وَقَدْ جَرَّبْتُ ذٰلِكَ فَوَجَدْتُهُ صَحِيحًا''

مد ضمہ (پیش) کے ساتھ پیمائش کا پیمانہ اور وہ دو رطل (اھل عراق اور ابو حنیفہ کے نزدیک) یا رطل (اھل حجاز کے ہاں) یا درمیانے انسان کی دونوں ہتھیلیاں ہیں جب وہ ان دونوں کو بھر لے اور ہتھیلیاں پھیلا دے۔ اسی وجہ سے اسے مد کہا جاتا ہے۔ میں نے اس کا تجربہ کیا اور اسے صحیح پایا ہے۔

اور ص 955 میں لکھا ہے کہ:

''اَلصَّاعُ أَرْبَعَةُ أَمْدَادٍ كُلُّ مُدٍّ رِطْلٌ وَثُلُثٌ قَالَ الدَّاوُدِيُّ: مِعْيَارُهُ الَّذِي لَا يَخْتَلِفُ: أَرْبَعُ حَفَنَاتٍ بِكَفَّي الرَّجُلِ الَّذِي لَيْسَ بِعَظِيمِ الْكَفَّيْنِ وَلَا صَغِيرِ هِمَا ، إِذْ لَيْسَ كُلُّ مَكَانٍ يُوجَدُ فِيهِ صَاعُ النَّبِيِّ ﷺ انتهى وَجَرَّبْتُ ذٰلِكَ فَوَجَدْتُهُ صَحِيحًا''

ایک صاع کے چار مد ہوتے ہیں۔ ہر ایک مد 1/3 1 رطل ہوتا ہے۔ (ایک صاع 1/3 5 رطل ہوتا ہے)

داوودی نے کہا ہے: اس کا معیار جو مختلف نہیں ہوتا ایسے آدمی کے دونوں ہاتھوں کی چار لپیں ہیں جس کی ہتھیلیاں نہ بڑی ہوں اور نہ چھوٹی۔ اس لئے کہ ہر جگہ میں رسول اللہ ﷺ کا صاع نہیں پایا جاتا۔ علامہ فیروز آبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں۔ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور اسے صحیح پایا ہے یعنی ایسی چار لپیں رطل کے برابر ہوتی ہیں امام نووی

فرماتے ہیں:

"وَقَالَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ: الصَّاعُ أَرْبَعَ حَفَنَاتٍ بِكَفَّي رَجُلٍ مُعْتَدِلِ الْكَفَّيْنِ".

"علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ایک صاع میں درمیانی ہتھیلیوں والے آدمی کی چار لپیں ہوتی ہیں۔"

(المجموع 129/6) نیز دیکھیں مغنی المحتاج 382/1 المصباح المنیر 415/1 الایضاح والتبیان فی معرفۃ المکیال والمیزان ص 57`56 بحوالہ التعلیق علی کتاب الزکاۃ للبغوی ص 223)

مذکورہ بالا حوالات سے معلوم ہوا کہ ایک صاع میں درمیانی ہتھیلیوں والے آدمی کی چار لپیں ہوتی ہیں۔ حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں "اسلام دین فطرت ہے اور اس کے مقرر کردہ پیمانے بھی سادہ اور فطری ہیں۔ سعودی عرب کے مشہور مفتی شیخ عبدالعزیز بن باز اور ان کے ساتھی ھیئتہ کبار العلماء کے ارا کین نے بھی یہی فرمایا ہے کہ صدقہ فطر ادا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ معتدل ہاتھوں والا آدمی دونوں ہاتھوں کی لپیں چار دفعہ بھر کر دے۔

یہ مقدار ہمارے تجربہ کے مطابق گندم میں سے دو کلو ہے۔ ہر شخص خود بھی تجربہ کر سکتا ہے "احکام زکوۃ وعشر ص 53 مفتی عبدالرحمان الرحمانی کے رسالہ "المیزان فی الاوزان" میں بھی یہی بات موجود ہے۔ لہٰذا انہوں نے جو اپنی کتاب "مسائل عشر پر تحقیقی نظر ص 12`11 میں پانچ وسق کا وزن 20 من کے برابر تقریباً قرار دیا ہے درست نہیں۔ صحیح اور درست 15 من وزن پانچ وسق کا بنتا ہے۔ واللہ اعلم

حصول کے متعلق حدیث چین

(س) عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حدیث ہے "علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے کیا

یہ حدیث درست ہے؟ (ام اسامہ: لاہور کینٹ)

ج یہ روایت درست نہیں ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی کتاب: ''الرحلۃ فی طلب الحدیث'' میں تین سندوں سے ذکر کی ہے جن کا دارومدار الحسن بن عطیہ عن ابی عاتکہ طریف بن سلمان عن انس پر ہے اور اسی سند سے انہوں نے تاریخ بغداد ۹/۳۶۴' ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ ۱/ ۸۷ میں ذکر کی ہے اور امام عقیلی نے کتاب الضعفاء الکبیر ۲/۲۳۰) میں: حماد بن خالد الخیاط قال حدثنا طریف بن سلمان ابو عاتکہ قال سمعت انس بن مالك کے طریق سے ذکر کی ہے اور ابو عاتکہ طریف بن سلمان کے سوا کسی سے چین کے الفاظ محفوظ نہیں ہے اور طریف منکر الحدیث اور متروک راوی ہیں۔ طریف کی اس روایت کی طرف امام بخاری نے التاریخ الکبیر ۴/۳۱۰ رقم ۶۰۲۹/۳۱۳۵ میں اشارہ کر کے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور جسے امام بخاری منکر الحدیث قرار دیں' اس سے روایت لینا حلال نہیں جیسا کہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مذکور ہے لہٰذا یہ روایت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم اسکی متابعت ذکر کی ہے لیکن اس سند میں یعقوب بن اسحاق العسقلانی کذاب راوی ہے جیسا کہ میزان ۴/۴۴۹ وغیرہ میں ہے۔

ابن عدی نے اس روایت کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے لیکن اس کی سند میں احمد بن عبداللہ الجویباری کذاب راوی ہے لہٰذا اس کی سند بھی علل قادحہ سے خالی نہیں۔

امام ابن الجوزی نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا اور اسماعیل بن محمد العجلونی نے کشف الخفاء ومزیل الالباس ۱/۱۳۸ میں ذکر کر کے اسے مجموعی طرق کے لحاظ سے حسن قرار دیا ہے۔ حقیقت میں یہ نہ موضوع ہے اور نہ ہی حسن بلکہ انتہائی ضعیف ہے۔

والعلم عنداللہ

خاوند کی اجازت کے بغیر صدقہ وخیرات کا حکم

(س) کیا بیوی آدمی کے بغیر پوچھے صدقہ وخیرات دے سکتی ہے؟ حدیث سے وضاحت کریں۔ (عبدالقادر گوجرانوالہ)

(ج) عورت کو اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر مال خرچ نہیں کرنا چاہئے ابوامامہ الباھلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تنفق امرأة شيئاً من بيت زوجها الا باذن زوجها قيل يا رسول الله ولا الطعام؟قال ذاك افضل اموالنا"

عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے۔ کہا اے اللہ کے رسول اور غلہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ تو ہمارے افضل مالوں سے ہے۔

(ابوداود(٣٥٦٥) ترمذی (٦٧٠) ابن ماجه (٢٣٩٨) مسند احمد ٥/٢٦٧ مسند طيالسي (١١٢٧) المصنف لعبدالرزاق(١٦٦٢١)التمهيد١/٢٣٠ بيهقی ٤/١٩٣-١٩٤ شرح السنة٦/٢٠٤)

معلوم ہوا کہ جب ایسا صدقہ وخیرات جو غلے سے کم قدر وقیمت والا ہو وہ خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کر سکتی تو جو غلہ افضل اموال سے ہے وہ کیسے خرچ کر سکتی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ٣/ ٢٨٨) اگر عورت کو معلوم ہو کہ صدقہ وخیرات کرنے سے مرد روکتا نہیں بلکہ پسند کرتا ہے تو پھر خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا تصدقت المراة من بيت زوجها كان لها به اجر وللزوج مثل ذلك وللخازن مثل ذلك ولا ينقص كل واحد منهم من اجر صاحبه شيئاً له بما كسب ولها بما انفقت"

جب عورت اپنے شوہر کے گھر سے صدقہ کرتی ہے تو اسے اس کا اجر ملتا ہے اور شوہر کو بھی اسی طرح اجر ملتا ہے اور خزانچی کو بھی اس کی مثل اجر ملتا ہے اور ہر ایک دوسرے کے اجر کو کم نہیں کرتا۔ مرد کے لیے اس کی کمائی کا اجر اور عورت کے لیے اس کے خرچ کرنے کا اجر ہے۔

(ترمذی (٦٧١) نسائی کبری ٢/٣٥)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اذا اعطت المراة بن بيت زوجها بطيب نفس غيره مفسدة كان لها مثل اجره لها ما نوت حسنا وللخازن مثل ذلك"

جب عورت شوہر کے گھر سے خوشی کے ساتھ عطیہ دے اور عطیہ میں اسراف کرنے والی نہ ہو اس کے لیے شوہر کی مثل اجر ہے اور عورت کے لیے وہ ہے جو اس نے اچھی نیت کی اور خازن کو بھی اسی کی مثل اجر ہے۔

(ترمذی(٦٧٢) نسائی کبری ٥/٣٧٩)

علامہ مبارک پوریؒ اس کی شرح میں رقمطراز ہیں۔

((وهذا محمول على اذن الزوج لها بذلك صريحاً او دلالة))۔

(تحفة الاحوذی ٣/٣٩٠)

یہ عورت کے لیے شوہر کی اجازت پر محمول ہے خواہ یہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

مطلب یہ ہے کہ مرد نے عورت کو واضح طور پر خرچ کرنے کی اجازت دے رکھی ہو یا اس کے عمل سے معلوم ہو کہ یہ عورت کے خرچ کرنے پر وہ ناراض نہیں ہوتا۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ ۴/۴۳۵ میں یہ قول بھی ہے کہ یہ معاملہ اہل حجاز کی عادت کے موافق ہے۔ ان کی عادت تھی کہ انہوں نے اپنی بیویوں اور نوکروں کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ مہمان نوازی کریں۔ سائل، مساکین اور پڑوسیوں کو کھلائیں، پلائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو

اس اچھی عادت اور عمدہ خصلت پر شوق دلایا ہے۔

لہٰذا عورت کو شوہر کی طرف سے جب اجازت ہو خواہ یہ اجازت وضاحت کے ساتھ ہو یا کسی اور طریقے سے تو اسے خرچ کرنا چاہیے۔ مرد کی طرح عورت کو بھی اجر ملے گا۔ مرد کو کمائی کرنے کی وجہ سے اور عورت کو خرچ کرنے کی وجہ سے۔ ہمارے گھروں میں مرد حضرات کی عادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور خواتین اللہ کی راہ میں عطیات وصدقات خرچ کرتی رہتی ہیں اور شوہر اس پر ناراض نہیں ہوتے۔ بہر کیف عورت کو شوہر کی اجازت و رضامندی حاصل کر لینی چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن خوانی

س کیا قرآن خوانی کروانا جائز ہے؟ (ہمشیرہ ابو سہیل۔ ٹنڈو الایا)

ج کچھ چیزیں اصلاً حرام ہوتی ہیں اور کچھ وصفاً حرام ہوتی ہیں۔ مثلاً خنزیر تو اصلاً حرام ہے اور غیر اللہ کے نام کا بکرا بھی حرام ہے لیکن یہ بکرا غیر اللہ کا نام پکارنے کی وجہ سے حرام ہوا ہے اصلاً حلال تھا۔ اسی طرح قرآن مجید پڑھنا اصلاً تو حلال و جائز ہے بلکہ ثواب ہے مگر قرآن خوانی کا مروجہ طریقہ حرام ہے۔ حلقہ بندی' مخصوص آیات وسورہ کا ورد و تکرار' اور پھر کسی خاص مقصد یا ایصال ثواب کے لیے پڑھنا۔ ایسے اوصاف ہیں جو قرآن پڑھنے کو ثواب کی بجائے الٹا بدعت یعنی گناہ بنا دیتے ہیں۔

کیونکہ یہ چیزیں سنت سے ثابت نہیں ہیں اور جو عمل سنت سے ثابت نہ ہو۔ بموجب فرمان نبوی ﷺ:

من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد (متفق علیه)

''جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہے''

نیز فرمایا

''شر الامور محدثاتها''

”کاموں میں بدترین کام نئے ایجاد شدہ ہیں۔“

(بخاری' کتاب الاعتصام)

ویسے بھی نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ نیک کام یا عبادت کو بھی اگر دنیاوی مقاصد کے لیے کیا جائے تو وہ دنیاوی مقاصد پورے ہوں یا نہ ہو۔ دنیاداری کی نیت اس عمل کے ثواب کو برباد یا کم ضرور کر دیتی ہے۔

انما الاعمال بالنیات۔ من کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله ومن كانت هجرته الی الدنیا او الی امراة یتزوجها فهجرته الی ما هاجر الیها“ (بخاری۔ کتاب بدء الوحی)

”اعمال کا دارمدار نیتوں پر ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی تو واقعی اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہی ہوئی اور جس نے دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت کا ثمرہ وہی ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔“

لہٰذا مروجہ قرآن خوانی اپنے دوسرے اوصاف کے اعتبار سے بدعت ہونے کے ساتھ دنیاداری کی نیت کی وجہ سے بھی برباد ہے۔

تخریج و تحقیق کے ساتھ

ایک نئے انداز میں

تفسیر ابنِ کثیر

5 جلدوں پر مشتمل

دو رنگہ طباعت

از قلم: امام حافظ ابو الفداء عماد الدین ابنِ کثیر رحمہ اللہ

مترجم: مولانا محمد جونا گڑھی رح

- قرآن کریم کا انتہائی خوبصورت متن
- کتاب کی خوبصورتی کے لئے قرآن کریم کا متن ہر صفحے کے اوپر دیا گیا ہے۔
- مضمون کے مطابق عنوان بندی اور پیراگرافی کا اہتمام
- آیات اور احادیث کی تخریج کیساتھ احادیث پر صحت اور ضعف کا حکم لگا دیا گیا ہے۔
- آیات، عنوانات اور حوالہ جات نمایاں کرنے کیلئے سرخ رنگ میں دیئے گئے ہیں۔
- ۴۰۰ سے زائد صفحات کے اضافے کے باوجود مکتبہ قدوسیہ کی روایت کے مطابق قیمت نہایت مناسب

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

Ph: 7351124 - 7230585
Email: qadusia@brain.net.pk